

اصول حدیث کے بعض اہم مباحث

تالیف

مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ

ترتیب

پروفیسر اکرم محمد بشیر مدظلہ

ناشر

ڈاکٹر محمد عبدالرحمن عصفری

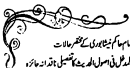
مؤتیس و مدیر

الرحیمہ لکچرل

اے بلاک ہاؤس آباد کراچی۔ ۷۵۹۰۰

موبائل: ۳۳۳۰۳۸۱۱۷۵، ۳۳۳۰۳۸۶۷۳۸۰

اصول حدیث کے بعض اہم مباحث



• امام ہاکم نیشاپوری کے مختصر حالات

• الحدیث فی اصول الحدیث کا تفصیلی ناقدانہ جائزہ

• صحیح حدیث مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ

• کتاب التاج پر ایک حدیثی مجموعہ اور اس کے متعدد نسخے

• اثرات صحیح بخاری پر مبنی بحث

• شریعت و فقہ میں ایک سیر کا آثار و موضوعات

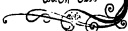
• ہندوستان اور علم حدیث

• شاہ ولی اللہ اور کتب طبقات حدیث

• خانوادہ شاہ عبدالغنی کی علم حدیث میں خدمات

• خانوادہ شاہ ولی اللہ کی علم حدیث میں خدمات

• سوانح کمالیہ



محقق: محمد عبدالرحمن حنفی

الرحیم اکیڈمی

اے 7/7، اکرام آباد، لیاقت آباد، کراچی

0322-2867480

محمد ماجد الرحمن 0322-2481175

فہرست موضوعات

۱. عرض ہنتر
۲. کتاب اور صاحب کتاب
۳. امام ابو مہدے حاکم نیسابوری
۴. تصانیف
۵. حدیث کی اہمیت
۶. حاکم کا تعلق اور تہذیب
۷. وفات
۸. امام علی بن اسماعیل حاکم انیسابوری
۹. امام علی کی اہمیت
۱۰. تراجم و ابواب کا فرق
۱۱. کیا کچھ حدیثیں کو بے جگہ بخدی نے صحیح کیا ہے؟
۱۲. صاحب ذخیرہ پختہ حدیثی مجموعہ ہے وہ ابواب پر مرتب ہوا
۱۳. امام ابو حنیفہ کی تصانیف سے امام بیہک کا استفادہ
۱۴. امام اعظم کی روایت حدیث اور عمل بالحدیث کی شرط
۱۵. صاحب ذخیرہ کے ناپید شدہ تصانیف
۱۶. ایک نئے نسخہ کا ذکر
۱۷. صاحب ذخیرہ کے نسخے
۱۸. (۱) ساتویں میں مہدے
۱۹. (۲) امام زکریا بن محمد بن ابراہیم
۲۰. (۳) امام محمد بن ابی حنیفہ
۲۱. (۴) امام ابو حنیفہ
۲۲. (۵) امام ابو حنیفہ میں حسن فیہی
۲۳. (۶) امام حسن بن زید (رحمہ اللہ)
۲۴. مرقا امام بیہک

- ۹۸ منہ کا زینت ہالک:
- ۹۹ خضار سے روایت پر اعتراض اور اس کا جواب
- ۱۰۰ ہون کا :
- ۱۰۱ شراب پیئیں :
- ۱۰۲ شراب پیئیں کے بارے میں ماکہ متقی وغیرہ کے بیان کی تحقیق :
- ۱۰۳ شراب پیئیں کے حلقہ حافظ ابن عساکر اور اس کی تحقیق :
- ۱۰۴ شراب پیئیں کے حلقہ حافظ ہمدانی کا بیان اور اس کی تحقیق :
- ۱۰۵ شراب پیئیں کے حلقہ ابن جریر وغیرہ کا بیان اور اس کی تحقیق :
- ۱۰۶ ابن ہشام اور شراب پیئیں :
- ۱۰۷ اس خیال کی تردید کو جس میں مرزہ شمس الدین دہلوی :
- ۱۰۸ دوسرے امر کی بحث :
- ۱۰۹ ایک شب کا ارادہ :
- ۱۱۰ عیسایہ پیئیں و حج دہلیں کے لئے عطا و انعام کی شرط :
- ۱۱۱ شراب پیئیں کے بارے میں قول لیل :
- ۱۱۲ پیئیں سے اس بارے میں کچھ حوالہ نہیں :
- ۱۱۳ تم بول کی حدیث کی تصدیق ۱۰ بار دہرے میں لیکن :
- ۱۱۴ کیا مسلم نے تم کو حدیث سے تخریج کیا کہ وہ ۱۰ بار دہرے کا ہے :
- ۱۱۵ کیا یہ کیا ہوتا ہے کہ حدیث نبویہ کی تصدیق ۱۰ بار دہرے سے بھی کم ہے :
- ۱۱۶ کچھ حلقہ طے کی دوسری قسم :
- ۱۱۷ ماکہ کی حیرت انگیز مختلف باتیں :
- ۱۱۸ کچھ حلقہ طے کی تیسری قسم :
- ۱۱۹ کچھ حلقہ طے کی چوتھی قسم :
- ۱۲۰ کچھ حلقہ طے کی پانچویں قسم :
- ۱۲۱ کچھ حلقہ طے کی اقسام :
- ۱۲۲ رسول کے بارے میں مذہب اور کی تحقیق :
- ۱۲۳ وہم و غم کی دوائی :
- ۱۲۴ وہم اور غم کا مذہب :

- ۱۵۸ اہل حدیث کا عمل:
- ۱۵۹ مرسل کے ناقابل احتجاج ہونے کے دلائل:
- ۱۶۱ مرسل سے احتجاج کے دلائل
- ۱۶۲ مرسل کی چار قسمیں
- ۱۶۳ مراسل تابعین کے نہ ملنے کی حتمی دلیل
- ۱۶۴ اس دلیل کا بھل
- ۱۶۶ تطبیقات بخلافی اور مراسل تابعین:
- ۱۶۶ مرسل کے بارے میں امام ابو دھور کا فیصلہ:
- ۱۶۷ اس حد میں ہے سند حدیث میں کرنے کا حکم:
- ۱۶۹ ائمہ مرسلین اصول پر سنت کا ایک حصہ منقطع ہو کر رہا ہے
- ۱۷۰ کج خلف نہ کی دوسری قسم:
- ۱۷۳ سمیعین میں حدیث کی روایت:
- ۱۷۴ کج خلف نہ کی تیسری قسم:
- ۱۷۷ سمیعین میں ایسی حدیثیں موجود ہیں:
- ۱۷۷ اپنے بیان کے خلاف طرد حاکم کا عمل:
- ۱۷۸ کج خلف نہ کی چوتھی قسم
- ۱۷۹ کج خلف نہ کی پانچویں قسم
- ۱۸۰ امدیث سمیعہ کا ائمہ صرف سمیعین ہی میں نہیں
- ۱۸۳ تابعین حدیث کی اکثریت نجات کی ہے
- ۱۸۸ نووی کا بیان:
- ۱۸۹ ابن سلع کا بیان:
- ۱۹۱ حافظ زین الدین عراقی کا بیان ہے:
- ۱۹۲ سنن کی امدیث کا حکم اور ابن سلع کے خیال کا بھل
- ۱۹۷ امام ابو حصر مروری اور حاکم
- ۲۰۷ استدرارک
- ۲۰۷ ساتویں نکتہ
- ۲۱۶ عقدہ چودھوا

۲۲۰ دسویں صدی کے ممتاز محدثین اور ان کی تصنیفات
۲۲۳ شیخ عبدالحق محدث دہلوی
۲۲۶ شاہ ولی اللہ
۲۲۸ شاہ عبدالحق
۲۲۹ علم حدیث کی اہمیت
۲۳۱ طبقات کتب حدیث
۲۵۱ مآخذ میں اچھین

عرض ناشر

محقق العصر برادر معظم حضرت مولانا محمد عبد الرشید نعمانی صاحب رفیق
 ندوة المصنفین دہلی، اور رکن مجلس اہلہ العارف النعمانیہ حیدر آباد دکن وسابق استاذ
 دارالعلوم اشرف آباد خذوالہ یار وسابق استاذ حدیث مدرسہ عربیہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن
 وسابق پروفیسر و صدر شعبہ اسلامیات جامعہ اسلامیہ بھادپور، و شرف درجۃ
 التخصص فی الحدیث جامعة العلوم الإسلامیة بنوری ٹاؤن کراچی، رحمۃ اللہ
 علیہ، علمی دنیا میں محتج تعارف نہیں، آپ کی متعدد بلند پایہ علمی تصانیف زیور طبع
 سے آراستہ ہو کر اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہیں اور علمی کتب خانوں کی زینت
 ہیں۔

اردو زبان میں "لغات القرآن" اور "ندوة المصنفین نے شائع کی، اور پھر پاکستان میں
 لاہور اور کراچی میں متعدد ناشرین کتب نے کتاب کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے، بغیر
 مصنف کی اطلاع کے متعدد بار اس کو شائع کیا۔

آپ کی دوسری بلند پایہ علمی تصنیف ما خمس إلیہ الحاجة لمن یطالع سفن ابن
 ماجہ کراچی، لاہور، قطر اور بیروت سے شائع ہو چکی ہے۔

سندھی ادبی بورڈ کراچی (حال حیدر آباد) نے متعدد سندھی علماء کی تصانیف کو آپ کی
 تحقیق و تصحیح و مقدمہ اور حواشی کے ساتھ شائع کیا ہے جو نہایت اعلیٰ علمی تحقیقات اور
 قیمتی معلومات پر مشتمل ہیں۔ یہ کتابیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) دراسات اللیب فی الأسوة الحسنة بالحبیب للخدم ملا معین
 سندھی

(۲) ذب ذبابات الدراسات عن المذاهب الأربعة المتناسبات للخدم
 ملا عبد اللطیف سندھی

٣) التعلق القويم على مقدمة كتاب التعلیم للشیخ الإسلام مسعود بن شیبہ السندھی

علاوہ انہیں تاحصیت کے روشنی آپ کے متحدہ رسالے برادر معظم مظفر لطیف مرحوم نے "کتابہ اہل سنت والجماعت" سے طبع کر کے شائع کئے ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں:

- (1) بزرگ کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں

- (2) شهداء کی بلا پر اقرار۔

- (3) اکابر صحابہ پریشان

علاوہ انہیں برلین معظم رحمہ اللہ علیہ کے بہت سے علمی مقالات ہیں جو ہندو پاک کے متحد علمی مؤقر ماہناموں میں شائع ہو کر اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچ کر دلوں حسین حاصل کر چکے ہیں۔

اس وقت ہم ناظرین کی خدمت میں برادر معظم نور اللہ مرقدہ کا وہ قیمتی اور علمی مقالہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جو سب سے پہلے ان کے قلم سے نکلا اور ہند کے مؤرخ علمی ماہنامہ برہان کے صفحات کی زینت بنا۔ اس مقالہ کا اہل علم نے جس طرح استقبال کیا، اس کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ شارح صحیح مسلم علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ جب ندوۃ المصنفین قرول بار، دہلی میں اس مقالہ کی اشاعت کے بعد پہلی بار تشریف لائے۔ اور مفتی عتیق الرحمن عثمانی مرحوم نے مقالہ نگار کا تعریف کرایا۔ تو علامہ محدث نے برادر معظم سے یہ کہہ کر معافیہ کیا کہ "اچھا آپ ہیں صاحب المدخل"۔ مشہور مصنف اور نامور عالم مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ نے اس مقالہ کا مطالعہ کرنے کے بعد مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدبر برہان کے نام جو مکتوب لکھا تھا، اس کی حسب ذیل عبارت خاص طور پر دیکھنے کے لائق ہے جس سے اس مقالہ کی علمی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

- بھئی یہ مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب تو بڑے مجھے رستم نکلے اللہ تعالیٰ ان کے

علم و افتادہ میں برکت دے۔ اس قسم کے علمی اور تحقیقی مضامین دلچسپ کر سکتے۔

اطمینان ہوتا ہے کہ ہزرگوں کے جانے کے بعد ان کی خصوصیات کے وارث ان شاء اللہ رہیں گے۔ میں تو چونکہ کتابوں کی دنیا سے الگ ہو کر ایک جاہل فشی رہا ہوں، قصص نہ سمجھنے والے اپنے متعلق میرا احساس اس بارے میں بجا ہے، مگر اس سے کچھ زیادہ رنجیدہ نہیں ہوں اس لیے اس قسم کے مضامین سے بڑی خوشی ہوتی ہے۔ کیونکہ خود تو کتابیں دیکھنے کی اب توفیق ہوتی نہیں البتہ اس طرح دوسروں کا پکا پکایا بس کھانے کو مل جاتا ہے اس پر اگر شکروانہ کروں اور دعائیں نہ دوں تو کافر نعمت ہی ہوں گا۔

والسلام

اختر محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

مؤرخہ ۲۲ رجب الاول ۱۳۷۱ھ

حضرت علامہ مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ مؤلف فیض الباری، دارالعلوم نڈوالہ یار سندھ پاکستان کے سال اول کی سالانہ روئیدلو ۶۹-۷۰ھ ص: ۱۱ میں برادر معظم حضرت مولانا نعمانی مدظلہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

”مولانا محمد عبدالرشید صاحب آپ تاریخ و حدیث و رجال اور بعض دیگر فنون حدیث میں غیر معمولی قابلیت کے مالک ہیں اور اس موضوع کے کتب مخطوطہ و مطبوعہ پر عالمانہ نظر رکھتے ہیں۔ کھنٹی سادہ مزاج اور مستعد عالم ہیں۔ قرآن کے مشکل مقامات لغات اور تاریخی شواہد پر مفسرانہ عالمانہ اور مؤرخانہ انداز میں آپ نے لغات القرآن کے نام سے تصنیف کا ایک سلسلہ شروع کر رکھا ہے جس کی دو جلدیں ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہو چکی ہیں۔ آپ دارالعلوم الاسلامیہ میں کتب خانے کے ناظم اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہیں۔“

تاریخ حدیث و تاریخ علوم و غیرہ پر اعلیٰ (پتھر) کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ عربی درس گاہوں میں ان عنوانات پر اعلیٰ کا افتتاح ایک مفید اور درس نفاذ میں ایک نیا اقدام ہے۔

حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوری مدظلہ (ولما و تکیذ علامہ انور شاہ کشمیری) مقدمہ انوار الباری شرح صحیح بخاری (ج: ۲، ص: ۲۷۹) تذکرہ محدثین میں برادر معظمہ رحمہ اللہ کا ان الفاظ میں تعارف کراتے ہیں:

”العلامة المحدث الأديب الفاضل مولانا محمد عبد الرشيد نعماني مشهور معتمد، محقق محدث، جامع معقول و منقول ہیں۔ آپ نے نہایت مفید علمی تصانیف لکھائی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

لغات القرآن

اسام ابن ماجہ اور علم حدیث

ما تمس إلیہ الحاجة (مقدمة ابن ماجہ)

التعقیبات علی الدراسات

التعلیقات علی ذب و ذبابات الدراسات

التعلیق القوم علی مقدمة کتاب التعلیم

مقدمہ مولانا امام محمد رحمہ اللہ (مترجم)

مقدمہ مسند امام اعظم (مترجم)

مقدمہ کتاب الآثار (مترجم)

آپ کی تمام کتابیں گہری و سیرج کا نتیجہ اور اعلیٰ تحقیق کی حاصل ہیں۔ مقدمات و تعلیقات میں آپ کے تحقیقی انکار علامہ مکونری رحمہ اللہ کے طرز سے ملتے جلتے ہیں، اس لیے آپ کی صراحت پسندی اور بے باک تنقید کچھ طابع پر شاق ہو گئی ہے، لیکن اہل بصیرت اور انصاف پسند حضرات آپ کی صلح تواری

وجہات حق گوئی کی مدح و ستائش کرتے ہیں۔ متنا اللہ بطول حیاتہ
النافعۃ۔

علماء کی ان تصریحات کے بعد اب ہم اپنے ناظرین اور کتاب کی علمی تحقیقات
کے درمیان حائل ہونا نہیں چاہتے، پڑھئے اور قائد و اہلجائے کیونکہ
مذہب آں است کہ خود بیخود نہ کہ مٹا رکھو

البتہ قارئین کرام کی خدمت میں اتنا احتیاس ہے کہ اگر اس کے مباحث پسند
آئیں تو ناشر اور مقالہ نگار کو دمائے خیر سے فراموش نہ فرمائیں۔

فرض تھے است کنا باور کہ بہ دایں دم جانے
مگر ما بعد لے روز سے برمت کد بر حال ایں سکھیں جانے

الفقیر الی اللہ تعالیٰ

محمد عبد الرحمن حضرت خضر اللہ لہ ولوالدیہ

کتاب اور صاحب کتاب

برصغیر ہند وپاک کے مابین تازہ محدث محقق العصر حضرت مولانا محمد عبد
 یزد نونانی قدس سرہ التوفیٰ ۱۴۲۰ھ کے قلمی سفر کا اولین آغاز
 علمی اور تحقیقی مضمون سے ہوا وہ امام ابو عبد اللہ حاکم محمد بن عبد
 الحافظ النیسابوری التوفیٰ ۴۰۵ھ کے اصول حدیث پر ایک مختصر رسالہ
 "دخل فی اصول الحدیث" پر نہایت منفرد انداز میں ایک محققانہ تبصرہ تھا۔
 نقد و تبصرہ ہندوستان کے مشہور علمی ادارہ "مدرۃ المستنیرین دہلی" کے مؤثر
 اسے "برہن" میں شائع ہوا۔ مسلسل چھ قسطوں پر مشتمل اس سلسلہ کا آغاز
 ۱۴۶۱ھ میں ہوا اور جمادی الثانیہ ۱۴۶۱ھ میں یہ پایہ تکمیل کو پہنچا۔
 ۱۴۶۱ھ میں بطور خاص علمی مہلات میں جب کوئی مضمون اشاعت کی غرض
 ارسال کیا جاتا ہے تو رسالہ کی ضخامت اور اشاعتی پالیسی کے پیش نظر اختصار
 بطور خاص ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔ اس کے پیش نظر حضرت والد صاحب
 بہت سے مباحث تحریر کرنے کے باوجود اشاعت کے لیے ارسال نہیں کیے۔
 تحریر فرماتے ہیں۔

تعداد کا لحاظ رکھنے کے باوجود مقالہ دراز ہو گیا اور بہت سے مباحث
 راکرک کرنا پڑے۔"

البدخل پر تبصرہ کتابی شکل میں عرصہ ہوا شائع ہوا تھا اور بہت دنوں
 نایاب تھا۔ ماحترم ڈاکٹر عبدالرحمن طغفر صاحب نے جدید انداز میں جب
 کی اشاعت کا دوبارہ ارادہ کیا تو مختلف سوانح پیش آتے رہے۔ اور کئی مرتبہ یہ

کپور ہوا اور ضائع ہوا بالآخر یہ ذمہ داری میرے سپرد کی گئی۔ میں نے والد صاحب کے سودات میں المدخل کے سودہ کا جب گہرائی سے مطالعہ کیا تو اس کتاب سے متعلق کئی ایسے مباحث ملے جو عام اقتصاد کے پیش نظر شامل اشاعت نہیں کئے گئے تھے۔ ان مباحث کو حسب موقع اس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے اسی طرح بعض وہ موضوعات جن کے بارے میں ضررنا اشارات تھے اور بعد میں دیگر تصنیفات مثلاً "ابن ماجہ اور علم حدیث" وغیرہ میں ان پر تفصیلی بحث موجود تھی ان کو بھی موقع کی مناسبت سے شامل کر دیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ سودات میں اسی موضوع کے متعلق کچھ ایسے مقالات ملے جو ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئے تھے۔ ان میں "موازنہ بین الصحیحین" اصول حدیث کے مباحث میں نہایت اہمیت کا حامل موضوع ہے، جس میں تین بنیادی مباحث پر مدلل اور سیر حاصل تبصرہ ہے۔

۱۔ کیا قرآن مجید کے بعد صحیحین اصح الکتب ہیں؟

۲۔ ان کتابوں پر امت کی غلطی با قبول ہے۔

۳۔ بخاری کی کتاب مسلم سے اصح ہے۔

علاوہ ازیں ان سودات میں "مقدمہ ہلال نافعہ" کے عنوان سے جہادی سائر کے تقریباً بیس صفحات پر مشتمل ایک طویل مضمون بھی ملا ہے۔ "ہلال نافعہ" شاہ عبدالعزیز کی نہایت متداول اور مشہور کتاب ہے مگر محترم مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی دامت برکاتہم نے "فوائد جامعہ" کے عنوان سے اس کتاب پر نہایت تحقیقی حواشی اور مبسوط شرح تحریر کی ہے اور ساتھ ہی سلیس اردو زبان میں ترجمہ بھی کر دیا ہے۔ مقدمہ ہلال نافعہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت والد صاحب ہندوستان میں علم حدیث کے ارتقاء کا ایک مفصل جائزہ لینا چاہتے تھے۔ ان کے پیش نظر ہندوستان کے مشہور محدثین کی تادیر تحقیقات پر ایک تفصیلی مقالہ سپرد قلم کرنا تھا چنانچہ اس مضمون کا آغاز

ہندوستان میں علم حدیث کے بخوان سے ہوا اور پھر بڑی تفصیل سے اقلیم ہند میں اس میراث نبوی کی گرم بازاری کا ذکر کیا گیا۔ بطور خاص دسویں صدی ہجری میں ہندوستان میں علم حدیث کی سرگرمیوں کے بارے میں بڑے اہم نکات بیان کیے گئے ہیں۔ اور اس دور کے مشہور محدثین پیر سید عبدالاول بن علاء حسنی کی تالیف "فیض الیاری" اور شیخ علی بن حسام الدین متقی حسنی کی "کنز العمال" کے علاوہ دیگر تصنیفی خدمات کا تذکرہ کیا گیا۔

اس کے بعد حضرت شیخ عبداللہ بن محمد دہلوی اور ان کے خانوادہ کی عمریسی و تصنیفی خدمات پر روشنی ڈالی گئی۔ آخر میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور ان کے خاندان کی علم حدیث کی ترویج و اشاعت میں مساعی جلیلہ کا تذکرہ کیا گیا۔ اس باب میں سب سے شاہکار بحث حضرت شاہ صاحب کے قائم کردہ کتب طبقات حدیث کا ایک نائدانہ اور تحقیقی جائزہ ہے اگرچہ بحث مکمل نہیں ہو سکی ہے لیکن جہاں تک اوراق دستیاب ہوئے ہیں اس میں موضوع کا کافی حد تک احاطہ ہو گیا ہے۔

الدغل کے تہرہ میں جملہ مباحث کا تعلق اصول حدیث سے ہے۔ دیگر مباحث بھی تاریخ تدوین حدیث اور اصول حدیث سے متعلق ہیں اس طرح یہ کتاب اب صرف الدغل پر تہرہ تک محدود نہیں رہی بلکہ اصول حدیث کے بعض اہم مباحث پر نہایت قیمتی معلومات کا مجموعہ بن گئی ہے اس لیے اس کا نام "اصول حدیث کے بعض اہم مباحث مع تہرہ بر الدغل فی اصول الحدیث للآئم النیسابوری" تجویز کیا گیا ہے۔ ترتیب جدید کی جملہ ذمہ داری راقم الحروف کے ہاتھوں کندھوں پر ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ جہاں عبادت میں پیچہ کاری ہو۔ ربط اور حلس قائم رہے۔

اہل علم اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ حضرت والد صاحب کو اصول حدیث میں اختصاص حاصل تھا۔ تمام مباحث پر ان کی مجتہدانہ نظر تھی

مضبوط دلائل کے سامنے آنے کے بعد اور پوری بصیرت اور برسوں کے غور و فکر کے بعد وہ اپنی رائے قائم کرتے تھے۔ قدامت کی جملہ تالیفات کا پوری جزیات اور تفصیلات کے ساتھ انہوں نے مطالعہ کیا تھا۔ امام حاکم کی کتاب المدخل پر تبصرہ سے اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ان کی رائے میں محدثین کے وضع کردہ اصول حدیث میں بہت سے مباحث تشکیکی ہیں، اور دقت نظر کے ساتھ ان پر غور و فکر اور نظر ثانی کی ضرورت ہے اسی طرح ان کی یہ بھی چینی تھی رائے تھی کہ احناف نے تمدن حدیث کا کام بہت پہلے مکمل کر لیا تھا اور استنباط مسائل میں ان کے سامنے اپنے ائمہ کے مرتب کردہ احادیث کے ذخائر تھے۔ نیز یہ کہ احادیث کے پرکھنے کے لیے ائمہ احناف کے اصول زیادہ جامع اور معیاری تھے۔ ان کی ایک جھلک اصول فقہ کی کتابوں میں "السنن" کے زیر عنوان ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ مقام سرت ہے کہ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری فاؤنڈیشن کے شخص فی الحدیث کی سند کے حامل ایک فاضل نوجوان مولوی عبدالحمید الزکرائی (جن کا تعلق ما وراء النہر کے ایک عابد زاہد خاندان سے ہے) نے ہم محترم مولانا ڈاکٹر محمد عبدالعلیم چشتی صاحب کی زیر نگرانی اس موضوع پر قلم اٹھایا اور "دراسات فی اصول الحدیث علی منہج الحنفیہ" کے عنوان سے مقالہ تحریر کیا یہ مقالہ زہود طہارت سے آراستہ ہو گیا ہے۔ یہ کتاب حنفی اصول حدیث کے بنیادی موضوعات پر ایک کامیاب کوشش ہے۔ اور آئندہ اس موضوع پر کام کرنے والوں کو اس پر فراہم کرتی ہے۔ جہاں تک المدخل پر تبصرہ کا تعلق ہے فاضل محقق کی کاوشوں کا اندازہ ان کے درج ذیل کلمات سے لگایا جاسکتا ہے۔

"ذیل کے مقالہ میں المدخل کے مباحث پر ہم نے ایک تحقیقی نظر ڈالی ہے جو حدیث اصول حدیث رجال و تاریخ کی سینکڑوں کتابوں کے مطالعہ کا نتیجہ ہے بلاشبہ اس میں حاکم کے بیانات سے بہت سی جگہ اختلاف پایا گیا ہے

لیکن جو دعویٰ کیا ہے اس کی دلیل بھی مستند کتابوں سے نقل کر دی ہے اور اس میں کافی سہی کی ہے کہ جو کچھ لکھا جائے پوری تحقیق سے لکھا جائے۔

حضرت والد صاحب کا مطالعہ نہایت وسیع اور حافظہ نہایت قوی تھا۔ فی تریقت مطالعہ میں گزرتا اور جو کچھ پڑھتے وہ سمجھ کر رہتا حدیث میں کی تصانیف پر بالخصوص فن کی گہری نظر تھی آپ کی جملہ تصانیف حشو و زوائد سے پاک اور نہایت علمی اور قیمتی معلومات کا بیش بہا خزینہ ہیں۔ مدارس میں نہایت صحیح سہ کے دورہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اور درس نظامی کا آٹھویں سال صرف کتب احادیث کے لیے وقف ہے اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ طلبہ کو تدوین حدیث کی مفصل تاریخ سے پوری طرح آگاہی ہو۔ تدوین و جامعین کتب حدیث کے مسالک مذہبی رجحانات اور ان کتابوں کی تدوین میں مسکن رجحانات کے اثرات کے تفصیلی مطالعہ کے لیے حضرت والد صاحب کی درج ذیل تصانیف فن حدیث، اصول حدیث اور تدوین حدیث و تاریخ رجال حدیث میں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں اور طلبہ حدیث کے لیے ان کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

(۱) ما تحس الہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ

اب یہ کتاب الامام ابن ماجہ و کتابہ السنن کے نئے عنوان سے دیار عرب کے مشہور محدث شیخ عبد القادر ابو نعیم کی زیر نگرانی بیروت و شام سے خارج ہو کر اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچی چکی ہے۔ ہندوپاک اور عالم عرب کے جلیل القدر علماء و محدثین نے اس کتاب سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اور ان کی علمی تصانیف میں اس کتاب کے جا بجا حوالے ملتے ہیں۔ شیخ عبد القادر ابو نعیم رحمہ اللہ نے اس کتاب کی اہمیت بایں الفاظ بیان کی ہے۔

تروان ثلاثہ میں تاریخ حدیث، کتابت حدیث، تدوین علم حدیث، ائمہ فقہاء اربعہ، اصحاب کتب سہ کی شرائط کی تفصیلات کے علاوہ بیش بہا معلومات

اور قیمتی نہیں فائدہ کا یہ کتاب ایسا مجموعہ ہے جس سے ہر محدث اور فقیہ کو واقف ہونا ضروری ہے۔

(۲) امام ابن ماجہ اور علم حدیث

اردو دین حلقوں کے استفادہ کیلئے حضرت والد صاحب نے "امام ابن ماجہ اور علم حدیث" کے عنوان سے ایک اور مستقل کتاب تالیف کی اس کتاب کے اختتام پر اس کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے:

۔ کہنے کو یہ ابن ماجہ کی ایک سوانح عمری ہے لیکن درحقیقت یہ تدوین حدیث کی مفصل تاریخ ہے اور مسلمانوں کی ان جائزات و نہیوں کا مرتب ہے جو انہوں نے خدا کے آخری پیغمبر جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے ایک ایک حرف کو محفوظ کرنے کے لیے اٹھائی ہیں۔ تاکہ انسانیت وحی کی ذمہ داری میں جو اس امت کے سپرد کی گئی تھی کسی قسم کا رخ نہ آنے پائے اور اللہ تعالیٰ کی اہل مظل و مظلومین پر رحمت تمام ہو جائے۔

بقول مولانا جلال حسنی: "واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب دریا بکروزہ کا مصداق ہے اور علم کا ایک سمندر ہے، اس میں علم حدیث کا تعارف بھی ہے اس کی تدوین کی تاریخ بھی، صحاح ستہ پر مباحثات و تبصرہ بھی ہے اور طبقات کتب کی تقسیم بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ کتاب کے نام سے اصل کتاب کے مضامین اور مندرجات پر ایک پر دو سا پڑ گیا ہے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بخاری صاحب معارف السنن کا معمول تھا کہ ابتدائے سال میں درس شروع کرتے وقت پہلے اس کتاب کا ایک حصہ خود سناتے یا کسی طالب علم سے پڑھواتے اس کے بعد درس کی ابتداء فرماتے۔" (تاریخ تدوین حدیث: ص ۱۸)

(۳) مکانة الامام ابی حنیفة فی علم الحدیث

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس کتاب میں فن حدیث میں امام صاحب کے مقام کے تعین کی کوشش کی گئی ہے اور قوی دلائل کے ساتھ ثابت

کیا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہ جس طرح فقہ میں اہمیت کبریٰ کے درجہ پر فائز تھے فن حدیث میں بھی آپ کو یہی مقام حاصل تھا۔ آپ کا شمار ائمہ جرح و تعدیل میں ہے۔ اس فن میں آپ کے اقوال بطور سند پیش کئے جاتے ہیں۔ توثیق و تصنیف میں آپ کی رائے کو پیش نظر رکھا جاتا تھا آپ کے وضع کردہ اصول حدیث سے استدلال کیا جاتا تھا۔ شیخ عبدالفتح ابو نعیمہ نے اس کتاب کو بھی اپنی زرہ نگرانی نہایت اہتمام کے ساتھ بیروت و شام سے شائع کیا ہے اور اس پر مقرر مقدمہ بھی تحریر کیا ہے۔ جس میں اس تالیف جلیل کو درج ذیل الفاظ میں ثراج حسین پیش کیا ہے۔

فهذا سفر نفیس فرید و اثر نافع مجید "مکاتئ الإمام أبي حنيفة في علم الحديث" تأليف العلامة المحقق المحدث الناقد الشيخ محمد عبد الرشيد النعماني حفظه الله تعالى شيخ الحديث وعلومه سابقا في جامعة العلوم الإسلامية في مدينة كراتشي باكستان۔ (مقدمہ ص ۵)

(۲) التعقیبات علی صاحب الدراسات

دراسات اللیب فی الأسوة الحسنة بالحبيب سندھ کے مشہور حکم اور بالغ نظر عالم علامہ الملقب بالامین السندی ۱۹۶۱ء کی تالیف ہے اس کتاب میں بارہ دراسات ہیں جو فن حدیث اصول حدیث کتب صحیحین اور فقہ کے نہایت اہم مباحث سے تعلق رکھتے ہیں۔ مؤلف نے اہل سنت کے ہادہ اعتدال سے ہٹے ہوئے اپنے بہت سے تفردات بھی ذکر کیے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں وہ معتقدات میں رخص، اعتزال، تشیع اور اہل بدعت سے زیادہ قریب ہو گئے ہیں۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۴۸۳ھ میں لاہور سے شائع ہوئی اور دوسری مرتبہ ۱۳۷۷ھ میں سندھی ادبی بورڈ کراچی کے زیر اہتمام زیر طباعت سے آراستہ ہوئی۔ حضرت والد صاحب نے اس کتاب پر مقدمہ کے علاوہ مؤلف کے مفصل حالات اور نہایت مفید حواشی تحریر کیے ہیں۔ فن حدیث، اصول حدیث

نیز اصول و فروع میں علامہ محمد امین کے تفردات، امام ابو حنیفہؒ پر مٹا من نیز ان کے عقائد کا بھرپور دلائل کے ساتھ رد کیا ہے۔ خود راقم ہیں:

وأما التعليقات التي كسبت عليها فأكثرها اعتراضات عليه ومباحثات معه فيما يتعلق بالحديث وعلومه وأما النقد التخصيصي فقد أخذنا من العلامة الشيخ المحقق الفقيهان المحدثان الشيخ عبد اللطيف وابنه الشيخ إبراهيم التتويان بما اتفقا عليه في ذب ذبابات الدراسات والقسطاس المستقيم رحمهما الله وطالب ثراهما وسميت هذه التعليقات بالتحقيقات على صاحب الدراسات.

اس کتاب پر جو حواشی میں نے تحریر کئے ہیں ان میں بیشتر سوکھ پر اعتراضات اور ان کیساتھ بحث و مباحثہ پر مشتمل ہیں یہ زیادہ تر حدیث علوم حدیث کے موضوع سے تعلق رکھتے ہیں۔ تفصیلی نقد سے ہمیں شیخ عبد اللطیف اور ان کے صاحبزادے ابراہیم غصوسی نے بے نیاز کر دیا ہے کہ دونوں حضرات نے اپنی تالیفات "ذب ذبابات الدراسات" اور "القسطاس المستقيم" میں اس پر خوب خوب رد کیا ہے میں نے ان تعلیقات کو التحقیقات علی صاحب الدراسات کا نام دیا ہے۔ (کلمة عن الدراسات: ص ۲)

شیخ عبد التتويان ابو نعیم الأجرية الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة: ص ۱۲۸ میں رقم طرز ہیں:

وقام بتحقيق هذا الطبع تحقيقاً علياً تاماً صدقنا العلامة المحقق المحدث الفقيه الشيخ محمد عبد الرشيد التتوياني الهندي فعلق عليه تعليقات نافذة ضافية وبلغت صفحات الكتاب ۴۵۵، ما عدا القهارس العامة التي يسرت الانتفاع به لأيسر نظرة لجزء الله عن العلم وأهله خيراً.

دراسات الہیہ کی طے اور کامل انداز میں ہمارے دوست علامہ، محقق، محدث، فقیہ شیخ محمد عبدالرشید نعمانی نے تحقیق کی ہے اور انتہائی مفید اور مکمل انداز میں اس پر تحقیقی حواشی تحریر کئے ہیں اس طرح کتاب کا حجم ۴۵۵ صفحات تک پہنچ گیا ہے علامہ انہی آپ نے جو عام فہرہس ترتیب دی ہیں اس سے ایک ہی نظر میں کتاب سے استفادہ آسان ہو گیا ہے علم و اہل علم کی جانب سے اللہ تعالیٰ ان کو اس کا بہتر اجر عطا فرمائے۔

(۵) الصلقات علی ذب ذہبات الدراسات عن اللغاب الأربعة المتناسبات:

ذب ذہبات الدراسات سندھ کے مشہور محقق، محدث، حافظ الحدیث فقیہ علامہ محمد ہاشم ٹھٹھوی کے نہایت لائق و فائق صاحبزادے، دیر سندھ کے قاضی القضاۃ علامہ، فقیہ، محدث، اصولی عبد اللطیف المظنی القرشی ۱۸۸۹ھ کی تالیف ہے یہ خانوادہ علم و فضل میں سر زمین سندھ میں درخشاں آفتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ ذب ذہبات ملامین سندھی کی کتاب دراسات الہیہ کے جواب میں تحریر کی گئی ہے۔ فاضل سوگند نے نہایت قوی دلائل کے ساتھ اس کتاب کا رد کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ ملامین اصول و فروع دونوں میں رواج سے ہٹ کر رفض و تشیع اعتزل اور بدعت کے دامن میں پھنسے ہوئے ہیں۔

حضرت والد صاحب نے اس ضخیم کتاب پر نہایت قیمتی اور نادر حواشی اور تعلیقات تحریر کی ہیں جس سے اس کتاب کی افادیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے اور اس کی ضخامت دو بڑی جلدوں میں ۱۵۶۰ صفحات تک پہنچ گئی ہے۔ پانچ سو صفحات پر مشتمل عام فہرہس ہیں جس کی وجہ سے کتاب سے استفادہ نہایت آسان ہو گیا ہے۔ شیخ عبدالفتاح ابو ندہ اور دیگر علماء نے ان تعلیقات کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے اور ان کی تحسین کی ہے۔

(۶) التعلیق القوم علی مقدمة کتاب التعلیم

شیخ الاسلام مسعود بن شیبہ السدوسی علمی حلقوں میں وسعتِ علم و عظمت اور اہمیت علمی کی بنیاد پر ممتاز حیثیت سے متعارف ہیں۔ حافظ قاسم بن قطلوبغا نے جامع التراجیم فی طبقات الخنفیہ اور حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواهر النبیۃ میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے۔ ان کا تعلق ساتویں صدی ہجری سے ہے۔ یہ وہ دور ہے جب فقہ تاجدار کی وجہ سے عالم اسلام میں ایک حشر برپا تھا۔ اہل علم کے ہزاروں تار و علمی شاہکار اس کی نذر ہوئے ان کے تفصیلی حالات تصانیف اور علمی خدمات کے بارے میں اسی جہاز پر زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں۔ مسعود بن شیبہ نے یہ مقدمہ ابن الجوزی کی سفیث الخلق اور لسان غزالی کی السعول کے رد میں لکھا ہے۔ یہ دونوں کتابیں وراصل امام ابو حنیفہ کے رد میں لکھی گئی تھیں۔ مولف نے امام ابو حنیفہ کا دفاع کرتے ہوئے سخت بے وجہ اختیار کیا ہے۔ حضرت والد صاحب نے اس کتاب پر تفصیلی حواشی تحریر کیں ہیں جس میں امام ابو حنیفہ کے نسب، آپ کی تابعیت، روایت صحابہ، حدیث میں آپ کا مقام، تدوین فقہ کے مراحل امام صاحب کی بعض اہم تصانیف بالخصوص کتاب الامارہ، مسانید امام ابی حنیفہ اور دیگر اہم امور پر نہایت علمی و دقیق اور محققانہ بحثیں چلتی اور تار و حواہوں کی روشنی میں کی گئی ہیں۔

ہندوستان کے مشہور عالم اور بے شمار تار و کتابوں کے محقق و ناشر حضرت مولانا ابو الوفاء افغانی رحمہ اللہ، حضرت والد صاحب کے نام ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں۔

”کتاب التعلیم کے اخیر صفحات بھی موصول ہوئے مطالعہ کی اگرچہ فرصت نہیں لیکن میں نے اخیر شب میں ان کا مطالعہ کیا اور قدرِ بے حد بحمد اللہ تعلق بے حد قیمتی ہے اہل علم اس کی بے حد قدر کریں گے اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے فیوض سے ملامل کرے آپ نے اس کے لیے بڑی جدوجہد کی کہاں کہاں سے

مضامین فراہم کیے۔ ماشاء اللہ، بَارَكَ اللهُ تَعَالٰی فِي قَلْبِكَ وَشَكَرَ مَسَاعِيكَ۔ تعلق اتنی دلچسپ تھی کہ سب کام چھوڑ کر جب تک پوری کتاب ختم نہ ہوئی ہاتھ سے نہ رکھی اب مقدمہ کی انتظاری ہے اللہ جل شانہ اس کو کمال کے ساتھ اتمام کو پہنچائے۔ ”ذب ذبابات“ کی جلد دہائی کے طباعت کی خبر سے بھی بے حد خوش ہوں رہا۔

”التحقیقات علی صاحب الدراسات“، ”التعلیقات علی ذب ذبابات الدراسات“ اور ”التعلیق القوم علی مقدمۃ کتاب التعلیم“ تینوں میں ساتھ کی دعائی میں سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد و کراچی سے طبع ہوئیں اور اب ایک عمر سے نایاب ہیں۔ ضرورت ہے ان کتابوں کو جدید انداز میں عالم عرب سے طبع کر کے شائع کیا جائے تاکہ ان کا افادہ عام ہو۔ اور عالم اسلام کے علمی مکتوں میں ان کتابوں سے استفادہ کیا جائے۔

ان کتابوں کے ساتھ ”اصول حدیث کے بعض اہم مباحث“ کا مطالعہ بھی اہم و مفید ہوگا۔

افسوس ہے کہ اس کتاب کی ترتیب نو اور اشاعت کے موقع پر حضرت نعمانی رحمہ اللہ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں لیکن ہمیں یقین ہے کہ اس کتاب کی طباعت کے بعد اس کے اثری ثمرات و اجر ثواب سے وہ ضرور محتج ہوں گے۔ اور ان کی روح شاداب و شادکام ہوگی۔

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان تحقیقی مقالات کی ایک فہرست بھی یہاں درج کر دی جائے جو حضرت نعمانی رحمہ اللہ کی زیر نگرانی شعبہ تخصص فی الحدیث جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں تحریر کیے گئے۔ ان میں بعض مقالات پر حضرت نے نظر ثانی کی، یا اس کی ترتیب و ترمیم اور تصحیح میں حضرت کے مفید مشورے شامل رہے اور دیکھی نگرانی کسی اور مشرف کے سپرد نہ کی۔

۱. امام ابو جعفر الطحاوی ومیزانہ بین محدثی عصرہ

مولانا عبد القادر کھلنوی

۲. عبد اللہ بن مسعود من بین فقہاء الصحابہ و امتیازہ فی الفقہ

مولانا نور الحق پارسا

۳. الکوفۃ و علم الحديث

مولانا مر محمد

۴. الامام ابو یوسف محدثا و فقیہا

مولانا محمود الحسن المشرق

۵. مشائخ ابن حنیفہ وأصحابہ

مولانا محمد اظہار الحق چانگاس

۶. حاجۃ الامۃ الی الفقہ والاجتہاد

مولانا مفیض الدین ڈھاکوی

۷. القضاء فی الاسلام

مولانا احسان اللہ سواذی

۸. الامام ابو جعفر الطحاوی ومیزانہ بین محدثی عصرہ

مولانا عبد الغفور بہاولپوری

۹. السنۃ النبویۃ و الامام الاہلنام

مولانا عبد الرؤوف ڈھاکوی

۱۰. الصحابۃ و ما رووہ من الاحادیث

مولانا حبیب اللہ مہندی

۱۱. اسماء الرجال ومصطلح الحديث

مولانا عبد الحق دیوبی

۱۲. الكتب المدونة في الحديث وخصائصها

مولانا محمد زمان دیوبی

۱۳. بيع الحقوق في التجارات الراجحة اليوم وتحقیقها

مولانا محمد عبد السلام چانگانی

۱۴. ملخص البحرين في موافقات الامامين ابي حنيفة والشافعي رحمهما الله

مولانا محمد قاسم بن خان محمد بہاولکری

۱۵. السنة النبوية والقرآن الكريم

مولانا محمد حبیب اللہ مختار

۱۶. مساند الامام ابي حنيفة ومروياته من المرفوعات والآثار

مولانا محمد امین اورکزئی

۱۷. کتابہ الحديث و تدوینہ

مولانا محمد اححاق سلہی

۱۸. وسائل حفظ الحديث وجهود الامة فيه

مولانا محمد عبد الحکیم سلہی

۱۹. فقہ کے قواعد کلیہ المسمی بمر العیون والبعائر

مولانا محمد ولی دیوبند

۲۰. التعریف بشيوخ الدارس

مولانا محمد جنید بنگالی چانگانی

۲۱. موافقات احمد مع ابی حنیفہ

مولانا غلام مصطفیٰ سلہی

۲۲. ایلام نکاحیہ شرعی نظام

مولانا خلیل احمد لودھی

۲۳. فقہ الزکوۃ

مولانا محمد مسعود

۲۴. الاستیعاب فی الشرع الاسلامی

مولانا محمد ہارون

۲۵. اسلام میں نظام نفقات

مولانا محمد شہدات

۲۶. السی المستحسن فی الجمع بین المسند والسنن للإمام محمد بن ادريس الشافعی

مولانا حسین فریدین میاں صاحب الشافعی السریانی شہادۃ التخصص فی الحدیث

۲۷. رجال جامع المسانید القوارزی (مجلدین)

مولانا محمد محب اللہ بن مولانا محمد عبد اللہ چانگانی

۲۸. القول الثانی فی رجال الامام الشافعی

مولانا خلیل الرحیم بن محمد اسماعیل القلیابی الشافعی البیلابی

۲۹. ابو حنیفہ المقرئ علیہ

مولانا محمد عبد المالك بن العالم الکبیر الشیخ غیس الحق

۳۰. حوار مع الالبانی

مولانا شمیم محمد بن الشیخ عبد السلام السلیط البغدادی

۳۱. فتح الغفار للجمع بروایات نسخ الآثار

مولانا محمد انعام الحق بن نذیر احمد العسکری، البنغلادیشی

۳۲. فیض السار فی تخریج احادیث کتاب الآثار

مولانا محمود الحسن بن محمد جمشید علی مومن شاہی

۳۳. ما یغنی بہ العناہ لمن یطالع الهدایہ

مولانا محمد حفیظ الرحمن الککلائی

۳۴. نظرة عامرة حول تمکيل الجنان

مولانا محمد عبدالمالک بن الشیخ محمد خمس الحق الککلائی

۳۵. التنقید علی احوال الرجال لحافظ ابراہیم بن یحیوی الجوزجانی او احسن

المقال فی نقد احوال الرجال

مولانا محمد روح الامین بن الحاج نور محمد الجسری

۳۶. القول المستحسن فی الذب عن السنن

مولانا محمد الیاس بن محمود الشافعی السیلابی

۳۷. الجرح والتحلیل فی سنن الترمذی

مولانا محمد مجر خان غزل کشمیری اسلامہ یونیورسٹی بہاولپور

۳۸. جمع احادیث للامام ابی حنیفہ من دواوین السنۃ من الصحاح والمعاجم

والمصنفات وغیرہا من کتب الحدیث

مولانا محمد شہید اللہ بن محمد ارض اللہ

۳۹. الکلام المقہد فی تحریر الاسانید، جمع اسانید المحدث محمد عبدالرشید التعمانی

مولانا روح الامین بن حسین احمد اخوند القاسمی المتوفی القریہ پوری

البنغلادیشی

۴۰. سنن الخفی فی تخریج احادیث الدولابی

مولانا محمد عبدالسلام بن القاری حفیظ الدین البنغلادیشی

۴۱. دلیل المتکلم فی من تکلم فہم من رجال صحیح مسلم

مولانا حسان اللہ بن غلام محمد البقستانی

۴۲. تحفۃ الاخیار فی زوائد رجال، شرح معانی الآثار

مولانا محمد نور الدین غورشد حسین الککلائی

۴۳. تخریج احادیث سید الانام من کتاب القراءة خلف الامام

مولانا فضل الرحمن بن عبد العزیز الشافعی، سری لنکا

۴۴. التبیح فی ذکر اسانید الکتب الست المشہورۃ

مولانا روح الامین بن الحسن احمد القاسمی

۴۵. التملیقات علی احوال الرجال لابن اصحاق الطبرانی

مولانا روح الدین بن الحاج نور محمد

۴۶. افکار الوزئی فی جمع احادیث الشافعی من السنن الکبریٰ

مولانا محمد سفیر بن محمد قاسم الشافعی، سری لنکا

۴۷. الامام الاعظم ابو حنیفہ وخصومہ

مولانا محمد عبدالملک الککلائی

۱۸. الدر المنضد فی رجال مولانا محمد

مولانا بشیر احمد بن نور محمد

۱۹. الاتحاد الحثوث علی تصنیف الالبانی لبعض الاحادیث

مولانا محمد رمزی بن طارق الشافعی السبانی

حضرت والد صاحب کے ساتھ ارحم کے بعد مختلف طبقوں کے نفل
قلم نے ان کی حیات کے حدود گوشوں پر قلم اٹھایا انہدات میں بھی متعدد
مطالعین شائع ہوئے اس دور کے وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف صاحب نے بھی
بہس نہیں تو جی عطا درسلان میاں پنجاب یونیورسٹی کے شیخ زاید اسلامک سینٹر
میں ان کی حیات و خدمات پر ایم نفل کا مقالہ تحریر کیا میاں کراچی یونیورسٹی کے
فہم صفحات کے ایک معروف اسکالر پروفیسر ڈاکٹر طاہر مسعود صاحب حضرت کی
طبی و دینی اور روحانی سرگرمیوں پر ایک تفصیلی کتاب تحریر کر رہے ہیں۔ ہمارے
ظہل میں اس موضوع پر سیر حاصل اور علمی لکھڑیوں اگر کوئی قلم اٹھانے کا
سب سے زیادہ نفل ہے تو وہ ہم محترم مولانا ڈاکٹر محمد عبدالعلیم چشتی نعمانی مدظلہ
ہیں تراجم و سوانح ان کا اختصاصی موضوع ہے اور حضرت والد صاحب کی پوری
طبی، عملی، تصنیفی، تدریسی، روحانی اور عائلی زندگی کے وہ شاہد عدل ہیں۔ اس
موضوع کا صحیح حق وہی ادا کر سکتے ہیں۔

حضرت والد صاحب کو ان سے جس قدر تعلق خاطر تھا اس کا تقاضا ہے
کہ وہ اپنی بے پناہ علمی معروضات میں سے کچھ وقت اس خدمت کے لیے ضرور
تاکیں یہ ہماری ان سے عاجزانہ استدعا ہے۔ امید ہے اسے شرف قبولیت سے
لادیں گے۔

ناپاسی ہوگی اگر اس کتاب کی ترتیب دندوین اور طبابت و اشاعت میں جن حضرات نے علمی اور عملی تعاون کیا ہے اس موقع پر ان کا تذکرہ اور شکریہ ادا نہ کیا جائے۔

سب سے پہلے اپنی جیتی بٹی قرۃ عینی و فَلَادۃ کبدی العالمۃ القارۃ أمة العلم نجیہ سلہا کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ اپنے دوا سے ملنے کی ذوق اسے درد میں غرق ہوا ہے حضرت والدہ صاحبہ کے حافظہ کی بنیاد پر ترتیب دیے ہوئے کتب خانہ میں کتابوں کی تلاش اور بسوت اس کے اخراج میں جتنا محنت اُسے حاصل ہے اس سے مجھے بڑی مدد ملتی ہے اور دل کی گہرائیوں سے اس کے لیے دعا نکلتی ہے۔ ساتھ ہی اس کتاب کی ترتیب میں مسودہ کی تلاش سے لے کر تصحیح، اصل سے مراجعت اور مقابلہ میں قدم قدم پر مجھے اس کا تعاون حاصل رہا۔ اللہ تعالیٰ اسے دینِ دونوں میں کامیابی سے ہم کنار کرے اور "مسند الامام ابی حنیفۃ للاستاذ الحارثی" جس کی تحقیق میں وہ اپنی عمر کی مصروفیات کے ساتھ سرگرم عمل ہے اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

کتاب کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ میں میرے عزیز شاگرد مولانا ڈاکٹر عزیز الرحمن سیفی اسسٹنٹ پروفیسر (اسلامیات) اور عزیز محمد عبدالوہید حادث استاد شعبہ انگریزی پبشیل یونیورسٹی آف کمپیوٹر اینڈ امیجنگ سائنسز سلہما اللہ تعالیٰ نے جس اخلاص کے ساتھ تعاون کیا اس کے لیے میں ان کا نہایت ممنون ہوں اللہ تعالیٰ ان کی ساری جیلہ کو قبول فرمائے۔

اس موقع پر میں اپنے لائق ترین شاگرد ڈاکٹر محمد عمران لطیف اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی کا تذکرہ اور شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ موصوف نے کتاب کی کمپوزنگ کے بعد طبابت کے مرحلہ کی تیاری تک ایک ایک لفظ پر نہایت جانفشانی سے محنت کی ہے اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

آخر میں ہم محترم حضرت ڈاکٹر محمد عبد الرحمن طغفر صاحب دامت برکاتہم کا
 = دل سے شکر گزار ہوں۔ جن کو حضرت والد صاحب نے علمی و ادبی کتابوں
 کی طبابت کی طرف راغب کیا اور وہ بے سروسامانی کے عالم میں تاجر لکھنؤ
 سے ہٹ کر کم منافع کے ساتھ اس میدان میں پوری تضحی، اخلاص اور محنت
 کے ساتھ مصروف عمل ہیں، اور حضرت والد صاحب کی ہر تالیف کو نہایت
 ذوق و شوق کے ساتھ شائع کرتے ہیں اور محذود وسائل کے باوجود امت نہیں
 بدلتے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جلیلہ کو قبول فرمائے اور اپنے نمایاں شان ان کو
 اجر جزیل عطا فرمائے۔

محمد عبد الشہید نعمانی

نئی دہلی، ۲۲۱، سیکٹر ۱۱، احسن آباد

تذکرہ جامعۃ الرشید، گواہی ۷۵۲۲۰

موبائل: ۶۸۲۵۰۶۸۲۵-۲۰۰۲۱

امام ابو عبد اللہ حاکم نيسابوری

امام ابو عبد اللہ حاکم نيسابوری کا نام علمی دنیا میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔

نام و نسب:

حدیث کے مشہور و معروف امام ہیں ان کی کنیت ابو عبد اللہ اور سلسلہ نسب یہ ہے۔
 محمد بن عبد اللہ بن محمد بن حدود بن نعیم بن الحکم الضبی الطہمانی
 النيسابوری ابن الیّٰع عرف ہے۔ ولادت رجب الاول ۳۲۱ میں ہوئی۔ نئی سال امام
 طہادی کی وفات کا ہے تاریخ رجال کا یہ عجیب و غریب لطیف ہے کہ جس طرح امام ابو
 حنیفہ کے سال وفات میں امام شافعی کی ولادت ہوئی۔ اسی طرح امام طہادی کا سن
 رحلت امام حاکم کی پیدائش کا سال ہے۔ واضح رہے کہ امام طہادی فرورج میں حنفی مذہب
 کے پیرو اور اپنے زمانہ میں سرگرم و احفاد تھے۔ اور امام حاکم فرج میں شافعی مذہب کے
 پیرو تھے۔

طلب حدیث اور شیوخ:

دس سال کی عمر میں حدیث کی طرف توجہ کی۔ بیس سال کی عمر میں عراق کا سفر کیا اور
 حج کی سعادت حاصل کی پھر خراسان و ماوراء النہر کا دورہ کیا دو ہزار شیوخ حدیث کی
 حدیثیں سنیں ایک ہزار اصناف میں ایک ہزار مختلف شہروں میں فقہ شافعی میں ابو سہل
 مصلوکی، ابو علی بن ابی ہریرہ اور ابو الولید نيسابوری سے تلمذ کیا حافظ ابو بکر جلالی حنفی
 اور حافظ ابو علی ماسرجسی سے مذاکرہ حدیث کا سلسلہ رہا۔

تلامذہ:

ان کے تلامذہ کی فہرست میں بڑے بڑے ائمہ حدیث کا ذکر ہے جن میں بیہقی،
 دارقطنی، ابو یعلیٰ، ابو ذر ہروی وغیرہ گذرے ہیں۔

"اتفق علی إمامته وجلالته وعظمته قدره"^(۴)
ان کی امامت و جلالت و عظمت شان پر اتفاق کیا گیا ہے۔

حافظ عبدالغفار بن اسماعیل کا بیان ہے۔

"أبو عبد الله الحاکم هو إمام أهل الحديث في عصره العارف به حق معرفته۔"

ابو عبد اللہ حاکم اپنے زمانے میں محدثین کے امام تھے اور حدیث کے عالم جیسا کہ اس کی معرفت کا حق ہے۔

ان کی تصانیف کے متعلق فرماتے ہیں۔

"ومن تأمل كلامه في تصانيفه و تصرفه في أماليه أذعن بفضله واعترف له بالمزية على من تقدمه واتعابه من بعده وتصحيحه اللاحقين عن بلوغ شأوه عاش حيداً ولم يخلف في وقته مثله۔"^(۵)

جو شخص بھی ان کی تصنیفات میں ان کے بیان پر غور کرے گا اور امالی میں ان کے تصرف کو دیکھے گا وہ ان کی بزرگی کا یقین کرے گا اور حقد میں ہے ان کی فضیلت کا معترف ہوگا۔ اور یہ مان جائے گا کہ انہوں نے متاخرین اور بعد کے لوگوں کو اپنی حدیث پہنچنے سے عاجز و درماتھ کر دیا۔ ان کی زندگی سراسر تعریف کے قابل گزری اور اپنی زمانے میں انہوں نے اپنا جیسا کسی کو نہ چھوڑا۔

حافظ ابو حازم عہدی کہتے ہیں کہ

۴۔ طبقات سنی، ج: ۳، ص: ۶۳۳۔

۵۔ حافظ عبدالغفار کے یہ دو اس قول نہ کرنا لفظ "و" ص: ۱۳۱، ۲۳۲ میں مذکور ہیں۔

”میں نے حاکم سے سنا ہے اور وہ اپنے زمانہ میں محدثین کے امام تھے کہ میں نے زمزم کا پانی پی کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ وہ مجھے حسن تصنیف مرحمت فرمائے۔“ (۱)

غالباً اسی دعا کا یہ اثر ہے کہ امام موصوف کے قلم سے جو تصنیفات نکلیں وہ ایک ہزار جز کے لگ بھگ ہیں۔ خدا کی شان حسن تصنیف کے ساتھ قبول عام کا جو ہر بھی عطا ہوا۔ زندگی ہی میں تصنیفات کو وہ قبولیت حاصل ہوئی کہ باید و شاید۔

ابو الفضل بن النکھل السمدانی کا بیان ہے کہ

”میرے نیشاپور کے سفر کا باعث ایک تاریخ نیشاپور بھی تھی جو حاکم کی تصنیف ہے۔“ (۲)

حافظ ذہبی نے اس پر بڑے تعجب کا اظہار کیا ہے کہ

”حافظ ابو عمر طلحی نے جو حاکم کے معاصر ہیں حاکم کی تصنیف علوم حدیث کو ۳۸۹ھ میں یعنی حاکم کی وفات سے ۷۷ سال پیشتر دو واسطوں سے روایت کیا۔“ (۳)

قبول عام کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ حافظ ابو عمر احمد بن محمد بن عبد اللہ الحنفی الطحطاوی کے مشہور علماء میں سے ہیں ان کا سن ولادت ۳۴۰ھ اور سن وفات ۴۲۹ھ ہے یہ حاکم کے معاصر ہیں انہوں نے سفر حج میں مکہ مدینہ اور میاں میں شیوخ حدیث سے استفادہ کیا ہے غالباً ان کے سفر کا زمانہ حاکم کی علوم الحدیث کی تصنیف سے پہلے تھا۔ ورنہ دو واسطوں سے روایت کی ضرورت نہ پڑتی اس لئے قیاس غالب ہے کہ انہوں نے علوم الحدیث کی کتابت اندلس میں بیٹھ کر کی ہے۔

۱۔ نہ کرۃ اللہ، ص: ۲۲۳، مطبوعہ ۱۳۳۳، و طبقات الشیخہ الکبریٰ، ص: ۶۶، ج: ۳.

۲۔ تاریخ خطیب، ج: ۵، ج: ۴۷۳.

۳۔ نہ کرۃ اللہ، ج: ۳، ص: ۲۲۸.

حاکم نیشاپور کے باشندہ ہیں اور ابو عمر قرطبہ کے قرطبہ اور نیشاپور کے فاصلہ کا ذیل فرمائیے اور اس زمانہ میں رسل و رسائل کی جو رفتیں اور دشواریاں تھیں ان کا اندازہ لگائیے جب نہ طیارہ تھانہ ریل تھی اور نہ موٹر تھی مگر تشنگان علم نبوی مغرب میں بیٹھے مشرق کے علوم سے سیراب ہو رہے تھے۔ اس واقعہ سے اس زمانہ کے مسلمانوں کے علمی ذوق کا بھی پتہ چلتا ہے اور حاکم کی کتاب کی صحیح مقبولیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ حقیقت میں یہ قول عام بڑے رشک کا مقام ہے۔ **ذلک فضل اللہ یؤتہ من یشاء..**

تصانیف:

حاکم کا تصنیفی سلیقہ خدا داد ہے اور وہ اس بارے میں اپنے تمام معاصرین سے ممتاز ہیں کتب رجال میں ان کی اس خصوصیت کو نمایاں کر کے لکھا جاتا ہے۔ حافظ محمد بن طاهر کا بیان ہے کہ

”میں نے مکہ مکرمہ میں سعد بن علی زنجانی سے سوال کیا کہ حدیث کے چار حافظ ہم عصر ہوئے ہیں فرمائیے ان میں سب سے بڑا حافظ کون ہے۔ دریافت کیا یہ چار کون کون ہیں۔ میں نے کہا بغداد میں دار قطنی، مصر میں عبد الغنی، اصفہان میں ابن مندہ، نیشاپور میں حاکم۔ میرے اس سوال پر وہ کچھ نہ بولے تو میں نے اصرار کیا فرمانے لگے دار قطنی ان سب میں علل حدیث کے بڑے عالم تھے۔ عبد الغنی انساب کے اور ابن مندہ معرفت کامل کے ساتھ ان سب سے کثیر الحدیث ہیں اور حاکم حسن تصنیف میں سب سے ممتاز ہیں۔“^(۱)

^(۱) تذکرۃ الحفاظ، ج: ۳، ص: ۲۳۳، طبقات الشافعیۃ، الحکمری، طبع: ۳، ص: ۶۶

یہ ابن طاہر کا بیان ہے جو حاکم کے سب سے بڑے مخالف ہیں (کتب رجال میں) حاکم کے متعلق ان کے سخت ریمارک منقول ہیں تاہم حاکم کی اس خصوصیت کے وہ بھی معترف ہیں۔ سچ ہے

الفضل ما شهدت به الأعداء۔

ان کی تصانیف میں سے مستدرک علی الصحیحین عرصہ ہوا طبع ہو چکی۔ اصول حدیث پر ان کی مشہور کتاب معرفة علوم الحدیث بھی شائع ہوئی اسی موضوع پر ان کی دوسری تصنیف المدخل فی اصول الحدیث بھی طلب سے چھپ کر آئی۔ طباعت کی ان خوبیوں کو لئے ہوئے جن پر مصر و بیروت کے بہترین مطابع رشک کریں ضروری محشی کے ساتھ صحت کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ تاہم ۱۶۱۰ء رجال میں بعض جگہ تحریف ہو گئی ہے

ذیل کے مقالہ میں المدخل کے مباحث پر ہم نے ایک تحقیقی نظر ڈالی ہے جو حدیث، اصول حدیث، رجال و تاریخ کی سینکڑوں کتابوں کے مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ بلاشبہ اس میں حاکم کے بیانات سے بہت سی جگہ اختلاف کیا گیا ہے۔ لیکن جو دعویٰ کیا ہے اس کی دلیل بھی مستند کتابوں سے نقل کر دی ہے۔ اور اس میں کافی سہی کی ہے کہ جو کچھ لکھا جائے پوری تحقیق سے لکھا جائے۔

مدخل کی اہمیت

کہنے کو تو یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے مگر بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ارباب رجال نے جہاں حاکم کی اور بڑی بڑی تصانیف مثلاً مستدرک علی الصحیحین۔ تاریخ نیشاپور وغیرہ کا ذکر کیا ہے وہاں المدخل کا ذکر بھی ضروری خیال کیا۔ حالانکہ وہ کسی مصنف کے ترجمہ میں اس کی تمام تصنیفات کا ذکر ضروری نہیں سمجھتے بلکہ اکثر صرف ان تصنیفات کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں جو کسی خصوصیت اور اہمیت کی حامل ہوں۔ چنانچہ

حاکم ہی کی دوسری متعدد تصانیف کا ذکر رجال کی بیشتر کتابوں میں نظر انداز کر دیا گیا۔ اس سے ان کے قلوب میں اس رسالہ کی عظمت و وقعت کا پتہ چلتا ہے۔ بعد میں اصول حدیث کی کتابوں میں اس رسالہ کے مباحث کے متعلق رد و قبولاً بڑے بڑے مباحث پیدا ہو گئے اور اصول حدیث کی کوئی قابل ذکر کتاب ایسی نہیں جس میں اس کتاب کے مسائل سے اقتنانہ کیا گیا ہو۔

المدخل کوئی طبعہ مستقل تصنیف نہیں بلکہ درحقیقت یہ حاکم کی مشہور تصنیف الاکلیل فی الحدیث کا مقدمہ ہے جو اس کتاب کی تصنیف کے بعد لکھا گیا۔ اکلیل حاکم کی ایک بڑی مبسوط اور جامع کتاب ہے جو ہر قسم کی روایات سے مالا مال ہے۔ اس کی تصنیف کے اختتام پر امیر مظفر نے حاکم سے درخواست کی تھی کہ اکلیل کی احادیث مرویہ کے متعلق اگر یہ اشارہ کر دیا جائے کہ اس میں کونسی صحیح اور کونسی ضعیف ہیں تو زیادہ مناسب ہے۔ چنانچہ حاکم نے بطور مقدمہ کے کچھ مسائل طبعہ رسالہ کی شکل میں تلمیذ کر دیئے اور اس رسالہ کا نام المدخل الی معرفة الصحيح والضعیف من الأخبار رکھا۔

المدخل میں حاکم نے حدیث صحیح کے متعلق بحث کی ہے اور اس کی دس قسمیں قرار دی ہیں پانچ متفق علیہ اور پانچ مختلف فیہ، پھر جرح و تہلیل کی ہے اور مجرد صحت کے بھی دس طبقات قائم کئے ہیں اور ان دونوں مباحث پر ایسی مفصل روشنی ڈالی ہے جس سے اصول حدیث کی عام مطبوعہ کتابیں بکسر خالی ہیں۔ رسالہ کے اخیر میں اکلیل کی احادیث مرویہ کے متعلق ان امور کا ذکر کیا ہے جن سے ہر حدیث کے متعلق معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ صحیح ہے یا ضعیف اور صحیح ہے تو کس درجہ کی۔

واضح رہے کہ المدخل نام کی حاکم کی دو کتابیں ہیں ایک یکما زیر بحث رسالہ دوسری تصنیف کا نام ہے المدخل الی معرفة الصحيحین علامہ محمد راغب طبرانی نے لکھا ہے کہ اس کا ایک قلمی نسخہ حلب کے حکیم اعلا میر کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ یہ نسخہ ۵۵ ورق کا ہے مگر اخیر سے کچھ قلم کے دو تین اور اوراق ضائع ہو گئے ہیں کتاب کی ابتداء میں

حفظ سنت کے بارے میں جو آجہاں مروی ہیں اور جمہوری حدیث بنانے کے متعلق جو وعید آئی ہے اس کا بیان ہے پھر ان لوگوں کے نام بتائے ہیں جن کا صحیحین یا صرف صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں ذکر ہے پھر ان لوگوں کا تذکرہ ہے جن سے بخاری نے روایتیں کی ہیں اور ان سے سل کر حدیثیں سنی ہیں۔ غرض یہ کتاب اسی قسم کے مسائل پر مشتمل ہے۔ اس کے اکثر و بیشتر مباحث الجمع بین رجال الصحیحین معتمد حافظ محمد بن طاہر مقدسی میں موجود ہیں۔ کتاب مذکور حاکم کی کتاب سے زیادہ مبسوط اور وسیع معلومات پر مشتمل ہے۔ اور ۱۳۲۳ ہجری میں دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

حاکم کا تسامی اور تعصب

حاکم کی تصانیف کے مطالعہ کے وقت دو باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں۔ اولاً ان کا نقد و نظر میں تسامی۔ ثانیاً تعصب۔ ان کا تسامی تو ایک تعارف چیز ہے مگر تعصب پر ممکن ہے ظاہر بیوں کو یقین نہ آئے لیکن یہ صرف ہمارا بیان نہیں بلکہ ائمہ فن کی تصریح ہے۔ حافظ عبد الرحمن بن جوزی نے بسند صحیح حافظ اسماعیل بن ابی الفضل قوس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ :

”أنا أبو زرعة طاهر بن محمد بن طاهر المقدسی عن أبي قال سمعت إسماعيل بن أبي الفضل القومسي وكان من أهل المعرفة بالحديث يقول: ثلاثة من الحفاظ لا أحبهم لشدة تعصبهم وقلة انصافهم، الحاكم أبو عبد الله وأبو نعيم الأصبهاني وأبو بكر الخطيب.“ (۱)

حدیث کے تین حافظ ہیں جن کو میں اس لئے نہیں پسند کرتا کہ ان میں سخت تعصب اور انصاف کی کمی ہے ایک حاکم ابو عبداللہ دوسرے ابو نعیم اسمہانی اور تیسرے ابو بکر خلیل۔

حافظ ابن الجوزی اس عبادت کے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”صدق إسماعيل وكان من أهل المعرفة“

حافظ اسماعیل کو ان بزرگوں کی وسعت علم، علم منزلت، اور حفظ حدیث، سے انکار نہیں لیکن ان کی ذاتی کمزوری کی بنا پر ان سے محبت کا اظہار مناسب نہیں خیال کرتے۔ ممکن ہے کہ خوش اعتقادوں کو اس پر استغاب ہو مگر درحقیقت یہ انسان کی وہ پوشیدہ کمزوری ہے جس پر بڑے بڑوں کا قابو پالینا آسان کام نہیں۔ وَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزَمِ الْأُمُورِ۔

المدخل میں بھی احمد احناف کا جس طریقہ ذکر کیا ہے اس سے حافظ اسماعیل کے بیان کی توثیق ہو جاتی ہے ضعفاء سے روایت کے باب میں جہاں احمد کا نام لیا ہے امام مالک کا ذکر اس محکمہ شان کے ساتھ کیا ہے۔

”هذا مالك بن أنس إمام أهل الحجاز بلا مدافعة“

اسی طرح امام شافعی کا نام لینے کے بعد لکھتے ہیں۔

”وهو الإمام لأهل الحجاز بعد مالك“

لیکن امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے صرف نام بتانے پر اکتفا کی ہے چنانچہ تحریر ہے

”وهذا أبو حنيفة ثم بعده أبو يوسف يعقوب بن إبراهيم القاضي

ومحمد بن الحسن الشيباني“۔

اور ابو عاصم نوح بن ابی مریم مروزی^(۱) پر جو امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ میں سے ہیں اور فقہاء میں خاص اعتبار رکھتے ہیں وضع حدیث کا الزام لگایا ہے اور ایک مجہول شخص کے بیان سے استدلال کیا ہے۔

لفظ یہ ہے کہ خود حاکم نے ہی مستدرک علی الصحیحین میں ان کی روایت کو شاہد کے طور پر پیش کیا ہے۔

(۱) چنانچہ کتاب بیوع میں روایت ذیل کو بطور شاہد پیش کرتے ہیں:

"حدثنا أبو علي الحسين بن محمد الصفاني بمروثنا يحيى بن مسويه عن عبد الكريم ثنا حامد بن آدم ثنا أبو عصمة نوح عن عبد الرحمن بن بديل عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال قال رسول الله من استطاع منكم أن ينهي دينة وعرضه فليفعل."^(۲)

اب ظاہر ہے کہ یا تو نوح وضاع نہیں ہیں کہ ان کی حدیث بطور شاہد کے پیش کی جاسکتی ہے اور اگر وضاع ہیں تو ان کی حدیث کو بطور شاہد پیش کرنا غلط ہے۔

(۲) ارد سنن أبی داؤد میں ان کی روایت باب ماجاء فی ما یقول إذا رفع رأسه من الركوع میں مذکور ہے چنانچہ امام ابو داؤد فرماتے ہیں۔

"قال أبو داؤد ورواه شعبة عن أبي عصمة عن الأعمش عن عبيد قال بعد الركوع."^(۳)

(۳) اور امام ترمذیؒ نے کتاب العلل میں نوح کی درج ذیل روایت نقل کی ہے۔

"ابو عاصم نوح بن ابی مریم وضع حدیث کے بارے میں اہرام کی تحقیق کتاب کے آخر میں ملاحظہ

۱۱

^(۱) - مستدرک، ج: ۲، ص: ۵۰۔

^(۲) - سنن ابی داؤد، ج: ۱۔

”حدثنا سويد بن نصرنا علي بن الحسين بن راقد عن أبي عصمة عن يزيد التحوي عن عكرمة أن نقرأ قدموا على ابن عباس من أهل الطائف بكتاب من كتب لجعل يقرأ عليهم، فيقدم ويؤخر فقال إني بلهت لهذه المصيبة فاقرؤوا علي فإن إقرأي به كفرأنتي عليكم“ (۱۳)

اب سوچنے کی بات ہے کہ امام ابو داؤد اور امام ترمذی کے پاس اگر ان کی روایت اصل ہوئی تو وہ اس روایت کی کس طرح تصریح کرتے نیز ابو داؤد کے بیان کے مطابق شعبہ نے نوح ابن ابی مریم سے روایت کی ہے اور ان کے بارے میں کتب رجال میں تصریح موجود ہے کہ جانب الضعفاء والمتروکین محدثین کے اس طرز عمل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نوح کس پایہ کے شخص تھے ہمارے نزدیک نوح ابن ابی مریم کی وہی حیثیت ہے جو امام حاکم نے امام شافعی کے شیخ مسلم ابن خالد زنجی کے متعلق بیان کی ہے لیس الحديث من صنعته۔ (۱۴)

وفات

حافظ ابو موسیٰ مدنی کا بیان ہے کہ حاکم نے مہام میں غسل کیا باہر نکلے تبہد باندھ چکے تھے قمیض پہننا باقی تھی کہ ایک آدمی کے ساتھ روح عالم بالا پر پرواز کر گئی یہ ۳۰۵ھ کا واقعہ ہے۔

(إنا لله وإنا إليه راجعون)

۱۳۔ کتاب المحلل ترمذی

۱۴۔ مستدرک، ج: ۳، ص: ۸۳

المدخل فی اصول الحدیث نفاکم النسیابوری

المدخل کی ابتداء:

ابتداء کتاب میں فضائل علم حدیث کے متعلق علماء کے اقوال درج کئے ہیں پھر مطرود راقہام زہریؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے اقوال نقل کرنے کے بعد امام سفیان ثوریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: أکثروا من الأحادیث فإنها سلاح یعنی حدیثیں کثرت سے معلوم کرو کیونکہ وہ تمہارا ہتھیار ہیں۔

پھر امام بائرز سے روایت کی ہے کہ: من فقه الرجل بصرہ بالحدیث۔ حدیث میں بصیرت انسان کی فقاہت کی دلیل ہے۔

سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ جو شخص حدیث طلب کرے گا اس کے چہرہ پر شادابی نمودار رہے گی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد فیض بنیاد ہے: نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فبلغه۔

اللہ اس شخص کو سرسبز و شاداب رکھے جس نے ہم سے حدیث سنی اور اس کی تبلیغ کی۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

”یہ مسانید جو اسلام میں تصنیف ہوئیں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایات ہیں۔ ان کا سلسلہ سند مستبر اور مجرد ہر قسم کے ردقہ پر مشتمل ہے جیسے: سند عبید اللہ بن موسیٰ اور سند ابی داؤد سلیمان بن داؤد علیا لسی یہ دونوں پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام میں تراجم رجال پر سند تصنیف کیں ان دونوں کے بعد احمد بن حنبل، اسحاق بن ابراہیم حنظلی، ابو خثیمہ زحیر بن حرب، اور عبید اللہ بن عمر القواریری نے مسانید لکھیں پھر تو کثرت سے تراجم رجال پر

مسانید کی تخریج ہوئی ان سب کے جمع کرنے میں صحیح و سقیم کے امتیاز کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔

مسانید کے بارے میں حاکم نے جس رائے کا اظہار کیا ہے اس سے ملتی جلتی رائے علامہ حافظ محمد بن ابراہیم الوزير کی بھی ہے چنانچہ وہ تنقیح الأنظار میں جو اصول حدیث میں ایک نادر تصنیف ہے رقمطراز ہیں:

اعلم أن المسانيد دون السنن في القوة وأبعد منها عن رتبة الصحة وشرط أهلها أن يفردوا حديث كل صحابي على حدة من غير نظر إلى الأبواب ويستقصون جميع الصحابي كله سواء رواه من يمتنع به أولا كسند أبي داؤد الطيالسي ويقال إنه أول مستند صنف ومثل مستند أحمد بن حنبل. (۱۳)

یعنی واضح رہے کہ مسانید قوت میں سنن سے کم اور درجہ صحت میں ان سے کمتر ہیں اہل مسانید کی یہ شرط ہے کہ صحابی کی حدیثیں علیحدہ علیحدہ بغیر ابواب کا لحاظ کیے جمع کر دی جائیں۔ اور اس صحابی کی کل کی کل تمام احادیث کا استقصاء کیا جائے خواہ اس کو قابل استناد راوی بیان کرے یا نہ کرے جیسے مستند ابی داؤد طيالسی اور اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پہلی مستند ہے جو تصنیف ہوئی اور اسی طرح مستند احمد بن حنبل ہے۔

حاکم نے ذرا سختی سے کام لیا ہے اور سب مسانید کے بارے میں ایک عام حکم لگا دیا ہے بلاشبہ اکثر مسانید کا یہی حال ہے تاہم بعض ائمہ نے مسانید کی تدوین میں بھی انتخاب سے کام لیا ہے اور حتی الوسع قابل استناد روایات کو جمع کرنے کا اہتمام کیا چنانچہ علامہ سیوطی تدوین الراوی میں مستند اسحاق بن راہویہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

”واسحق یخرج أمثل ماورد عن ذلك الصحابي فيما ذكره أبو زرعة الرازي“ (۱۷)۔

اور اسحق بن راہویہ جیسا کہ ابو زرہ راہزی نے ذکر کیا ہے جو روایت سب سے اچھی ہوتی ہے وہی اس صحابی سے نقل کرتے ہیں۔

اسی طرح سند احمد بن حنبل بھی اس عموم سے مستثنیٰ ہے علامہ امیر میانی توضیح الافکار میں لکھتے ہیں۔

”حكي النجم الطوفي عن العلامة ضي الدين بن تيمية أنه قال اعتبرت مسند أحمد فوجدته موافقا لشرط أبي داؤد“ (۱۸)۔

نجم طوہی نے علامہ تقی الدین ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے مسند احمد کو جانچا تو اس کو ابو داؤد کی شرط کے موافق پایا۔

صرف علامہ ابن تیمیہ ہی کی رائے نہیں بلکہ علامہ مظہری اور حافظ ابو موسیٰ مدینی نے بھی مسند احمد پر صحت کا اطلاق کیا ہے۔

بلکہ امام احمد کا تو یہ ارادہ تھا کہ اپنی مسند کو صحیح حدیثوں کا انتخابی مجموعہ بنادیا جائے کہ اگر بھی علماء میں کسی حدیث کی بابت کوئی اختلاف رونما ہو تو یہ کتاب اس روایت کے مستند و عدم استناد میں دستاویز کا کام دے سکے چنانچہ امام ممدوح کے صاحبزادے ہدائت بن احمد کا بیان ہے کہ:

”قلت لأبي لم كرهت وضع الكتب وقد عملت المسند فقال عملت هذا الكتاب إماماً إذا اختلف الناس في سنة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم رجع إليه“ (۱۹)۔

”تذکرہ ریپ الراوی ص: ۵۷، طبع مصر ۱۳۰۷ھ۔

”توضیح الافکار تھکی ص: ۱۲۸۔

”لغات المسند، حافظ ابو موسیٰ مدینی ص: ۸، طبع مصر ۱۳۴۷ھ۔

میں نے والد بزرگوار سے عرض کیا کہ آپ کتابوں کی تعریف کو کیوں ناپسند فرماتے ہیں حالانکہ آپ نے خود بھی مسند تالیف کی ہے فرمانے لگے کہ میں نے تو اس کتاب کو امام بتایا ہے کہ جب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں اختلاف کریں تو اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

اور آپ کے برادر زادہ حنبل بن اہلق کہتے ہیں کہ :

”جمعنا عمی لی ولصالح ولعبد اللہ وقرأنا المسند وما سمعہ منہ تأمناً غیرنا وقال لنا هذا کتاب قد جمعہ واستخیرہ من اکثر من سبع مائۃ ألف ونحسب ألفاً فما اختلف المسلمون فیہ من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارجعوا إلیہ فإن وجدتموہ فیہ وإلا فلیس بحجة“ (۲۰)

علم محترم (امام احمد) نے مجھے اور (اپنے دونوں صاحبزادوں) صالح اور عبد اللہ کو جمع کر کے ہمارے سامنے مسند کی قراءت کی ہمارے سوا اور کسی نے آپ سے اس کتاب کو بہ تمام و کمال نہیں سنا ہے اور پھر ہم سے فرمایا کہ اس کتاب کو میں نے ساڑھے سات لاکھ سے (۲۱) زائد روایتوں سے انتخاب کر کے جمع کیا ہے سورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس حدیث میں مسلمانوں کا اختلاف ہو تم اس کتاب کی طرف رجوع کرو اگر اس میں دو روایت مل جائے تو فیہا اور نہ وہ حجت نہیں۔ (۲۲)

۲۰۔ مناقب احمد ذابین جوزی، ص ۱۹۱، ۱۹۲، طبع مصر ۱۳۲۹ھ، ولعبد اللہ المسند ص ۹۰۔

۲۱۔ یاد رہے کہ یہ تعداد متون احادیث کی نہیں بلکہ طرق وسانید کی ہے چنانچہ شیخ عبد الصمد صاحب محدث دہلوی نے بستان المحدثین میں اس کی تصریح بھی کر دی ہے۔

۲۲۔ امام محدث کے اس قول کی تفسیر تو ہمیں کی گئی ہے۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں: ”هذا القول من علی غالب الأمر وإلا فإنا أحادیث قوية فی الصحیحین والسنن والأجزاء ما فی المسند وقد رآه صلی اللہ علیہ وسلم قطعاً لروایة قبل تلخیص المسند، وقیل

لہام موصوف کی مراد ان ہی احادیث سے ہے کہ جو شہرت یا قوت کے درجہ تک نہیں پہنچی ہیں ورنہ بہت سی مشہور صحیح حدیثیں ہیں کہ جو ان کی سند میں نہیں ہیں۔

بالشبہ یہ کتاب ایسی ہی ہوتی لیکن کارکنان قضاء و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا ابھی سند بختم تکمیل ہی تھی کہ امام ممدوح نے سفر آخرت اختیار کیا اور کتاب کا سؤدہ متفرق لڑاؤ و اوراق میں باقی رہ گیا۔ حافظ ابو الخیر شمس الدین جزری، المصنف الاحمد فی ختم سند الامام احمد میں لکھتے ہیں:

ان الإمام أحمد شرع في جمع هذا المسند فكتبه في أوراق مفردة، ففرقه في أجزاء مفردة على ما تكون المسودة ثم جاء حلول المنية قبل

فقد جلات عشرة سنة فجد في الكتاب أشياء مذكورة، ودخل سند في سند وسند في سند، وهو المصنف الاحمد في ختم المسند للإمام أحمد، ص: ۲۱۰

لہام موصوف کا یہ لڑنا تا کتاب حال کے اعتبار سے ہے ورنہ ہمارے پاس صحیحین، سنن اور اجزاء میں بہت سی قوی حدیثیں موجود ہیں کہ جو سند میں نہیں ہیں، نیز اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ امام نے سند کی تہذیب سے کچلے اور اپنی وفات سے تیرہ سال قبل ہی حدیث کا روایت کرنا ختم کر دیا، یہی وجہ ہے کہ آپ اس کتاب میں بہت سی اشیاء کو مکرر اور ایک سند کو دوسری سند میں اور ایک سند کو دوسری سند میں داخل پائیں گے اور یہ ایک سند کا دوسری سند میں مل جانا یاد رکھا ہوا ہے۔ اور حافظ شمس الدین جزری لکھتے ہیں:

ولما نزلنا لاختلاف فيه من الحديث وجع إليه ولا تيسر بحجة يرد أصول الأحاديث وهو صحيح ما من حديث غلباً إلا وله أصل في هذا المسند، والله تعالى أعلم۔ المصنف الاحمد، ص: ۲۱۰ اور امام احمد نے جو یہ فرمایا ہے کہ "جس حدیث میں اختلاف ہو اس کتاب کی طرف رجوع کیا جائے اگر اس میں ہو تو جہاں وہ جہت نہیں اس سے مراد اس حدیث کی اصل ہے اور یہ صحیح ہے کیونکہ کوئی حدیث غالباً ایسی نہیں کہ جس کی اصل اس سند میں نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔"

اور شاہ عبدالعزیز صاحب بستان المحدثین میں ارقام فرماتے ہیں کہ: و ارقام المعروف كوكيد، مراد ایشان هاں احادیث است کہ درجہ قوت یا شہرت تر سیدہ اللہ تعالیٰ احادیث صحیح مشہورہ بسیار است کہ در سند ایشان نیست طبع بستیائی دہلی، ص: ۲۰

حصول الأمانة فبادر بأسماعه لأولاده وأهل بيته ومات قبل تنقيح
وتهديبه فبقى على حاله۔

امام احمد نے اس مسند کو جمع کرنا شروع کیا تو اس کو علیحدہ علیحدہ اور اق میں لکھا
اور جدا جدا اجزاء میں الگ الگ رکھا جس طرح سے کہ مسودہ ہوا کرتا ہے پھر
حصول مقصد سے پہلے آپ کی وفات واقع ہو گئی، آپ نے اس کتاب کو اپنی
اولاد اور اہل خاندان کو سنانے میں بڑی عجلت سے کام لیا اور اس کی تنقیح و
تہذیب سے پہلے ہی آپ انتقال فرما گئے اور کتاب اسی حال میں رہ گئی۔
یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کتاب کے اس قدر ضخیم ہونے کے کہ اس میں چالیس ہزار
حدیثیں آگئی ہیں پھر بھی احادیث صحیحہ کی بہت بڑی تعداد اس میں درج ہونے سے رہ
گئی ہے۔ حافظ ابن کثیر، اختصار علوم الحدیث میں لکھتے ہیں:

”إن الإمام أحمد قد فاته في كتاب هذا مع أنه لا يوازيه كتاب
مسند في كثرة وحسن سياقه أحاديث كثيرة جداً بل قد قيل
إنه لم يقع له جماعة من الصحابة الذين في الصحيحين قريباً من
ما بين۔“ (۱۳)

امام احمد سے اپنی اس کتاب میں باوجود اس امر کے کہ کوئی اور مسند کثرت
روایات اور حسن ادا میں اس کا مقابلہ نہیں کرتی پھر بھی نہایت کثرت سے
حدیثیں چھوٹ گئی ہیں بلکہ بیان کیا گیا ہے کہ جماعت صحابہ میں دو سو کے قریب
ایسے حضرات کی روایتیں اس میں موجود نہیں ہیں کہ جن سے خود صحیحین میں
حدیثیں منقول ہیں۔

اسی طرح بعض غیر صحیح حدیثیں بھی کتاب میں داخل ہو گئی تھیں جن میں سے بعض
کو خود امام احمد نے بھی مسودہ میں قلمزد کر دیا تھا چنانچہ حافظ ابو موسیٰ مدینی نے

حصائص المسند میں ان میں سے بعض روایات کی نشاندہی بھی کی ہے اس بنا پر علماء میں یہ امر زیر بحث ہے کہ آیا اب بھی سند میں کوئی موضوع روایت موجود ہے یا نہیں۔ علامہ ابن تیمیہ نے اس بحث کا فیصلہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

”وقد تنازع الناس: هل في مسند أحمد حديث موضوع؟ فقال طائفة من حفاظ الحديث كآبي العلاء الهمداني ونحوه، ليس فيه موضوع. وقال بعضهم كآبي الفرج بن الجوزي فيه موضوع، ولا خلاف بين القولين عند التحقيق فإن لفظ الموضوع قد يراد به المخلوق المصنوع الذي يصعد صاحبه الكذب، وهذا مما لا يعلم أن في المسند شيئاً، بل شرط المسند أقوى من شرط أبي داؤد في سننه وقد روى أبو داؤد في سننه عن رجال أعرض عنهم في المسند ولهذا كان الإمام أحمد في المسند لا يعزى عن يعرف أنه يكذب مثل محمد بن سعيد المصلوب ونحوه ولكن عوى عن يضعف لوء حفظه فإن هذا يكتب حديثه ويعتقد به ويعتمد به. ويراد بالموضوع ما يعلم إحتفاء خبره وإن كان صاحبه لم يصد الكذب، بل أخطأ فيه وهذا الضرب في المسند منه، بل وفي سنن أبي داؤد والنسائي وفي صحيح مسلم والبخاري أيضاً ألفاظ في بعض الأحاديث من هذا الباب“ (۱۳)۔

لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا سند احمد میں کوئی موضوع حدیث ہے یا نہیں چنانچہ حنابلہ حدیث کی ایک جماعت جیسے ابو اہلہ ہمدانی وغیرہ تو یہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی موضوع حدیث نہیں اور بعض حنابلہ جیسے ابو الفرج بن الجوزی یہ کہتے ہیں کہ اس میں موضوع روایت موجود ہے اور تحقیق کرنے پر ان دونوں قولوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا کیونکہ لفظ موضوع سے کبھی تو جمہوری

اور گھڑی ہوئی روایت مراد ہوتی ہے کہ جس کا بیان کرنے والا قصد اور روح بیانی سے کام لیتا ہے۔ اور اس قسم کی کسی روایت کا سند میں پتہ نہیں چلا بلکہ سند کی شرط ابو داؤد کی شرط سے جو انہوں نے اپنی سنن میں ملحوظ رکھی ہے زیادہ قوی ہے چنانچہ ابو داؤد نے اپنی سنن میں بہت سے ایسے لوگوں سے روایتیں درج کی ہیں کہ جن سے سند میں اعراض کیا گیا ہے اور اسی لئے امام احمد اپنی سند میں ایسے شخص سے روایت نہیں کرتے کہ جس کے بارے میں وہ یہ جانتے ہوں کہ وہ جھوٹ بولتا ہے جیسے کہ محمد بن سعید مصلوب وغیرہ ہیں لیکن اس شخص سے روایتیں لے لیتے ہیں کہ جو حافظہ کی خرابی کی بنا پر ضعیف سمجھا جاتا ہو کیونکہ ایسے شخص کی حدیث لکھی جاتی ہے اور دوسری روایات کی تائید اور اعتبار کے سلسلہ میں کام آتی ہے۔

اور کبھی موضوع سے مراد وہ روایت ہوتی ہے کہ جس کے ثبوت کی کوئی معلوم ہو اگرچہ اس کے بیان کرنے والے نے قصد اور روح بیانی نہ کی ہو بلکہ روایت کرنے میں چونک گیا ہو اور ایسی روایات سند میں موجود ہیں بلکہ سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں بھی ہیں اور صحیح مسلم اور صحیح بخاری تک میں بعض احادیث میں اس قسم کے الفاظ آئے ہیں۔

بہر حال سند احمد کی اس خصوصیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ صحیح حدیث کا اس سے بڑا مجموعہ اور کوئی موجود نہیں بلکہ حافظ نور الدین دمشقی نے غایۃ المقصد فی زوائد المسند^(۲۵) میں تصریح کی ہے کہ:

مسند احمد أصح صحیحاً من غیرہ۔^(۲۶)

۲۵۔ اس کتاب میں حافظ دمشقی نے مسند امام احمد سے ان تمام روایات کو جمع کیا ہے کہ جن کو امام مسلم صحیح سند میں سے کسی نے روایت نہیں کیا ہے۔
۲۶۔ ترمذیہ الروای، ص: ۵۷۔

صحیح ہونے میں مسند احمد اوروں کی نسبت صحیح تر ہے۔

امام حاکم مسانید کے ذکر کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

”پہلے جس نے صحیح تصنیف کی وہ ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری ہیں ان کے بعد مسلم بن الحجاج قشیری نیشاپوری ان دونوں نے صحیح کو تراجم کے بجائے ابواب پر تصنیف کیا۔“

تراجم و ابواب کا فرق :

ابواب و تراجم (مسانید) کا فرق یہ ہے کہ ابواب میں احادیث کو باب و در مضامین کے لحاظ سے مرتب کیا جاتا ہے۔ مثلاً نماز کی علیحدہ، روزہ کی علیحدہ، اور مسانید میں ہر صحابی کی جملہ روایات کو بلا لحاظ مضمون یکجا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جتنی روایات آئی ہیں بلا لحاظ اس امر کے کہ وہ روزہ سے متعلق ہیں یا نماز سے یا کسی اور امر سے ”مسند ابی بکر الصدیق“ کے زیر عنوان یکجا لکھ دی جائیں گی۔ یہ فرق تو طرز تصنیف کے اعتبار سے تھا لیکن غور کیجئے تو روایات کے اعتبار و استناد کے لحاظ سے بھی ان دونوں طریقوں میں نمایاں امتیاز نظر آئے گا۔ مصنفین ابواب کے پیش نظر وہ روایات ہوتی ہیں جن کا تعلق عمل یا عقیدہ سے ہوتا ہے اس لئے وہ عموماً ان روایات کو ذکر کرتے ہیں جو احتجاج و استشاد کے قابل ہوں اس کے برخلاف مصنفین مسانید کا کام صرف روایات کا جمع کر دینا ہے اس لئے وہ اس بندش سے آزاد ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں صحیح غیر صحیح ہر طرح کی روایات کا اہل نظر آئے گا۔

ابواب و تراجم کے اس فرق کی مزید وضاحت کرتے ہوئے حاکم لکھتے ہیں۔

ابواب و تراجم کا فرق یہ ہے کہ تراجم کی صورت میں یہ شرط ہے کہ مصنف یوں عنوان قائم کرے۔

ذکر ما ورد عن أبي بكر الصديق رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم.

یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واسطے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث مروی ہیں ان کا بیان۔
پھر دوسرا عنوان یہ ہوگا۔

ذکر ما روی قیس بن ابی حازم عن أبي بكر الصديق.
یعنی قیس بن ابی حازم نے حضرت ابو بکر صدیق سے جو روایتیں کی ہیں ان کا ذکر۔

اس صورت میں معنی کے لئے لازمی ہے کہ قیس کے واسطے سے حضرت ابو بکر صدیق سے جتنی روایتیں مل جائیں سب کی ترجیح کرے قطع نظر اس کے کہ وہ صحیح ہیں یا سقیم۔
لیکن معنی ابواب اس طرح عنوان قائم کرتا ہے۔

ذکر ما صح وبحث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في أبواب الطهارة أو الصلوة أو غير ذلك من العبادات.
یعنی طہارت یا نماز یا دیگر عبادت کے بارے میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایت ہے اس کا ذکر

ابواب و تراجم کا جو فرق حاکم نے بیان کیا ہے وہ نہایت قابل توجہ اور اہم ہے۔ ان کے بیان میں اس امر کی صاف طور پر صراحت موجود ہے کہ اہل تراجم یعنی مستعملین مساجد و معاجم کا مقصد صرف روایات کا جمع و استحصال ہے۔ ایک صحابی اور ایک راوی کے ذریعہ جتنی روایتیں ان کو مل جائیں گی وہ ان سب کو یکجا روایت کر دیں گے اور چونکہ یہ ضروری نہیں کہ وہ تمام روایتیں صحیح طریقوں ہی سے ثابت ہوں اس لئے صرف صحیح روایتوں کا جمع کرنا ان کے موضوع سے خارج اور ان کی شرط تصنیف کے متنافی ہے۔ لہذا ان کی تصانیف صحیح و ضعیف ہر قسم کی روایتوں سے ملا مائل ہوں گی۔ درحقیقت

کتاب مسانید طرق و اسانید کا پیش بہاد فتر ہیں۔ ان سے محدث کو سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو حدیث کے درجہ قوت و ضعف پر پوری طرح اطلاع ہو جاتی ہے اور یہ معلوم کرنے میں آسانی رہتی ہے کہ وہ صحت کے کس معیار پر ہے اور اس کی سند کے کتنے طریقے ضعیف اور کتنے صحیح ہیں۔ اگر ضعف ہے تو کیا اس قسم کا ہے کہ چند طریقوں کے ملا لینے سے جاتا رہتا ہے اور حدیث کو قابل استناد بنا دیتا ہے۔ مثلاً ایک حدیث چار طریقوں سے مروی ہے اور ہر طریقے میں ایک ایسا راوی موجود ہے جس پر حافظہ کی کمی کا الزام ہے اسلئے کیا یہ ممکن ہے کہ چاروں کے بیان کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ ان میں ہر ایک میں جو علیحدہ علیحدہ حافظہ کی کمی تھی وہ ان سب کے مختلف بیان سے پوری ہو گئی اور اسی طرح اگر وہ حدیث صحیح ہے تو کیا تعدد طرق کی بنا پر اسے شہرت کا درجہ حاصل ہے یا اسے صرف عزیز کہا جاسکتا ہے یا وہ غرائب و افراد میں سے ہے۔

لیکن جن لوگوں نے اپنی تصنیفات کی ترتیب تراجم کی بجائے ابواب پر کی ہے یعنی اہل جوامع و سخن ان کی شرط تصنیف میں یہ چیز داخل ہے کہ وہ صرف معمول پر اور قابل استناد احادیث کا اندراج کریں اور ایسی کوئی روایت اپنی کتاب میں نہ لائیں جو عمل کے قابل نہ ہو اس لئے یہ مصنفین اپنی تصانیف میں صرف وہ احادیث نقل کرتے ہیں جو ان کے نزدیک آنحضرت ﷺ سے صحیح و ثابت ہوں۔ گو یہ ممکن ہے کہ کسی حدیث کے صحیح سمجھنے میں ان سے چونک ہوئی ہو یا اور علما ان کی اس رائے سے متعلق نہ ہوں۔ حاکم کے زمانہ تک مصنفین ابواب کے پیش نظر یہی چیز تھی اسلئے جب وہ اپنی تصانیف میں کوئی ایسی روایت داخل کرتے ہیں جو ان کی شرط پر پوری نہیں جرتی تو اس کے ضعف کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کر کے اس ذمہ داری سے بری ہو جاتے ہیں۔

واضح رہے کہ سلف کی اصطلاح میں ہر قابل عمل حدیث صحیح کہلاتی تھی البتہ صحت کے اعتبار سے اس کے مختلف درجہ ہوتے تھے۔ بعد میں متاخرین نے حدیث مقبول کی چار قسمیں قرار دیں اور ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ نام مقرر کئے۔

(۱) صحیح لذات۔

(۲) صحیح الفیروہ

(۳) حسن لذات۔

(۴) حسن لغیرہ۔

حقدین کی اصطلاح میں حسن بھی صحیح میں داخل تھی۔ حافظ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء میں امام ابو داؤد کے ذکر میں اس چیز کی تصریح کی ہے چنانچہ رقمطراز ہیں۔

”حدّ الحسن بیاصطلاحنا المولد الذي هو في عرف السلف يعود إلى قسم من أقسام الصحيح فإنه الذي يجب العمل به عند جمهور العلماء“۔ (۲۷)

ہماری جدید اصطلاح میں جو حسن کی تعریف ہے وہ حقدین کے عرف میں صحیح کی ایک قسم ہے کیونکہ وہ عام علماء کے نزدیک واجب العمل ہے۔ مصنفین ابواب کی جو شرط حاکم نے بیان کی ہے وہ اسی اصطلاح پر مبنی ہے اور یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے ائمہ حدیث نے کتب سنن پر صحت کا اطلاق کیا ہے حالانکہ ان میں احادیث حسن کثرت سے موجود ہیں چنانچہ ابو علی نیشاپوری۔ ابو احمد بن عدی۔ دارقطنی۔ عبد الغنی بن سعید۔ حاکم۔ خطیب اور سلقی نے سنن نسائی کو صحیح کہا ہے۔ ابن مندہ اور ابو علی بن سکن کا بیان ہے کہ چار اشخاص نے صحیح کی تصریح کی ہے بخاری، مسلم، ابو داؤد اور نسائی اسی طرح حاکم خطیب اور سلقی نے سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی کو صحیح کے لفظ سے موسوم کیا ہے۔ (۲۸)

کیا صحیح حدیثوں کو سب سے پہلے بخاری نے جمع کیا ہے؟

اسام حاکم نے المدخل میں اپنی تصریح کی ہے، آول من صنف الصحيح اطلع، کہ

۲۷۔ توضیح الافکار لا میر، ص ۱۳۲

۲۸۔ توضیح الافکار لا میر، ص ۱۳۲

سب سے پہلے جس نے صحیح حدیث کا مجموعہ تیار کیا ہے وہ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری ہیں پھر ابوالحسن مسلم بن حجاج نیشاپوری ہیں۔

یہاں تو مصنف نے امام بخاری کو پہلا مصنف صحیح قرار دیا ہے مگر لطف یہ ہے کہ خود مستدرك علی الصحیحین میں حاکم اور دوسرے ائمہ حدیث کی تصریحات ان کے ردی کے برخلاف ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

(۱) ومالك بن أنس حكم في حديث المدنيين وقد احتج به في الموطأ. (۲)

مالک ابن انس مدینہ کی حدیث میں فیصلہ کن ہیں اور موطا میں اس حدیث سے احتجاج کیا ہے۔

(۲) ومالك الحكم في كل من روى عنه. (۳)

اور مالکؒ جس سے روایت کریں اس کے سلسلے میں وہ حکم ہیں۔

(۳) تیسری جگہ بیع الرطب والتمر کے ذیل میں ارقام فرماتے ہیں۔

هذا حديث صحيح لإجماع أئمة النقل على إمامة مالك بن أنس وإنه الحكم في كل ما عدويه من الحديث، إذ لم يوجد في رواياته إلا الصحيح خصوصاً في حديث أهل المدينة. (۴)

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ ائمہ نقل کا امام مالک کی امامت پر اجماع ہے اور امام مالک جو حدیث روایت کرتے ہیں اس میں وہ حکم ہیں کیونکہ امام مالک

۱۔ مستدرک ج: ۱، ص: ۲۴۴

۲۔ مستدرک ج: ۱، ص: ۱۰۷

۳۔ ج: ۲، ص: ۳۹

نے جو روایت کی ہے اس میں صحیح کے علاوہ کوئی چیز نہیں خاص کر اہل مدینہ کی روایتوں میں۔

(۳) بلکہ امام بخاری اور امام مسلم کی شہادت بھی اس سلسلے میں پیش کرتے ہیں، چنانچہ سورۃ المیزۃ کی حدیث کے بارے میں جو حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے کتاب میں مذکور ہے فرماتے ہیں۔

هذا حديث صحيح ولم يخرجاه على أنهما على ما أصلاه في تركه غير أنه ما قد شهدا جميعاً لمالك بن أنس أنه الحكم في حديث المدنيين وهذا الحديث مما حصّته مالك واحتج به في الموطأ، (۳۳)

یہ حدیث صحیح ہے اور دونوں نے اس کی تخریج نہیں کی اس اصول کے بتا رہے جو انہوں نے قائم کیا ہے: ”کہ فرد حدیث کی تخریج نہیں کریں گے، مگر ان دونوں نے اس بات کی شہادت دی ہے کہ امام مالکؒ کا مدینہ والوں کی حدیث میں ان کا قول، قول فیصل ہے اور یہ وہ حدیث ہے جس کو امام مالکؒ نے صحیح کہا ہے اور موطا میں اس سے احتجاج کیا ہے۔

(۵) اور حاکم سے پہلے حنفیہ ابن حبان کتاب اشکات میں تصریح کرتے ہیں۔
وكان مالك أول من استقى الرجال من الفقهاء بالمدينة وأعرض عن ليس بصفة في الحديث ولم يكن يروي إلا ما صح ولا يحدث إلا عن ثقة، (۳۴)

اور امام مالکؒ مدینہ کے فقہاء میں سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے مدینہ میں حدیث کے راویوں کے بارے میں انتخاب سے کام لیا ہے اور حدیث کا جو

۳۳۔ ج: ۱، ص: ۱۶۰

۳۴۔ کتاب اشکات، ج: ۲، ص: ۵۹، نیز کرم مالک

راوی غیر ثقہ ہے اس سے اسرار لیا گیا ہے۔ اور امام مالک دعی روایت کرتے تھے جو صحیح ہوئی اور بجز ثقہ راوی کے کسی سے روایت نہیں کرتے تھے۔

(۶) اور ان دونوں حضرات سے کچلے امام سفیان ابن عیینہ متوفی ۱۹۸ھ فرما چکے ہیں۔

”کان مالک لا یبلغ من الحدیث إلا صحیحاً ولا یحدث إلا عن ثقة“۔ (۳۳)

کہ امام مالک صحیح حدیث ہی بیان کرتے تھے اور جو روایت نقل کرتے تھے وہ ثقہ ہی سے کرتے تھے۔

اب ان تصریحات کے بعد ناظرین خود غور فرمائیں کہ صحیح میں اول تصنیف خود حاکم اور دوسرے ائمہ حدیث کی تصریحات کے مطابق مؤطا ہوئی یا صحیح بخاری اور حاکم کی تقلید میں ابن صلاح نے بھی بغیر تحقیق کے اذیت کا سہرا امام بخاری کے سر پہ باندھ دیا پھر متاخرین نے بھی بغیر تحقیق ابن صلاح کی بات کو اپنی تصانیف میں دھرانا شروع کر دیا۔ لیکن یہ بالکل بے اصل بات ہے۔ حافظ سیوطی بتویر الحوالہ میں لکھتے ہیں۔

”وقال الحافظ منطاتی أول من صنف الصحيح مالك وقال الحافظ ابن حجر کتاب مالک صحیح عندہ وعند من یقلده علی ما اقتضاه نظره من الاحتجاج بالمرسل والمنقطع وغيرهما قلت ما فیہ من المراسیل فإنها مع كونها حجة عندہ بلا شرط وعند من وافقه من الائمة علی الاحتجاج بالمرسل فهي أيضا حجة عندنا لأن المرسل عندنا حجة اذا اعتضد وما من مرسل فی المؤطا إلا وله

عارضہ او عراضہ کا ساین ذلک فی هذا الشرح فالصواب إطلاق
 أن المؤطا صحيح لا يستثنى منه شيء۔^(۳۵)
 اور حافظ مغلطائی نے کہا ہے کہ پہلے جس نے صحیح تصنیف کی وہ مالک ہیں۔ حافظ
 ابن حجر کا بیان ہے کہ مالک کی کتاب خود ان کے اور نیز ان کے مقلدین کے
 نزدیک جن کا خیال مرسل و منقطع وغیرہ سے احتجاج کا متقاضی ہے صحیح ہے
 (سیوطی کہتے ہیں) میں کہتا ہوں مؤطا میں جو مراسل ہیں وہ قطع نظر اس کے کہ
 وہ بلا کسی شرط کے مالک اور ان ائمہ کے نزدیک جو مرسل سے استناد کے قائل
 ہیں حجت ہیں ہمارے نزدیک بھی صحیح ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک جب مرسل کا
 کوئی مؤید ہو تو وہ حجت بنتی ہے اور مؤطا میں کوئی مرسل ایسی موجود نہیں جس
 کے ایک یا ایک سے زائد مؤید موجود نہ ہوں۔ چنانچہ میں اپنی اس شرح میں
 اس کو بیان کروں گا۔ تو حق یہی ہے کہ مؤطا پر صحیح کا اطلاق کیا جائے اور اس سے
 کسی چیز کو مستثنیٰ نہ قرار دیا جائے۔

علامہ سیوطی نے حافظ مغلطائی کے جس بیان کا حوالہ دیا ہے وہ خود ان کی زبان سے سنا
 زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ علامہ محمد امیر یمنی توضیح الأفكار شرح تنقیح
 الأنظار میں جو اصول حدیث کی ایک بحث بہانتاب ہے رطراز ہیں۔

أول من صنف في جمع الصحيح البخاري هذا كلام ابن الصلاح
 قال الحافظ ابن هيرانه إعرض عليه الشيخ مغلطائي فيما قرأه
 بخطه بأن مالكا أول من صنف الصحيح وتلاه أحمد بن حنبل
 وتلاه الدارقمي قال وليس لقائل أن يقول لعله أراد الصحيح المجرد

فلایرد کتاب مالک لأن فیہ البلاغ والموقوف والمنقطع والفقہ
 وغیر ذلك لوجود ذلك فی کتاب البخاری۔ انتہی^(۱۲۶)
 پہلے جس نے صحیح صحیح میں تصنیف کی وہ بخاری ہیں یہ ابن صلاح کا بیان ہے۔
 حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس پر شیخ مظاہی نے اعتراض کیا ہے چنانچہ انہوں
 نے خود ان کی تحریر میں پڑھا ہے کہ پہلے جس نے صحیح تصنیف کی وہ مالک ہیں
 اور ان کے بعد احمد بن حنبل اور یحییٰ بن زبیر اور کسی کو یہ اعتراض کا حق نہیں کہ
 عاصم ابن صلاح کی مراد صحیح سے صحیح مجرد ہے لہذا مالک کی کتاب اس سلسلہ میں
 پیش نہیں کی جاسکتی کیونکہ اس میں بلاغ موقوف منقطع اور فقہ بھی موجود ہے
 اس لئے کہ یہ سب چیزیں بخاری کی کتاب میں بھی پائی جاتی ہیں۔

کتاب الآثار پہلا حدیثی مجموعہ ہے جو ابواب پر مرتب ہوا
 بلاشبہ علامہ مظاہی کے نزدیک اس بارے میں اذیت کا شرف امام مالک کو حاصل
 ہے۔ مگر ہم کو اس سے بھی پہلے کی ایک تصنیف معلوم ہے جس سے خود مؤطا کی تالیف
 میں استفادہ کیا گیا ہے اور جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے ہم یقین کے ساتھ کہہ
 سکتے ہیں کہ وہی اسلام میں پہلی کتاب ہے جو ابواب پر مرتب و مدوّن ہوئی۔ یہ امام ابو
 حنیفہؒ کی مشہور تصنیف کتاب الآثار ہے۔ مؤطا کو کتاب الآثار سے وہی نسبت ہے جو صحیح
 مسلم کو صحیح بخاری سے۔ یہ کچھ ہماری ہی رائے نہیں بلکہ اگلے علما بھی اس کی تصریح
 کر چکے ہیں۔ حافظ سیوطیؒ بیض الصحیفۃ فی مناقب الامام ابی حنیفہؒ میں
 تحریر فرماتے ہیں۔

”من مناقب أبي حنيفة التي انفرد بها أنه أول من دون علم الشريعة ورتبه أبواباً ثم تبعه مالك بن أنس في ترتيب الموطأ ولم يسبق أبا حنيفة أحد“۔^(۳۷)

امام ابو حنیفہؒ کے ان خصوصی مقام میں سے جن میں وہ منفرد ہیں ایک یہ بھی ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کو مدون کیا اور اس کی ابواب پر ترتیب کی پھر امام مالکؒ بن انس نے موطا کی ترتیب میں ان ہی کی پیروی کی اور اس بارے میں امام ابو حنیفہؒ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں۔

امام ابو حنیفہ کی تصانیف سے امام مالک کا استفادہ

امام ابو حنیفہؒ کی تصانیف سے امام مالکؒ کے استفادہ کا ذکر کتب تاریخ میں صراحت سے مذکور ہے حافظ ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن ابی العزائم سعدی متاخر ابی حنیفہ میں بسند متصل روایت کرتے ہیں۔

”حدثني يوسف بن أحمد المكي ثنا محمد بن حازم الفقيه ثنا محمد بن علي الصائغ بمكة ثنا إبراهيم بن محمد عن الشافعي عن عبد العزيز الدراوردي قال كان مالك بن أنس ينظر في كتب أبي حنيفة ويضع بها“۔^(۳۸)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عبدالعزیز بن محمد الدراوردي کا بیان ہے کہ امام مالکؒ بن انس امام ابو حنیفہؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے اور ان سے نفع اندوز ہوتے تھے۔

۳۷۔ تبیض الصمد طبع دہلی ۱۳۴

۳۸۔ تحلیقات حافظہ کلکٹری، طبع مصر، ص ۱۳

وہاں کو کتاب الآثار سے وہی نسبت ہے جو صحیح مسلم کو صحیح بخاری سے کتاب الآثار میں روایات مروی ہیں وہ سونہا کی روایات سے قوت و صحت میں کسی طرح کم نہیں۔ ہم نے اس کے ایک ایک راوی کو جانچا اور یہ کھا ہے اسی لئے ہم پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں کوئی موضوع روایت موجود نہیں اور نہ کوئی ایسی روایت پائی جاتی ہے کہ جو سرے سے احتجاج کے قابل نہ ہو اور جس طرح سونہا کے مراسیل کے وید موجود ہیں اسی طرح اس کے مراسیل کا حال ہے۔ لہذا بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ کتاب الآثار باسطلاح سلف بلا استثناء پوری کی پوری صحیح ہے۔ اور کیوں نہ ہو امام حنفیؒ کی نظر انتخاب نے چالیس ہزار احادیث کے مجموعہ سے جن کراں کو روایت کیا ہے۔ صدر الامر موفقی بن احمدؒ کی تحریر فرماتے ہیں۔

”واقتب أبو حنيفة رحمه الله الآثار من أربعين ألف حديث“۔
(۳۱)

امام ابو حنفیؒ نے کتاب الآثار کا انتخاب چالیس ہزار احادیث سے کیا ہے۔ امام صاحب کی اس احتیاط کا بڑے بڑے محدثین نے الزام کیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابو عمر ہدایت قادریؒ بسند متصل دیکھنے سے جو حدیث کے بہت بڑے امام ہیں نقل کرتے ہیں۔

”أخبرنا القاسم بن عباد سمعت يوسف الصغار يقول سمعت وكيعاً يقول لقد وجد الريح عن أبي حنيفة في الحديث ما لم يوجد عن غيره“۔ (۳۲)

کہ جیسی احتیاط امام ابو حنفیؒ سے حدیث میں پائی گئی کسی دوسرے سے نہیں پائی گئی۔

”۔ کتاب موفقی طبع دائرۃ المعارف، ج ۱، ص ۹۵

”۔ کتاب موفقی طبع دائرۃ المعارف، ج ۱، ص ۹۵

اسی طرح علی بن الجعد جو ہری نے کہ جو حدیث کے بہت بڑے حافظ اور امام بخاری اور ابو داؤد کے استاذ ہیں یہ روایت نقل کی ہے:

”قال القاسم بن عباد في حديثه قال علي بن الجعد أبو حنيفة إذا جاء بالحديث جاء به مثل الدر.“ (۴۱)

امام ابو حنیفہ جب حدیث بیان کرتے ہیں تو سوتی کی طرح آبدار ہوتی ہے۔ اور حافظ خلیب بغدادی اپنی تاریخ میں سید الحفاظ مکی بن صمیم سے (جن کے متعلق امام احمد بن حنبل فرمایا کرتے تھے کہ جس حدیث کو مکی بن صمیم نہ جانیں وہ حدیث ہی نہیں) بسند متصل ناقل ہیں کہ:

”كان أبو حنيفة ثقة لا يحدث إلا ما يحفظ ولا يحدث بما لا يحفظ.“ (۴۲)

امام ابو حنیفہ ثقہ ہیں جو حدیث ان کو حفظ ہوتی ہے وہی بیان کرتے ہیں اور جو حفظ نہیں ہوتی بیان نہیں کرتے۔

اور امام عبد اللہ بن المبارک کہ جن کی جلالہ شان کا تمام اہل علم کو اعتراف ہے ایک نظم میں جو انہوں نے امام اعظم کی شان میں لکھی ہے فرماتے ہیں:

روی آثاره فأجاب فيها كطيران الصقور من المنيفة
انہوں نے آثار کو روایت کیا تو ایسی بلند پروازی دکھائی کہ، جیسے شکاری پرندے بلند مقام پر پرواز کر رہے ہوں۔

ولم يك بالعراق له نظير ولا بالمشرقين ولا بكموه (۴۳)
سود عراق میں ان کی کوئی نظیر تھی، نہ مشرق و مغرب میں اور نہ کوفہ میں۔

۴۱۔ مناقب سوتی طبع دائرۃ المعارف، ج ۱، ص ۹۵

۴۲۔ مناقب سوتی طبع دائرۃ المعارف، ج ۱، ص ۹۵

۴۳۔ مناقب صدر طبع ج ۳، ص ۱۹۰

اسی طرح امام اہل سر قد ابو قتیل سر قدی ہمام اعظم کی مدح کرتے ہوئے کتاب الآثار کے متعلق فرماتے ہیں:

”روی الآثار عن نبیل ثقات غزار العلم مشیخة حسیفة“۔^(۴۴)
معززین ثقات سے انہوں نے الآثار کو روایت کیا ہے جو بڑے وسیع العلم اور عمدہ مشائخ تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان آثار ائمہ حدیث کی یہ شہادتیں بلاوجہ نہیں ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے کوفہ، بصرہ اور حجاز^(۴۵) کی مشہور درس گاہوں میں علم حدیث کی برسوں تحصیل کی ہے اور جس توجہ اور کوشش سے انہوں نے اس علم کو حاصل کیا ہے، ان کے معاصرین میں سے کم لوگوں نے کیا ہوگا۔ حافظ ابو سعد سہبانی^(۴۶) کتاب الانساب میں امام ابو حنیفہ کے تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

”اشتغل بطلب العلم وبالغ فیه حتی حصل له عالم یحصل لغيره“۔^(۴۷)

^{۴۴} مناقب صدر الآثار ج: ۳، ص: ۱۹۰

^{۴۵} علامہ کمال الدین احمد بیاضی، انوار المرام من عبارات الاسام، (ص: ۲۰۰، طبع مصر ۱۳۶۸) میں لکھتے ہیں: فبولغ من اصحاب عمر رضی اللہ عنہ من بنی عمرو من اصحاب ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ من ابن مسعود ومن اصحاب ابن عباس رضی اللہ عنہما من ابن عباس من یبلغ بعد اللہ کو بالکوفہ والبصرة والجزيرة في سنة ست وتسعين وبعده۔ یعنی امام ابو حنیفہ نے اصحاب عمر سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم اور اصحاب ابن مسعود سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اور اصحاب ابن عباس سے حضرت ابن عباس کا مشائخگی اس قدر لو سے جو ذکر کی پہانگی ہے کوفہ، بصرہ اور حجاز میں ہو کر ہو چکی ہے۔ بڑے مشائخ اور اس کے بعد حاصل کیا ہے۔

^{۴۶} حافظ ذہبی نے حوالہ کتاب میں تصریح کی ہے کہ سہبانی تاریخ اور علم حدیث میں ابن جریری اور ابن کے شیخ ابن ناصر دونوں سے بڑے ہوئے ہیں (لاحظہ ہو حوالہ کتاب ترجمہ ابن ناصر)

^{۴۷} الانساب طبع لیدن ورق ۱۹۶

وہ طلب علم میں مشغول ہوئے تو اس درجہ غایت انتہاک کے ساتھ ہوئے کہ جس قدر علم ان کو حاصل ہوا دوسروں کو نہ ہوا۔ اور حافظ ذہبی، امام مسمر بن کدام سے جو عہد طالب علمی میں امام اعظم کے رفیق رہے تھے ہیں ناقل ہیں:

”طلبت مع أبي حنيفة الحديث فغلينا وأخذنا في الزهد فبرع علينا وغلينا معه القفّة فجاء منه ما ترون“۔ (۳۸)

میں نے امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ حدیث کی تحصیل کی تو وہ ہم پر غالب رہے، اور زہد میں گئے تو اس میں بھی وہ ہم سے فائق ہو گئے اور فقہ ان کے ساتھ شروع کی تو تم دیکھتے ہی ہو کہ کیسا کمال ان سے ظاہر ہوا۔ یہ مسمر ہی ہیں جن کو شعبہ ان کے افغان کی بنا پر مصحف کہا کرتے تھے۔ (۳۹) حافظ ابو محمد راسخ زری نے المحدث الفاصل بین الراوی والواعی (۴۰) میں لکھا ہے کہ: ”شعبہ اور سفیان ثوری میں جب کسی حدیث کی بابت اختلاف ہوتا تو دونوں کہا کرتے کہ اذہبا بنا إلی المیزان مسمر (ہم دونوں کو مسمر کے پاس لے چلو جو اس فن کی میزان ہیں)۔“

غور کیجئے شعبہ اور سفیان دونوں اُمید المؤمنین فی الحدیث کہلاتے ہیں اس لئے ان کی میزان علم جس شخص کے متعلق یہ شہادت دے کہ وہ علم حدیث میں ہم سے آگے ہے وہ خود اس فن میں کس پایہ کا شخص ہوگا۔

—————

۳۸۔ صاحب ابی حنیفہ حافظ ذہبی ص: ۷۷ طبعی

۳۹۔ تذکرۃ المحدثین مسمر

۴۰۔ اس کتاب کے قلمی نسخے کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد، گن اور کتب خانہ بی جیٹو سندھ میں ملادی نظر سے گزرے ہیں۔

میں بھی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام حافظ ابو عبد الرحمن مرقی (جو فہم حدیث میں امام احمد حنبل، اسحق بن راہویہ اور بخاری کے استاذ ہیں) جب امام ابو حنیفہؒ سے کوئی حدیث بت کرتے تھے تو ان الفاظ کے ساتھ کرتے تھے۔ أخبرنا شاہنشاہ۔ (۴۲)
امام مکی بن ابراہیم فرماتے ہیں:

”كان أبو حنيفة زاهداً عالماً راجحاً في الآخرة صدوق اللسان حفظ أهل زمانه.“ (۴۳)

امام ابو حنیفہ زاہد، عالم، آخرت کی طرف راغب، بڑے راستہ باز اور اپنے اہل خانہ میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔

میسری نے بھی مناقب ابی حنیفہ میں شیخ الاسلام حافظ زید بن ہارون سے کہے قریب قریب روایت کیا ہے۔ (۴۴) اور امام مکی بن سعید القطار جو مشہور ناقد حدیث اور جرح و تعدیل کے امام ہیں یوں فرماتے ہیں:

”إنه والله لأعلم هذه الأمة بما جاء عن الله ورسوله.“ (۴۵)
اللہ ابو حنیفہ اس امت میں خدا اور اس کے رسول ﷺ سے جو کچھ وارد ہوا ہے اس کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

محقق ہمدانی نے تاریخ بغداد میں اس کو بسند متصل نقل کیا ہے۔

محقق امام لاہوتی علامہ محمد امجد علی خان عجمی فرماتے ہیں کہ حافظ ابو احمد مرقی۔

”یہ کتاب کا قلمی نسخہ کتاب خانہ مجلس علمی گراہی میں موجود ہے یہ کتاب مطبعہ معارف شرقیہ رابہ دکن سے ۱۳۹۳ میں شائع ہو گئی ہے، حضرت نعمانی نے متعدد نسخوں سے اس کی تصحیح کے سوا چار کیا تھا لیکن وہ چھپ نہیں سکا ہے، مخطوط میں اصل عبارت یہ ہے: كان ابو حنيفة عالماً زاهداً صدوق اللسان حفظ أهل زمانه۔“

یہ کتاب تعلیم الامار مسعود بن شیبہ سندھ، بحوالہ امام عجمی اس کا قلمی نسخہ مجلس علمی کے نام میں موجود ہے۔ یہ کتاب حضرت والد صاحب کی تصنیفات کے ساتھ شائع ہو گئی ہے۔
۱۱ خط ہو مقدمہ کتاب بذل

آخر فن کی اس قدر تصریحات فن حدیث میں امام اعظم کی عظمت شان اور جلال مرتبت کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔

امام اعظم کی روایت حدیث اور عمل بالحدیث کی شرائط:

اب ذرا اس پر بھی نظر ڈال لیجئے کہ امام اعظم کے نزدیک کسی حدیث کو روایت کرنا اور اس پر عمل کرنے کے کیا شرائط ہیں۔ امام طحاوی نے یہ سند متصل روایت کی ہے۔
 "حدثنا سليمان بن شعيب حدثنا أبي قال أَمَلْنَا أَبُو يَوْسُفَ
 قَالَ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ لَا يَنْبَغِي لِلرَّجُلِ أَنْ يَحْدُثَ مِنَ الْحَدِيثِ إِلَّا بَمَا
 حَفِظَهُ مِنْ يَوْمٍ مَعَهُ إِلَى يَوْمٍ يَحْدُثُ بِهِ" (۵۵)۔

کہ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کسی شخص کو اس وقت تک حدیث نہیں بیان کرنا
 چاہئے جب تک کہ سننے کے دن سے لے کر بیان کرنے کے دن تک اسی طرح
 یاد نہ ہو۔

امام بخاری بن عیین کی تصریح ابھی آپ پڑھ چکے کہ روایت حدیث کے باب میں امام
 صاحب کا عمل اسی اصول پر تھا۔ بعد کے متعدد محدثین نے حفظ کی بجائے کتابت کو کام
 سمجھا اس لئے ان کے خیال میں اگر راوی کو حدیثوں کے الفاظ و معانی کچھ بھی یاد نہ ہو
 تاہم چونکہ وہ تلمیذ صورت میں اس کے پاس موجود ہیں اس لئے ان کو روایت کرنا
 ہے چنانچہ محدث خلیفہ بغدادی، الکفایۃ فی علم الروایۃ میں لکھتے ہیں:

"ابوزکریا یعنی بخاری بن عیین سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنے قلم سے حدیث لکھ
 ہوئی پائے مگر وہ اس کو زبانی یاد نہ ہو تو کیا کرے کہنے لگے ابو حنیفہ تو یہی فرماتے ہیں
 کہ جس حدیث کا انسان عارف اور حافظ نہ ہو اسے بیان نہ کرے لیکن ہم یوں کہتے ہیں

کہ اپنی کتاب میں جو کچھ اپنے قلم سے لکھا ہوا پائے اسے بیان کر سکتا ہے چاہے وہ اس روایت کا یارف ہو یا نہ ہو۔^(۵۶)

اور حافظ سیوطی، تدریب الراوی میں امام ابو حنیفہ کا مذہب نقل کر کے لکھتے ہیں:

”وهذا مذهب شديد وقد استقر العمل على خلافه فلمل الرواة في الصحيحين ممن يوصف بالحفظ لا يبلغون النصف“۔^(۵۷)

یہ سخت مذہب ہے اور عمل اس کے خلاف قرار پایا ہے کیونکہ عابجا صحیحین کے ان روایات کی تعداد جو حفظ سے موصوف ہیں نصف تک نہیں پہنچتی۔

اگرچہ ہمارے نزدیک یہ مسئلہ اختلاف عصر و زمان کا مسئلہ ہے اسی لئے امام مالک بھی اس مسئلہ میں امام اعظم کے امتزاج ہیں۔ اس عہد تک کتابت سے زیادہ حفظ پر زور تھا بعد کو جس قدر زمانہ گزر تا میا حفظ کی جگہ کتابت نے لے لی تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حافظ حدیث کی روایت کو غیر حافظ کی روایت پر ترجیح ہے کیونکہ عدم حفظ کی صورت میں احتمال ہے کہ کوئی خط میں غلطی کر نوشتہ میں غور نہ کر دے۔ بہر حال اس حیثیت سے کتاب الآثار اور مؤطا کی مرویات کو صحیحین کی مرویات پر جو ترجیح حاصل ہے غلط ہے۔

اور امام ربانی علامہ عبدالوہاب شعرانی، المیزان الکبریٰ میں رقمطراز ہیں:

”وقد كان الإمام أبو حنيفة يشترط في الحديث المنقول عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل العمل به أن يرويه عن ذلك الصحابي جمع أئمة عن مثلهم وهكذا“۔^(۵۸)

^{۵۶}۔ لکھا ہے فی علم الراوی ص: ۲۳۱ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۵۷ھ

^{۵۷}۔ تدریب الراوی ص: ۱۶۰۔

^{۵۸}۔ المیزان شعرانی ج: ۱، ص: ۶۲ طبع مصر ۱۳۳۲ھ

جو حدیث آنحضرت ﷺ سے منقول ہو اس کی بابت امام ابو حنیفہؒ عمل سے کہلے یہ شرط حاکم بالازم نافذ کرتے ہیں کہ اس کو متقی لوگوں کی ایک جماعت اس صحابی سے برابر نقل کرتی چلی آئے۔

امام شعرانی نے عمل بالحدیث کے لئے امام ابو حنیفہؒ کی جس شرط کا ذکر کیا ہے وہ خود امام مروج سے بصراحت منقول ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے امام نجی بن صمیم کی سند سے امام صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

”أخذ بكتاب الله فإلم أجد فبنت رسول الله والأثر الصالح عنه التي ثبتت في أبدى الثقات عن الثقات فإن لم أجد فبقول أصحابه أخذ بقول من ثبت وأما إذا انتهت الأمالي لإبراهيم والشعبي والحسن وعطاء فاجتهد كما اجتهدوا“ (۴۹)۔

میں کتاب اللہ سے لیتا ہوں اگر اس میں نہ ملے تو رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ کی ان صحیح حدیثوں سے کہ جو ثقات کے ہاتھوں میں ثقات ہی کے ذریعہ شائع ہوئی ہیں پھر اگر یہاں بھی نہ مل سکے تو آپ کے اصحاب میں سے جس کا قول چاہتا ہوں اختیار کر لیتا ہوں لیکن جب معاملہ ابراہیم، شعبی، حسن، بصری اور عطاء بن ابی رباح تک آ جاتا ہے تو جس طرح ان حضرات نے اجتہاد کیا میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔

امام ابو حنیفہؒ کا یہ بیان خاص طور پر قابل غور ہے اس میں آپ نے اپنے طریق استنباط کی توضیح فرمائی ہے اور احادیث کے بارے میں صراحت کی ہے کہ آپ صرف ان حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں کہ جو صحیح ہیں اور ثقات کے ذریعہ جن کی اشاعت ہوئی ہے۔ امام سفیان ثوری نے بھی حدیث کے متعلق امام صاحب کا یہی طرز عمل بتلایا ہے کہ:

”یاخذ بما صح عنده من الأحادیث الّتی کان یحصله النّجات
وبالآخر من فعل رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیہ وسلم“ (۳۰)

جو حدیثیں ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہیں اور ثقات جن کو روایت کرتے ہیں نیز
جو آنحضرت ﷺ کا آخری فعل ہوتا ہے یہ اسی کو لیتے ہیں۔

غرض کتاب الآثار قرآن پاک کے بعد کتب خانہ اسلام کی دوسری کتاب ہے جو ابواب پر
مرتب و معدون ہوئی اور جس میں صرف ان ہی احادیث اور آثار و فتاویٰ نے جگہ پائی
کہ جن کی روایت ثقات و اقیام امت میں برابر چلی آتی تھی امام اعظم نے اس کتاب
میں آنحضرت ﷺ کے آخری افعال اور آیات کو نمائے اول اور آثار و فتاویٰ صحابہ
و تابعین کو نمائے ثانی قرار دیا۔

کتاب الآثار کا موضوع صرف روایت احکام یعنی سنن ہیں جن سے مسائل فقہ کا استنباط
ہوتا ہے اس لئے وہ سیکڑوں مختلف ابواب جو سمجھین اور جامع ترمذی وغیرہ دیگر کتب
احادیث میں مذکور ہیں، کتاب الآثار میں نہیں ملیں گے کیونکہ ان ابواب کا تعلق
تفہیمات سے نہیں ہے اس بنا پر محدثین کی اصطلاح میں کتاب الآثار، کتب سنن میں
داخل ہے چنانچہ بعض محدثین نے اسی نام سے اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

کتاب الآثار کے نمایاں امتیازات:

کتاب الآثار کا ایک نمایاں امتیاز یہ ہے کہ اس کی روایات اس عہد کی دیگر تصانیف کی
طرح اپنے ہی شہر اور اقلیم کی روایات میں محدود و منحصر نہیں بلکہ اس میں مکہ، مدینہ،
کوفہ، بصرہ غرض کہ جہاز و عراق دونوں جگہ کا علم تحریر و تدوین میں یکجا موجود ہے۔
حافظ ابن القیم، اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں۔

”لا تفتقر فی فہر کل شئ من الاثر الفلانی، حافظ ابن عبد البر ص: ۳۲ طبع مصر۔“

”والدین والفقہ والعلم انتشر فی الأمة عن أصحاب ابن مسعود وأصحاب زید بن ثابت وأصحاب عبد اللہ بن عمر وأصحاب عبد اللہ بن عباس، فعلم الناس عامة عن أصحاب هؤلاء الأربعة، فأما أهل المدينة فعلمهم عن أصحاب زید بن ثابت وعبد اللہ بن عمر وأما أهل مكة فعلمهم عن أصحاب عبد اللہ بن عباس وأما أهل العراق فعلمهم عن أصحاب عبد اللہ بن مسعود“ (۱۱)

دین، فقہ اور علم کی اشاعت امت میں اصحاب عبد اللہ بن مسعود، اصحاب زید بن ثابت، اصحاب عبد اللہ بن عمر اور اصحاب عبد اللہ بن عباس سے ہوئی ہے، اللہ لوگوں کا عام علم ان ہی چار کے اصحاب سے لیا ہوا ہے۔ چنانچہ مدینہ والوں کا علم زید بن ثابت اور عبد اللہ بن عمر کے اصحاب سے اور مکہ والوں کا علم عبد اللہ بن عباس کے اصحاب سے اور عراق والوں کا علم عبد اللہ بن مسعود کے اصحاب سے لیا ہوا ہے۔

امام مالک نے موطا کی تالیف مدینہ منورہ میں کی ہے اور اس میں مدنی شیوخ کے علاوہ اور لوگوں سے برائے نام روایتیں ہیں، لیکن کتاب الآثار کے ردۃ میں کوئی یا عراقی کی تخصیص نہیں بلکہ حجاز، عراق اور شام جملہ بلاد اسلامیہ کے علماء سے اس میں روایتیں موجود ہیں ہم نے کتاب الآثار پر روایت امام محمد سے جس میں دوسرے ائمہ کے نسخوں کی بہ نسبت کم روایتیں ہیں امام اعظم کے شیوخ کو جمع کیا تو ایک سو پانچ ہوئے پھر ان کے اوطان پر نظر ڈالی تو تمیں کے قریب ایسے مشائخ حدیث نکلے جو کوفہ کے رہنے والے نہ تھے۔

مجلس میں جن بزرگوں سے مسائل فقہ و فتاویٰ منقول ہیں ان کی تعداد کچھ اوپر ایک سو تیس (۱۳) ہے ان میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں، فتوئے کے بارے میں بعض مجلس کثیر تھے بعض متوسط اور بعض مقل جو سب سے زیادہ کثیر الفتویٰ تھے وہ یہ حضرات ہیں، عمر بن الخطاب، علی مرتضیٰ، عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عباس، ام المؤمنین عائشہ صدیقہ، زید بن ثابت اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم ان جمیع، ان سات میں اہل اول الذکر چار بزرگ زیادہ ممتاز گزرے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب حجتہ اللہ الہیۃ میں فرماتے ہیں۔

أَوَّلُ كَامٍ هَذَا الْوَجْهَ عَمْرٍو عَلِيٌّ وَابْنُ مَسْعُودٍ وَابْنُ عَبَّاسٍ (۱۳)

مؤطا میں امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بہت کم روایات ہیں۔

اولی اللہ صاحب مصنفی شرح مؤطا کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

ولمّا مالک از حضرت مرتضیٰ و عبد اللہ بن عباس کم روایت کردہ است و ہارون رشید از سبب آن استغفار کرد فرمود لم یکونا بیلدی ولم ألقی رجالہما یعنی نہ بودند در شہر من و ملاقات نہ کردم بایاران ایشان۔ (۱۴)

امام مالک نے حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے کم روایتیں کی ہیں، ہارون رشید نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمانے لگے کہ لم یکونا بیلدی ولم ألقی رجالہما یعنی یہ دونوں بزرگ میرے شہر کے نہ تھے اور میری ان کے اصحاب سے ملاقات نہ ہو سکی۔

”حافظ عبد القادر قرشی نے الجواهر النضیۃ کے خاتمہ میں اور حافظ ابن القیم نے اعلام المؤمنین کے مقدمہ میں ان سب کو نام عام ذکر کیا ہے۔

”مجموعہ البانی ج: ۱ ص: ۱۳۲ طبع سنہ ۱۳۵۲ھ

”مصنفی ج: ۱ ص: ۱۳ طبع دہلی ۱۳۳۶ھ

خاکسار کہتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایتیں مؤطا میں دونوں حضرات کی روایات سے بھی کم ہیں۔ برخلاف اس کے کتاب الآثار میں جو مقدار میں حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایات ہیں اسی کے قریب قریب حضرت عمرؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایات بھی ہیں۔

امت مرحومہ کا سواد اعظم جس کی تعداد کا اندازہ نصف یا دو ٹکٹ اہل اسلام کیا گیا۔ بارہ سو سال سے فقہ میں جس مذہب کا چرچہ ہے وہ مذہب حنفی ہے اس مذہب کے مسائل فقہ کا معنی اسی کتاب الآثار کی احادیث و روایات ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب قرۃ العینین فی تضعیل الشیخین میں کتاب الآثار کو حنفیوں کی اہمات میں شمار کیا ہے (۱۵۰) اور تصریح کی ہے کہ:

مسند أبی حنیفہ و آثار محمد بنائے فقہ حنفیہ است۔ (۱۶۱)

فقہ حنفی کی بنیاد مسند أبی حنیفہ اور آثار امام محمدؒ ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہندوستان میں علم حدیث کا چرچا دوسرے ممالک کی بہ نسبت کم رہا ہے اس لئے یہاں کے بعض مصنفین کو یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ حدیث میں امام ابو حنیفہ کی کوئی کتاب موجود نہیں ہے چنانچہ طحاویون التوتنی ۱۳۰ھ نور الأنوار میں لکھتے ہیں:

”لم یجمع أبو حنیفہ کتاباً فی الحدیث“ (۱۶۲)

ابو حنیفہ نے حدیث میں کوئی کتاب تدوین نہیں فرمائی۔

^{۱۶۰} - ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص: ۱۸۵ طبع مجتبیٰ ۱۳۱۹ھ

^{۱۶۱} - ایضاً ص: ۱۸۱۔

^{۱۶۲} - نور الانوار طبع مکتبہ مدنی مکتبہ ص: ۱۶۰۔

اور شاہ ولی اللہ صاحب مصنفی شرح مؤطا کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں۔

واذا تممہ فقد امر دینک کتابے کہ خود ایساں تصنیف کردہ باشند بدست مردمان
نیست الا مؤطا۔

اور آج اگر فقہ کی کوئی کتاب کہ جس کو خود انہوں نے تصنیف کیا ہو سوائے
مؤطا کے لوگوں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب بھی بستان المحدثین میں اپنے والد ماجد کی پیروی میں یہی لکھتے
ہیں کہ :

باید دانست کہ از تصانیف ائمہ اربعہ و صحبہ اللہ بعد در علم حدیث غیر از مؤطا
موجود نیست (۶۸)

ترجمہ : جاننا چاہئے کہ ائمہ اربعہ کی تصانیف میں سے علم حدیث میں بجز مؤطا
کے اور کوئی تصنیف موجود نہیں ہے۔

مولانا شبلی نعمانی نے بھی اس بارے میں شاہ ولی اللہ صاحب علی کے فیصلے کو کافی سبھا
ہے وہ فرماتے ہیں :

"بے شبہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود
نہیں ہے۔" (۶۹)

اور ان کے جانشین مولانا سید سلیمان ندوی بھی یہی لکھ رہے ہیں
کہ :

"امام مالک کے سوا کسی امام مجتہد کے قلم سے علم حدیث کی کوئی تصنیف ظاہر
نہیں ہوئی۔" (۷۰)

۶۸۔ بستان المحدثین ص: ۲۸۲ طبع محمدی لاہور۔

۶۹۔ سیرۃ نعمان ص: ۱۱۹ طبع منبہ عام آگرہ ۱۸۸۲ء۔

۷۰۔ حیات امام مالک، ص: ۹۰ طبع معارف اعظم گڑھ، ۱۳۴۰ھ۔

طاجیون محدث نہ تھے اس لئے ان کا انکار محل تعجب نہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب کتاب الآثار سے بخوبی واقف ہیں انہوں نے شیخ حاج الدین قلعی حنفی مفتی مکہ مکرمہ سے اس کے اطراف کا سماع بھی کیا ہے چنانچہ انسان العین فی مشائخ الحرمین میں ان کے تذکرہ میں فرماتے ہیں:

”واطراف ... کتاب الآثار۔ امام محمد وموطا از دوسے سماع نمود۔“ (۴۱)۔

شاہ صاحب ممدوح کو یہ بھی معلوم ہے کہ امام محمد اس کتاب کو امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں چنانچہ مصنفی میں خود ان کے الفاظ ہیں:

”آماریکہ از امام ابو حنیفہ روایت کردہ است“ (۴۲)۔

مگر شاید وہ اس کو امام ابو حنیفہ کی بجائے امام محمد کی تصنیف سمجھتے ہیں۔ محدث ملا علی قاریؒ نے خود موطا امام محمد کے متعلق بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ امام محمد نے ان دونوں کتابوں کو ان کے مصنفین سے جس انداز پر روایت کیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے اس قسم کی غلط فہمی کا پیدا ہو جانا کچھ زیادہ محل تعجب نہیں۔ امام موسوف کا ان دونوں کتابوں میں طرز عمل یہ ہے کہ وہ ہر باب میں اولاً اس کتاب کی روایتیں نقل کرتے ہیں پھر بالاتزام ان روایات کے متعلق اپنا اور اپنے استاد امام ابو حنیفہ کا مذہب بیان کرتے ہیں اور اگر اصل کتاب کی کسی روایت پر ان کا عمل نہیں ہوتا تو اس کو نقل کرنے کے بعد اس پر عمل نہ کرنے کے وجوہ و دلائل با تفصیل لکھتے ہیں، اور اسی ذیل میں کتاب الآثار اور موطا دونوں کتابوں میں بہت سی حدیثیں اور آثار، امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے علاوہ دیگر شیوخ سے بھی منقول ہیں اس بنا پر باری انکسار میں یہ

۴۱۔ انسان المؤمن، ص: ۱۶، طبع امری دہلی۔

۴۲۔ مصنفی، ص: ۸۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں کتابیں خود امام محمد ہی کی تصنیف کردہ ہیں، (۷۳) حالانکہ ان میں ایسا نہیں بلکہ کتاب الآثار، امام ابو حنیفہ کی اور موطا امام مالک کی تصنیف ہے۔ امام محمد ان دونوں حضرات سے ان کے راوی ہیں لیکن چونکہ امام محمد نے ان کی روایت میں اسور مذکورہ بالا کا اہتمام رکھا ہے اس بناء پر ان کی افادیت بہت دور درجہ گئی اور ان کا تہ اول اس درجہ عام ہو گیا کہ بجائے اصل مصنف کے خود ان کی کتاب کا اتساب ہونے لگا اور کتاب الآثار امام محمد، اور موطا امام محمد جانے لگا اس لئے ان حضرات کو بھی یہ غلط فہمی ہو گئی جس کی اصل وجہ ان دونوں کی بقیہ نسخوں پر عدم اطلاع ہے۔

کتاب الآثار کے نسخے

موطا اور دیگر کتب حدیث کی طرح اس کتاب کے بھی متعدد نسخے ہیں جس کے راوی حسب ذیل حضرات ہیں۔

(۱) سابق بن عبد اللہ

یہی کو مختلف کنیتوں اور نسبتوں سے یاد کیا جاتا ہے، چنانچہ حافظ ابن عساکر فرماتے ہیں۔

سابق بن عبد اللہ أبو الجہار الرقی ويقال أبو أمية المعروف بالبربري الشاعر يكنى أبا عبد الله وأبا سعيد أيضاً امام مسجد الرقة وقاضی اهلها أحد الزهاد المشهورين۔ (۷۴)

۷۳۔ موطا ثعلبی نعمانی کتاب قحہر کے حقیق اور علی حدی نے موطا کے حقیق اس بارے میں جو کہ لکھا ہے اس کو کچھ کر آپ کو اس غلط فہمی کی وجہ خود معلوم ہو جائے گی، موطا ثعلبی لکھتے ہیں: خود ہی نے آجہ امام محمد کو بھی امام کی مسند میں داخل کیا ہے۔

۷۴۔ تاریخ دمشق ج: ۲ ص: ۶۔

سابق بن عبداللہ ابو بھار رقی اور آپ کو ابو امیہ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے اور بربری نسبت سے مشہور شاعر ہیں اور ان کو ابو عبداللہ اور ابو سعید کی کنیت سے بھی یاد کیا جاتا ہے رقی کی مسجد کے امام اور وہاں کے قاضی تھے مشہور و معروف زاہدوں میں سے ہیں۔

نیز حافظ ابن عساکر فرماتے ہیں کہ سابق ابن عبداللہ حضرت عمر بن عبدالعزیز خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے، اور امام لوزاعی کے شیخ بھی ہیں اختلاف نسبت کی پر بعض حضرات نے ان کو دو علیحدہ علیحدہ شخص سمجھا ہے، لیکن حافظ ابن عساکر رائے میں یہ ایک ہی شخص کی دو نسبتیں ہیں یہ بربری ہیں اور کتاب الآثار کے سب قدیم راویوں میں ہیں، چنانچہ حافظ ابن عساکر متوفی ۵۵۰ ھ تاریخ دمشق میں لکھتے ہیں۔

"وحدث عنه محمد بن يزيد بن سنان الرهاوي نسخة عن أبي حنيفة"۔ (۷۵)

اور بربری سے محمد بن زید ابن سنان امام ابو حنیفہؒ کی روایت احادیث کا ایک نسخہ روایت کرتے ہیں۔

اور اسی کتاب کے بارے میں ابن ہدی نے کتاب الکامل میں لکھا ہے۔

"الرقی أحاديثه مستقيمة عن مطرف وأبي حنيفة"۔

اور رقی کی وہ روایات جو وہ امام ابو حنیفہ اور مطرف سے نقل کرتے ہیں سب درست ہیں۔

سابق علیہ السلام صاحب کے مشہور شاگردوں میں جن حضرات نے حضرت امام اعظم سے ان کی تالیف کتاب الآثار کو روایت کیا ہے ان کی تفصیل فرور حسب ذیل ہے۔

(۲۰) امام زفر بن الہذیل

امام ابو حنیفہؒ سے کتاب کے روایت کرنے والوں میں امام زفر بن الہذیل بھی ہیں۔ ان کی وفات امام مالکؒ سے اکیس سال پہلے ۱۵۸ھ میں واقع ہوئی۔ امام زفر کے نسخے کا ذکر حافظ امیر بن ماکولا التونی ۳۷۵ھ نے الاکمال کے باب الجعینی جعینی میں کیا ہے، چنانچہ احمد بن بکر کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

أحمد بن بکر بن سيف أبو بكر الجعيني ثقة بميل ميل أهل
النظروى عن أبي وهب عن زفر بن الهذيل عن أبي حنيفة
كتاب الآثار.

احمد بن بکر بن سیف جعینی ثقہ ہیں الی نظر یعنی فقہاء حنفیہ کی طرف میلان رکھتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ سے کتاب الآثار کو بواسطہ امام زفر بن الہذیل ان کے شاگرد ابو وہب سے روایت کرتے ہیں۔

۱۰ حافظ عبدالقادر قرشی نے بھی الجواهر المضیة فی طبقات الحنفیة میں احمد بن احمد کو رے ترجمہ میں لکھی تحریر کیا ہے۔

امام زفر سے کتاب الآثار کی روایت ان کے تین شاگردوں نے کی ہے، جنہوں نے امام کا امام مودع سے علیحدہ علیحدہ سماع کیا تھا۔

۱۱ ایک لکھی ابو وہب محمد بن مزاحم مروزی۔

۱۲ دوسرے شداد بن حکیم لکھی جن کے نسخہ سے جامع مسانید امام الاعظمؒ فاروقی میں مسند ابن خسرو وغیرہ کے حوالہ سے بکثرت روایتیں منقول ہیں۔

۱۳ تیسرے حکم بن ایوب، پہلے دو نسخوں کا ذکر حاکم نیشاپوری نے بھی اپنی مشہور کتاب (معرفۃ علوم الحدیث) میں بایں الفاظ کیا ہے۔

نسخة زفر بن الهذیل الجعفی ضررد بها عنه شداد بن حکیم
البلخی. (۴۶)

زفر بن الہذیل جعفی کا ایک نسخہ ہے جس کو ان سے صرف شداد بن حکیم بلخی
روایت کرتے ہیں۔

اور حافظہ ابو یعلیٰ خللی قرطوبی نے اپنی کتاب الارشاد فی معرفة طباء الحدیث
جلد ۳، ص ۹۳۱ پر علامہ الخ کے ذکر میں شداد بن حکیم کے تذکرہ میں تصریح کی ہے۔

”روی نسخة من زفر بن الهذیل وهو صدوق غیر مخرج فی
الصحیحین۔“

کرائیوں نے حدیثوں کا ایک نسخہ امام زفر بن الہذیل سے روایت کیا ہے، اور وہ
سچے ہیں اور صحیحین میں ان سے کسی روایت کی تخریج نہیں کی گئی۔

”ونسخة أيضًا لزفر بن الهذیل الجعفی ضررد بها عنه أبو وهب محمد
ابن مزاحم المروزی۔“

اور زفر بن الہذیل کا ایک نسخہ ہے جس کو ان سے صرف ابو وہب محمد بن مزاحم
مروزی روایت کرتے ہیں۔

کتاب مذکور میں مطبوعہ نسخوں میں جعلی نسبت چھپ گیا ہے جو غلط ہے صحیح ترجمہ
ہے، محمد بن مزاحم کا نسخہ وہی کتاب الآثار ہے جس کا ذکر ابن ماکولہ نے جعیفی
حصیفی نسبت میں کیا تھا، اور جس سے ابو عبد اللہ الحسین بن محمد بن خسر و خللی نے اس
مسند میں بکثرت روایتیں کی ہیں۔

(۳) امام حماد بن ابی حنیفہ

اسی طرح کتاب الآثار کے راویوں میں امام حماد بن ابی حنیفہ بھی ہیں ان کے روایات
کردہ نسخہ کو جامع المسانید میں علامہ خود رزی نے مسند ابی حنیفہ کے نام سے ذکر

ہے امام حماد کی وفات بھی امام مالک سے ۹ سال پہلے سن ۷۰ھ میں واقع ہوئی اور حماد کی کتاب الآثار کا نسخہ حافظ ابن کثیر کے زیر نظر رہا ہے اور انہوں نے اپنی مشہور تفسیر میں زیر آیت:

فَاتُوا حَرْفَكُمْ أَنْتُمْ شَتَمَ (الآیۃ)

میں اس نسخہ سے حدیث ذیل نقل کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

”قلت: قد روى من طريق حماد بن أبي حنيفة عن أبيه عن خيثم عن يوسف بن ماهك عن حفصة أم المؤمنين أن امرأة أتتها فقالت إن زوجي يأبني بجمية مستبلة، فكرهته فبلغ ذلك رسول الله ﷺ فقال لا بأس إذا كان في صمام واحد.“ (۷۷)

ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک عورت نے آکر عرض کیا کہ میرا شوہر کبھی اوندھے منہ لٹا کر اور کبھی پت لٹا کر وطی کرتا ہے میں اس کو ناپسند کرتی ہوں پھر جب اس کی اطلاع حضور ﷺ کو ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا جب سوراخ ایک ہو تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام حماد کی یہ روایت امام محمد نے بھی اپنے نسخہ میں روایت کی ہے۔

(۳) امام ابو یوسف

ان کے نسخہ کا ذکر حافظ عبد القادر قرشی نے الجواهر المضیۃ میں کیا ہے، چنانچہ امام یوسف بن ابی یوسف کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

”روی کتاب الآثار، عن أبيه عن أبي حنيفة وهو جلد ضمن“۔

یہ اپنے والد کی سند سے امام ابو حنیفہ سے کتاب الآثار میں روایت کرتے ہیں جو ایک ضخیم جلد میں ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا ابو الوفاء قدہاری، صدر مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن کو کہ انہوں نے بڑی تلاش اور محنت سے اس نسخہ کو فراہم کر کے صحیح و تحشیہ کے اہتمام کے ساتھ نہایت عمدہ کاغذ پر سن ۱۳۵۵ھ میں اسے مصر سے طبع کرا کر شائع کیا۔

امام ابو یوسفؒ سے بھی کتاب الآثار کے اس نسخہ کو دو شخص روایت کرتے ہیں ایک ان کے صاحبزادے امام یوسف مذکور، اور دوسرے عمرو بن ابی عمرو، محدث خوارزمی نے عمرو کی روایت کو جامع مساند میں نسخہ ابی یوسف سے موسوم کیا ہے، خوارزمی نے جامع مساند کھریاب ثانی میں اس نسخہ کی اسناد بھی امام ابو یوسفؒ تک نقل کر دی ہیں۔

(۵) امام محمد بن حسن شیبانی

ان کا نسخہ کتاب الآثار کے سب نسخوں میں زیادہ مستند اول اور زیادہ مقبول ہے اسی کے متعلق حافظ ابن حجر مسقانی (تسجيل المنفعة بزوائد رجال الأربعة) کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

”والموجود من حديث أبي حنيفة مفرداً إنما هو كتاب الآثار التي رواه محمد بن الحسن عنه“۔

امام ابو حنیفہؒ کی حدیث میں مستقل طور پر جو کتاب موجود ہے وہ کتاب الآثار ہے جس کو امام محمد بن الحسنؒ نے ان سے روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر مسقانی اور حافظ قاسم بن قطلوبغا نے اس کے رجال پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں، حافظ ابن حجر کی کتاب کا نام الايضار بمعرفة رواة الآثار ہے یہ کتاب اب بارہا طبع ہو چکی ہے علامہ مرادی نے (مسلك الدور في أعيان القرن الثاني عشر) میں شیخ ابو الفضل نور الدین علی بن مراد موصلی عمری شافعی التونی ۱۱۳۷ھ کے ترجمہ میں ان کی شرح کتاب الآثار محمد کا ذکر کیا ہے، خود ہم نے بھی اس کے رجال پر مستقل کتاب لکھی ہے اور اس نسخہ کی احادیث کو مسانید صحابہ پر مرتب کیا ہے۔

اسلام محمد سے بھی اس نسخہ کو ان کے کئی شاگردوں نے روایت کیا ہے، مطبوعہ نسخہ امام
حفص کبیر اور امام ابو سلیمان جوز جانی کا روایت کردہ ہے، ان دو حضرات کے علاوہ
اسلام مردوح کے ایک اور شاگرد عمرو بن ابی عمرو بھی ان سے اس کتاب کو روایت کرتے
ہیں، اور خوارزمی نے جامع مسانید میں اس کو نسخہ، امام محمد سے موسوم کیا ہے، ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ اس نسخہ میں عمرو نے صرف حدیثیں ہی روایت کی ہیں اور قتادی
میں کو نقل نہیں کیا ہے، اور عجباً اسی لئے اس کو مستدلی ضیفہ کہا جاتا ہے۔

عمرو کے اسی نسخہ سے حافظ ابن سنی نے ^(۷۹) اپنی کتاب عمل الیوم واللیلۃ
باب ما یقول لمرضی اهل الکتاب میں روایت ذیل نقل کی ہے:

أخبرني أبو عروبة ثنا جدي عمرو بن أبي عمرو ثنا محمد بن
الحسن عن أبي حنيفة ثنا علقمة بن مرثد عن ابن مريدة عن أبيه
قال: كنا جلوساً عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال اذهبوا
إياها نعود جارتنا اليهودي، قال: فأبيناها فقال: كيف أنت يا فلان،
يا فلان ثم قال: يا فلان أشهد أن لا إله إلا الله وأني رسول الله،
فانظر الرجل إلى أبيه وهو عند رأسه فلم يكلمه فسكت فقال يا
فلان أشهد أن لا إله إلا الله وأني رسول الله فقال له أبوه: أشهد
له يا بني، فقال أشهد أن لا إله إلا الله وأنتك رسول الله فقال:-
الحمد لله الذي أعتق رقبة من النار: ^(۸۰)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضور ﷺ کی خدمت میں
ہلے ہوئے تھے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمیں اہل سے اس یہودی
یہودی کے پاس لے چلو تاکہ ہم اس کی عیادت کریں، پھر جب اس کے پاس گئے

ہم وہاں نہائی سے من کی سنن صفری کے بھی روای ہیں۔

عمل الیوم واللیلۃ: باب ما یقول لمرضی اهل الکتاب ص: ۵۰۳، ۵۰۵۔

تو حضور علیہ السلام نے اس کی مزاج پر کسی کی اور آپ نے اس سے فرمایا، میں تم کیسے ہو، اس کے بعد پھر ارشاد فرمایا کہ تم اس بات کی شہادت دو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، اور اس امر کی بھی شہادت دو کہ میں اللہ کا رسول ہوں، یہ سن کر اس لڑکے نے اپنے باپ کی طرف نظر اٹھائی جو اس کے سر ہانے کھڑا تھا لیکن باپ نے اس سے کچھ نہیں کہا، تو وہ لڑکا خاموش رہا، آپ ﷺ نے دوبارہ اسی بات کی شہادت کیلئے کہا، اس نے پھر باپ کی طرف دیکھا، اور باپ نے پھر اس کو کوئی جواب نہ دیا تو وہ لڑکا پھر خاموش ہو گیا اور آپ ﷺ نے پھر کلمہ شہادت کی تلقین فرمائی، تو اس مرتبہ اس کے باپ نے اس سے کہا بیٹے آپ کے سامنے شہادت دو، تو لڑکے نے کہنا شروع کیا کہ میں اس بات کی کوئی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور آپ ﷺ اس کے رسول ہیں یہ سن کر پھر آپ ﷺ نے فرمایا اس خدا کے لئے حمد ہے جس نے اس کی جان کو دوزخ سے نجات بخشی۔

بلکہ امام بخاری نے بھی باب یمن الرجل لصاحبه أنه أخوه إذا خاف عليه القتل أو نحوه میں امام بخاری کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے:

”إذا كان المستحلف ظالماً فنية الحالف وإن كان مظلوماً فنية المستحلف“۔

جب قسم دینے والا ظالم ہو تو قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے، اور اگر قسم دینے والا مظلوم ہے تو قسم دینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا۔

اس کی تخریج میں بخاری کے دونوں مشہور شارح، حافظ ابن حجر مصنف اور شیخ الاسلام بیہقی نے تحریر فرمایا ہے۔

”هذا وصله محمد بن الحسن في كتاب الآثار، عن أبي حنيفة عنه“۔

فتویٰ کو امام محمد بن الحسن نے کتاب الآثار میں امام ابو حنیفہؒ سے نقل کیا ہے اور امام نسائی نے اپنی کتاب السنن الکبریٰ میں امام اعظمؒ سے روایت ذیل نقل کی ہے

”قال أخبرني علي بن حجر قال أنا عيسى بن يونس عن النعمان يعني ابن ثابت أبي حنيفة عن عاصم وهو ابن عمر عن أبي رزق عن عبد الله بن عباس رضي الله عنه قال ليس علي من أتي بهيمة حدث. قال أبو عبد الرحمن هذا غير صحيح وعاصم بن عمر ضعيف في الحديث.“ (۸۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص چار پائے سے بے نقل کرے اس پر حد نہیں (بلکہ اس کو توبہ دی جائے گی) امام نسائی فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اور عاصم بن عمر حدیث میں ضعیف ہے۔
یہ روایت میں چند امور غور طلب ہیں:

۱۔ یہ کہ امام نسائی نے اس روایت کو غیر صحیح کہا ہے، اور عدم صحت کا سبب عاصم بن عمر کو قرار دیا ہے، اگر امام ابو حنیفہؒ امام نسائی کے نزدیک ضعیف ہوتے تو پہلے امام ابو حنیفہؒ کے ضعف کو بیان کرنا چاہئے تھا، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ ضعف کی علت عاصم بن عمر کو بتایا، اس سے معلوم ہوا کہ امام نسائی سے جو امام ابو حنیفہؒ کی ضعیف روایت ہے اس سے امام نسائی نے رجوع کر لیا تھا۔

۲۔ امام نسائی نے امام صاحب کا شیخ عاصم بن عمر کو قرار دیا ہے کتب حدیث اور رجال میں مراجعت کرنے کے بعد صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے شیخ عاصم بن عمر محمود ہیں عاصم بن عمر نہیں، چنانچہ امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں عاصم بن ابی التیموذی کو امام صاحب کا شیخ قرار دیا ہے۔ اور خطابی نے معالم السنن میں عاصم بن ابی التیموذی

کی تصحیح کی ہے^(۸۲) اور تصحیحی نے اس سلسلہ میں جو روایت ابو الاخوص اور ابو عون سے نقل کی ہے اس میں عاصم بن ہمدان مذکور ہے، اور ہمدان عاصم بن ابی النہود کے باپ یا والدہ کا نام ہے نیز کتب رجال میں ابو رزین کے شاگردوں میں عاصم ابی النہود ہی کا ذکر ہے، نسائی نے راوی عاصم بن مرثیل کرتے ہوئے حدیث کی تصحیف کی ہے مگر ترمذی اور ابو داؤد دونوں نے عاصم بن مرثیل کی روایت کو عمرو بن ابی عمرو کی روایت کے مقابلے میں جو عاصم کی روایت کے معارضی ہے اصح کہا ہے، ظاہر ہے کہ اگر اس کے راوی عاصم بن عمرو ہوتے تو یہ دونوں حضرات عاصم کی روایت کو اصح نہ کہتے۔

(۶) امام حسن بن زیاد لؤلؤی

آپ کے نسخہ کتاب الآثار کا ذکر دارقطنی نے اپنی کتاب المخطف والمؤلف^(۸۳) میں ان الفاظ سے کیا ہے۔ محمد بن ابراہیم بن حبیش البغوی حدیث عن محمد بن شجاع الطنجی عن الحسن بن زیاد عن ابی حنیفہ بکتاب الآثار^(۸۴) امام

^{۸۲}۔ کتاب مذکور۔ ج: ۲، ص: ۶۸۹۔

^{۸۳}۔ ص: ۲۷۳۔ ۲۷۶۔

^{۸۴}۔ حافظ ابن حجر نے لسان المیزان، ج: ۱، ص: ۱۳۲ میں محمد بن ابراہیم حبیش کے تذکرہ میں یہ لکھا ہے۔ محمد بن ابراہیم بن الحسن البغوی روئے عن محمد بن یحییٰ البلیس عن الحسن بن زیاد اللؤلؤی عن محمد بن الحسن بن ابی حنیفہ اس مہلت میں محمد بن ابراہیم بن حبیش البغوی کے بجائے محمد بن ابراہیم بن الحسن البغوی ہے اور محمد بن شجاع بنی کے بجائے محمد بن یحییٰ بن شجاع بنی ہے، اور امام ابو حنیفہ اور حسن بن زیاد کے درمیان، محمد بن ابی حنیفہ کا اضافہ ہے نیز یہ کہ لسان المیزان میں محمد بن ابراہیم بن حسن بنغوی کا دو جگہ ترجمہ ذکر کیا گیا ہے۔ ایک اسی جگہ ص: ۱۳۱ اور دوسرا ص: ۲۵ میں، وہیں محمد بن ابراہیم بن حبیش بنغوی صحیح لکھا گیا ہے۔ اور محمد بن شجاع بنی کے بجائے محمد بن شجاع بنی لکھا ہے، اور محمد بن ابراہیم بن حبیش کی تصحیح وقات ابن حنیفہ سے ۳۵۸۔ نقل کی ہے مگر یہاں ص: ۲۵ میں کتاب الآثار کا ذکر نہیں ہے معلوم ہوتا ہے حافظ صاحب نے غلطی کا ذکر

حاکم نے بھی اپنی کتاب المستدرک علی الصحیحین میں امام حسن بن زیاد کے اس نسخے سے حدیث ذیل نقل کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔

أخبرني أبو عبد الله محمد بن أحمد بن موسى القاضي ابن القاضي حدثني أبي ثناء، محمد بن شعاع ثنا الحسن بن زياد عن أبي حنيفة عن يزيد بن خالد عن انس قال قال كافي أنظر إلى حبة أبي لحافة، كأنه ضرام عرج من شدة حره فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لأبي بكر لو أقررت الشيخ في بيته لأبغته تركة لأبي بكر. (۸۳)

حضرت انس سے روایت ہے فرماتے ہیں گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ حضرت ابو قحافہ کی ڈالھی عرج (ایک قسم کا درخت یا گھاس ہے) کی بڑھکتی ہوئی تیلیاں ہیں سرخی کی زیادتی کی وجہ سے، حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر سے ارشاد فرمایا کہ اگر آپ اپنے والد کو گھری میں رہنے دیتے تو آپ کے اکرام کے سبب ہم خود ان کے پاس جاتے۔

کتاب الآثار کے تمام نسخوں میں یہ نسخہ سب سے بڑا معلوم ہوتا ہے کیونکہ امام حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہؒ کی احادیث مرویہ کی تعداد چار ہزار بیان کی ہے، چنانچہ امام حنفیہ ابو یوسفؒ نے زکریا بن یحییٰ بن عیسیٰ پوری اپنی اسناد کے ساتھ امام لوگوں کی سے نقل ہیں کہ:

كان أبو حنيفة يروي أربعة آلاف حديث ألفين لحاد وألفين لائر المشيخة. (۸۵)

مختبر ہو گیا اور ایک ہی شخص کو دو جگہ ذکر کیا، اصل عبارت وہی ہے جو دار قطنی کی کتاب الموطأ والمختلف میں مذکور ہے جو صحیح کے اہتمام کے ساتھ ہجرت سے شائع ہوئی ہے۔

—ج: ۳، ص: ۲۳۵

—مناقب الامام الاعظم در صدر الانبياء: ص: ۹۶۔

امام ابو حنیفہ چار ہزار احادیث روایت فرماتے تھے دو ہزار حماد سے اور دو ہزار باقی مشائخ سے۔

اس بناء پر قرن قیاس یہی ہے کہ امام لوگوں نے امام اعظمؒ سے سب حدیثیں لیں ہوں گی اور ان کو اپنے نسخہ میں روایت کیا ہوگا، محدث علی بن عبدالحسن دوالہبی ضبا نے اپنے ثبت میں اس نسخہ سے ساتھ حدیثیں نقل کی ہیں جن کو محدث کوثری نے الإمتاع بسيرة الإمامین الحسن بن زیاد وصاحبه محمد بن شعاع میں نقل کر دیا ہے۔

محدث خوارزمی نے جامع مسانید میں اس نسخہ کو مسند ابی حنیفہ الحسن بن زیاد سے موسوم کیا ہے اور کتاب مذکور کے باب ثانی میں اس نسخہ کی اسناد بھی امام لوگوں کی بحث نقل کر دی ہے، خوارزمی کی طرح دیگر محدثین بھی اس کو مسند ابی حنیفہ کے نام سے روایت کرتے ہیں، خود حافظ ابن حجر عسقلانی کی مرویات میں بھی یہ نسخہ موجود تھا، اس نسخہ کی اسانید و احادیث کو محدث علی بن عبدالحسن الدوالہبی حنبلی نے اپنے ثبت میں اور حافظ ابن طولون نے القهرست الأوسط میں اور حافظ محمد بن یوسف دمشقی مصنف سيرة شامیہ نے عقود الجمان میں اور محدث ابوب خلوتی نے اپنے ثبت میں اور خاتمة الحفاظ علامہ عابد سندى نے حصر الشارح فی أسانید الشیخ محمد عابد میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور علامہ محدث عمر زابہ کوثری نے ان سب کو الإمتاع میں جمع کر دیا ہے۔ جو ۱۳۶۸ھ میں مصر سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے حافظ ابن العیم کی أعلام الموقعین کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نسخہ ان کے بھی پیش نظر تھا، چنانچہ انہوں نے اس نسخہ سے حسب ذیل حدیث نقل کر دی ہے۔

قال الحسن بن زیاد اللؤلؤی ثنا أبو حنیفة قال کنا عند محارب بن دثارو کان متکئاً فاستوی جالساً ثم قال سمعت ابن عمر یقول

سمعت رسول اللہ ﷺ يقول ليأتين على الناس يوم تشيب فيه
الولدان وتضع الحوامل ما في بطونها، الحديث۔^(۸۶)
اسام ابو حنیفہ کا بیان ہے، کہ ہم محارب بن دثار کے پاس بیٹھے ہوئے تھے،
محارب کہہ لگائے ہوئے تھے تو سنبھل کر بیٹھ گئے، اور کہنے لگے میں نے
حضرت ابن عمر سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا،
لوگوں پر ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ جس میں (سارے دہشت کے) بچے
بوڑھے ہو جائیں گے، اور حاملہ عورتیں اپنا حمل گرا دیں گی۔

ان حضرات کے علاوہ اور بھی بہت سے ائمہ نے اسام اعظم سے کتاب الآثار کو روایت کیا
ہے۔^(۸۷) جن میں سے محدث محمد بن خالد وہابی کے نسخوں سے جامع مسند میں
بھی حدیثیں منقول ہیں۔ خواریزی نے ان دونوں نسخوں کا ذکر مسند ابی حنیفہ کے
نام سے کیا ہے اور کتاب مذکور کے باب ثانی میں اپنی اسناد بھی ان دونوں حضرات تک
نقل کر دی ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ خواریزی نے چونکہ ان نسخوں کو مسند کہا ہے اس لئے بعد کے اکثر
مفسرین بھی ان کو مسند ہی کے نام سے ذکر کرنے لگے۔ حقدین میں دستور تھا کہ وہ
ایک کتاب کو متعدد ناموں سے موسوم کرتے تھے مثلاً داری کی تصنیف کو مسند
دارمی بھی کہتے ہیں اور سنن دارمی بھی، یا ترمذی کی کتاب سنن بھی کہلاتی ہے اور
جامع بھی، اسی طرح کتاب الآثار کے ان نسخوں کو کبھی علماء نے مسند کے نام سے
ذکر کیا ہے اور کبھی سنن کے نام سے اور کبھی کتاب الآثار کے نام سے اور کبھی صرف

^{۸۶}۔ اعلام المؤمنین ج: ۱ ص: ۳۳ طبع اشرف المطابع دہلی ۱۳۱۳ھ

^{۸۷}۔ مشہور قادی اور سید قرأت میں سے ایک قرأت کے راوی اسام حمزہ بن حبیب الزیات
۱۵۸ھ اور محدث محمد بن مسروق کندی ۱۸۳ھ نے بھی کتاب الآثار کے نسخے مرتب کئے ہیں جن
نسخوں کی احادیث مسند اسام ابو حنیفہ میں یکجہرت موجود ہیں۔ (ابن نعمانی)

نفسی نکھدیا ہے لیکن اس مجموعہ کا اصل نام کتاب الآثار ہی ہے چنانچہ ملک العلماء امام علاء الدین کاشانی نے بھی بدائع الصنائع میں اس کتاب کا ذکر آثار ابی حنیفہ ہی کے نام سے کیا ہے۔^{۸۸}

موطا امام مالک:

کتاب الآثار کے بعد حدیث کا دوسرا صحیح مجموعہ^{۸۹} جو اس وقت امت کے ہاتھوں میں موجود ہے وہ امام دارالہجرۃ مالک بن انس کی مشہور تصنیف موطا ہے۔ جو اہل مدینہ کی روایات و فتاویٰ کا بہترین انتخاب ہے سابق میں گزر چکا ہے کہ امام مالک نے اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں امام ابو حنیفہ کا تتبع کیا ہے چنانچہ کتاب الآثار کی طرح

^{۸۸}۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج: ۱ ص: ۲۸ طبع مصر۔

^{۸۹}۔ اور حیات امام مالک میں جو یہ مرقوم ہے کہ ”موطا کو ب سے بڑا شرف یہ حاصل ہے کہ اسلام کی پہلی کتاب ہے کشف الظنون میں ہے کہ اول کتاب وضع فی الاسلام موطا مالک بن انس (سب سے پہلی کتاب جو اسلام میں لکھی گئی وہ موطا ہے) قاضی ابوبکر بن عربی اشترک ۷۳۵ھ موطا کی شرح میں لکھتے ہیں هذا اول کتاب الف فی شریع الاسلام (یہ پہلی کتاب ہے جو شریعت اسلام میں لکھی گئی ہے) حضرت سفیان کہتے ہیں اول من صنف الصحیح موطا والفضل المستند (سب سے پہلے مالک نے صحیح تصنیف کی) ص: ۹۳ طبع حارف، احکم کرد ۱۳۴۰ھ۔ سوادہی طور پر صحیح نہیں، کشف الظنون کی مذکورہ مہارت باوجود تلاش کے ہمیں نہ مل سکی، حضرت سفیان سے جو نقل کیا گیا ہے وہ بلاحوالہ ہے یہ اقل سفیان کے نہیں موطائی کے ہیں۔ قاضی ابوبکر بن العربی کی تصریح البتہ کشف الظنون میں موجود ہے اور غالباً وہیں سے اس کو نقل کیا گیا ہے لیکن قاضی صاحب نے اس بارے میں جو کہ لکھا ہے وہ اپنی مطلوبت کے اعتبار سے لکھا ہے کیونکہ وہی کو کتاب الآثار کا علم نہ تھا اور یہ کچھ کل قہر نہیں بہت سی مشہور کتابیں ہیں جن کے متعلق بعض اور اہل علم کو سرے سے اطلاع نہ ہو سکی۔ حافظ ابوسعید عطاء کا خیال ہے کہ حافظ ابو علی نیشاپوری جو طے حدیث کے مشہور امام خیال کئے جاتے ہیں۔ صحیح بخاری سے واقف نہ تھے اسی طرح علامہ ابن حزم کو جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ سے واقفیت نہ تھی۔

مؤطا میں بھی احادیث صحیحہ کو منبائے اول اور آثار صحابہ و تابعین کو منبائے ثانی قرار دیا گیا ہے، شاد ولی اللہ صاحب مصنفی شرح مؤطا میں فرماتے ہیں۔

باید دانست کہ استدلال بحديث آنحضرت ﷺ چہ سند و چہ مرسل و موقوف حضرت عمر و عمل عبداللہ بن عمر و اخذ بقنادی صحابہ و تابعین مدینہ خصوصاً کہ جمع شدہ باشند اصل مذهب مالک است۔^(۳۰)

جانتا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کی حدیث سے خولہ وہ سند ہو یا مرسل نیز حضرت عمرؓ کے اثر اور عبداللہ بن عمرؓ کے عمل سے استدلال کرنا اور صحابہ اور تابعین مدینہ کے قنادی سے اخذ کرنا خصوصاً جبکہ ان تابعین کی ایک جماعت کسی مسئلہ پر متفق ہو، امام مالک کے مذهب کا اصول ہے۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی، مقدمہ فتح الباری میں لکھتے ہیں۔

لفصنف الإمام مالك المؤطا وتونحن فيه القوي من حديث أهل الحجاز ومنزجه بأقوال الصحابة وقنادي التابعين ومن بعدهم.^(۳۱)
پھر امام مالک نے مؤطا تصنیف کی اور حدیث اہل قناد میں سے قوی روایت کو تلاش کر کے اس کے ساتھ صحابہ کے اقوال اور تابعین و علماء مابعد کے قنادے کو بھی درج کیا۔

مؤطا کو امت میں جو قبول عام حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ حافظ ذہبی نے بالکل صحیح کہا ہے کہ :

إن للمؤطا لوقعا في النفوس وهابة في القلوب لا يوازيها شيء.^(۳۲)

^{۳۰}۔ مسنی ج: ۱ ص: ۱۷۱

^{۳۱}۔ حدی الباری مفتی الباری ج: ۱، ص: ۳ طبع میریہ ۱۳۰۰ھ۔

^{۳۲}۔ مقدمہ التلخیص المسجد علی مؤطا الامام محمد بن اسماعیل البیہقی۔

بلاشبہ موطا کی دلوں میں جو وقعت اور قلوب میں جو ہیبت ہے اس کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کر سکتی۔

حافظ ابن حبان، کتاب الثقات میں لکھتے ہیں:

كان مالك أول من احتج الرجال من الفقهاء بالمدينة وأعرض
عن ليس بشيء في الحديث ولم يكن يروى إلا ما صح ولا يحدث
إلا عن ثقة.^(۳۲)

امام مالک فقہامدینہ میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے روات کے بارے میں تحقیق سے کام لیا اور جو شخص حدیث میں ثقہ نہ تھا اس سے اعراض فرمایا وہ صحیح روایات کے علاوہ نہ کوئی اور چیز روایت کرتے اور نہ کسی غیر ثقہ سے حدیث بیان کرتے تھے۔

محدثین کو موطا کی صحت کا اس درجہ یقین ہے کہ امام ابو زرعہ رازی فرماتے ہیں:

لو حلف رجل بالطلاق على أحاديث مالك في الموطأ على أنها
صحيح لم يثبت.^(۳۳)

اگر کوئی شخص اس بات پر طلاق کا حلف اٹھائے کہ موطا میں امام مالک کی جو حدیثیں ہیں وہ صحیح ہیں تو وہ حائث نہیں ہوگا۔

نواب صدیق حسن خاں، إتحاف النبلاء المضيق بأحباء مائت الفقهاء الحدیث میں ابو زرعہ کے اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

”وایں وثوق و اعتماد رتب دیگر نیست“۔^(۳۴) اور امام شافعی فرماتے ہیں:

^{۳۲}۔ تہذیب التہذیب ترجمہ امام مالک۔

^{۳۳}۔ تعین المسالك بمناقب الإمام مالك از سمیع علی، ص: ۴۴، طبع خیر، مصر ۱۳۲۵

^{۳۴}۔ إتحاف النبلاء، ص: ۱۶۵، طبع کھای کا پور ۱۳۸۸ء۔

۱۰ ماعلیٰ ظهر الأرض کتاب بعد کتاب اللہ أصح من کتاب مالک. (۱۱)

روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد مالک کی کتاب سے صحیح تر کوئی کتاب نہیں۔

اگرچہ خود علامہ شوافع ہی میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ:

إنما قال ذلك قبل وجود کتابی البخاری ومسلم (۱۲)

اسام موصوف کا یہ فرمانا اسام بخاری اور اسام مسلم کی کتابوں کے عالم وجود میں آنے سے پہلے تھا۔

لہذا اب صحیحین کے علاوہ اور کسی کتاب کے متعلق اس قسم کا دعویٰ کرنا صحیح نہیں (۱۳) اور صحیحین میں بھی ان لوگوں کے خیال میں اصمیت کے اعتبار سے صحیح بخاری کا یہ مقام ہے وہ صحیح مسلم کا نہیں ہے ان لوگوں کے شبہ کا اصل فٹا یہ ہے کہ مؤطا میں مرسل، منقطع اور بلاغات ہیں جو صحیح کے لئے قاصر ہیں لیکن حافظ منطانی لکھتے ہیں کہ:

۱۰ لا فرق بین المؤطا والبخاری فی ذلك لوجوده أيضا فی البخاری من التعلیق ولحقها. (۱۴)

۱۱۔ تریخ المالک، ص: ۴۳۔

۱۲۔ مقدمہ ابن صلاح طبع ۱۳۵۰ھ۔

۱۳۔ اس میں شک نہیں اسام شافعی کا یہ قول صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے وجود سے پیشتر تھا لیکن حافظ ابو زرعہ تو اسام بخاری اور اسام مسلم کے ہم زبان ہیں اور ان دونوں کی کتابوں سے بخوبی واقف ہیں تاہم ان کو مؤطا کی احادیث کی صحت پر اس شدت سے اصرار ہے جو ابھی آپ کی نظر سے گزرا۔ حالانکہ صحیح مسلم کے بہت سے روایات اور روایات پر ان کی کڑی تنقید جو بخاری اور مسلم کی کتابوں میں ملے گا وہ ہے۔ یہ تنقید اس درجہ وزنی تھی کہ خود اسام مسلم کو بھی اس کے متعلق معذرت ہی سے کام لےنا پڑا تھا۔

۱۴۔ تریخ المالک، ص: ۷۷۔

اس بارے میں مؤطا اور بخاری میں کوئی فرق نہیں کیونکہ یہ چیزیں تو بخاری میں بھی ہیں چنانچہ اس میں بھی تعلیقات اور اسی قسم کی چیزیں موجود ہیں۔ حافظ ابن حجر مستطانی، إمام موطائی کے اس اعتراض کا یہ جواب دیتے ہیں کہ:

والفرق بین ما فیہ من المنقطع وبين ما فی البخاری أن الذی فی الموطأ هو كذلك مسموع لما لك غالباً وهو حجة عنده والذی فی البخاری قد حذف إسناده عمداً لأغراض قررت فی التعالین۔
(۳۰)

موطا اور بخاری دونوں کی منقطع روایات میں فرق یہ ہے کہ موطا میں اس قسم کی جو روایتیں ہیں ان میں سے اکثر کا سلسلہ امام مالک نے اسی طرح (بصورت انقطاع ہی) کیا ہے اور وہ ان کے نزدیک حجت ہے لیکن بخاری میں اس قسم کی جو روایتیں ہیں ان کی اسناد ان وجوہ کی بنا پر جن کی تعلیقات کے سلسلہ میں تشریح کی گئی مودعہ کی گئی ہیں (۳۱)۔

اس پر محدث علامہ صالح لکائی نے ألفتہ سیوطی کے حواشی پر لکھا ہے کہ:

وفيما قاله الحافظ من الفرق بين بلاغات الموطأ ومطقات البخاری نظر فلو أمعن النظر في الموطأ كما أمعن النظر في البخاری لعله أنه لا فرق بينهما وما ذكره من أن مالكا سمعها كذلك فغير

۳۰۔ ترمذی، المعجم، ص: ۷۳۔

۳۱۔ لیکن یہ فری احتمال آکر رہی ہے اور معترض کو گنجائش ہے وہ بھی بات خود تعلیقات بخاری سے متعلق بھی کہہ سکتے ہیں کہ موطا کی منقطع روایتیں تو مستطانیات ہیں مگر تعلیقات بخاری میں بہت سی ایسی روایات موجود ہیں کہ جن کی اسانید پر خود حافظ صاحب کو بھی اطلاع نہ ہو سکی۔

مسلم لانہ بذکر بلاغاً فی روایۃ یحیی مثلاً أو مرسلًا فیروہ غیرہ
عن مالک موصولاً مسنداً۔ (۴۴)

حافظ ابن حجر نے بلاغات موطا اور تعلیقات بخاری میں جو فرق بیان کیا ہے وہ
عمل نظر ہے اگر حافظ صاحب موطا کا بھی اسی طرح گہری نظر سے مطالعہ کرتے
جس طرح کہ انہوں نے صحیح بخاری کا کیا ہے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ واقعی ان
دونوں کتابوں میں کچھ فرق نہیں ہے اور یہ جو وہ فرماتے ہیں کہ امام مالک نے
ان روایات کا اسی شکل میں سماع کیا ہے سو مسلم نہیں کیونکہ موطا کی ایک
حدیث مثلاً یحییٰ کی روایت میں اگر بلاغاً یا مرسلًا مذکور ہوتی ہے تو دوسرے
لوگ اسی حدیث کو امام مالک سے موصولاً و مسنداً بھی روایت کرتے ہیں۔

ح الباری کے مقدمہ میں حافظ ابن حجر نے اسی سلسلہ میں حسب ذیل تقریر کی

بعض ائمہ نے امام مالک کی کتاب سے امام بخاری کی کتاب کے اصح بتانے کو
مطلک قرار دیا ہے کیونکہ صحت کو مشروط رکھنے اور انتہائی احتیاط اور وثوق سے
عمل لینے میں دونوں شریک ہیں۔ رع یہ بات کہ صحیح بخاری میں حدیثیں
زیادہ ہیں سو یہ چیز صحت کی افضلیت کو مستلزم نہیں۔

اور اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ بخاری کی اصحیت دراصل اشتراط صحت ہی کی
ہمارے ہے۔ امام مالک چونکہ انقطاع اسناد کو قاعدہ صحت نہیں خیال کرتے اس
لئے وہ مراسل، مقطعات اور بلاغات کی تخریج اصل موضوع کتاب میں
کرتے ہیں اور امام بخاری انقطاع کو علت قاعدہ سمجھتے ہیں لہذا وہ ایسی روایات

میں یہ زنی اشکال آکر رہی ہے اور مسترحی کو متنبہ ہے وہ بھی بات خود تعلیقات بخاری کے
عمل بھی کہے کہ موطا کی مختلف روایتیں تو مستند ثابت ہیں مگر تعلیقات بخاری میں بہت سی
روایات موجود ہیں کہ جن کی مسانید پر خود حافظ صاحب کو بھی اطلاع نہ ہو سکی۔

کو اصل موضوع کتاب کی بجائے اور سلسلہ میں لاتے ہیں جیسے کہ تعلیقات و تراجم ہیں، اور اس میں شک نہیں کہ منقطع روایات اگرچہ ایک قوم کے نزدیک قابل احتجاج ہے مگر پھر بھی اس کی یہ نسبت متصل روایت جبکہ دونوں کے روایات عدالت اور حفظ میں مشترک ہوں زیادہ قوی ہے۔

پس اس سے بخاری کی کتاب کی فضیلت عیاں ہوئی۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ امام شافعی نے جو مؤطا کو صحت میں افضل بتایا ہے وہ ان مجموعوں کے لحاظ سے تھا کہ جو ان کے زمانے میں موجود تھے جیسے کہ جامع سفیان ثوری اور مصنف حجاج بن سلیمہ وغیرہ اور ان مجموعوں پر مؤطا کی تفصیل بلا کسی نزاع کے مسلم ہے۔^(۳۳)

لیکن حافظ صاحب کی یہ تقریر اگر ان دونوں کتابوں کے محض عامی قابل کے اعتبار سے ہے تو بیگ نہج ہے ورنہ حقیقت کی رو سے مؤطا کے تمام مراسیل، مقطعات اور بلاغات متصل، مرفوع اور مسند ہیں۔ چنانچہ علامہ صالح کلابی لکھتے ہیں کہ:

إن ابن عبد البر ذكر جميع بلاغاته ومراسيله ومنقطعاته كلها موصولة بطرق صحاح إلا أربعة وقد وصل ابن الصلاح الأربعة بتأليف مستقل وهو عندى وعليه خطه فظهر بهذا أنه لا فرق بين المؤطا والبخارى.^(۳۴)

ابن عبدالبر نے بجز چار روایتوں کے مؤطا کے تمام بلاغات مراسیل اور مقطعات کو باسانید صحیحہ موصوفاً ذکر کیا ہے اور ان چار کے اتصال پر بھی ابن الصلاح نے ایک مستقل تالیف کی ہے جو میرے پاس موجود ہے اور اس پر خود ان

^{۳۳}۔ بحی البدی مقدمہ فتح البدری، ج: ۱، ص: ۸۔

^{۳۴}۔ المرید المستقر، ص: ۵۔

کے حکم کی تحریر بھی ہے لہذا اس سے ظاہر ہو گیا کہ مؤطا اور بخاری میں کچھ فرق نہیں ہے۔

لیکن صرف اتنا ہی نہیں کہ صحت کے لحاظ سے ان دونوں کتابوں میں کچھ فرق نہیں بلکہ اصل وجہ سے مؤطا کو صحیحین پر ترجیح ہے۔

۲۔ مؤطا کی تصنیف کے وقت کبار تبع تابعین کا ایک گروہ کثیر موجود تھا، صحیحین کو یہ فہرہ حاصل نہیں۔

۳۔ سابق میں گزر چکا کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک راوی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جس روایت کو بیان کرے اس کا حافظ بھی ہو لیکن امام بخاری و مسلم نزدیک یہ چیز شرط نہیں۔

۴۔ امام مالک کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ کسی بدعتی سے خواہ وہ کیسا ہی پابدار اور باشباز ہو حدیث کی روایت کے رد اور نہیں، برخلاف اس کے صحیحین میں مبتدعین کی بیایات (بشرطیکہ وہ حقہ اور صادق اللہجہ ہوں) بکثرت موجود ہیں۔ محدث حاکم رحمہ اللہ، المدخل فی أصول الحديث میں لکھتے ہیں:

”مجتمع مختلف فیہ کی پانچویں قسم مبتدع اور اصحاب الأهواء کی روایات ہیں جو اکثر محدثین کے نزدیک مقبول ہیں جبکہ یہ لوگ سچے اور راستباز ہوں چنانچہ محمد بن اسماعیل بخاری نے جامع صحیح میں عباد بن یعقوب رواحتی سے حدیث بیان کی ہے اور ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ کہتے تھے۔

حدثنا الصدوق فی روايته المتهم فی دینہ عباد بن یعقوب۔
ہم سے عباد بن یعقوب نے حدیث بیان کی جو اپنی روایات میں سچا اور دین میں مستم تھا۔

اسی طرح بخاری نے صحیح میں محمد بن زیاد البہانی، حرز بن عثمان رجبی سے احتجاج کیا ہے حالانکہ ان کے متعلق نسب کی شہرت تھی، نیز بخاری اور مسلم

دونوں ابو معاویہ محمد بن خالد اور عبید اللہ بن موسیٰ سے احتجاج پر متعلق ہیں حالانکہ یہ دونوں غالی مشہور تھے۔

لیکن مالک بن انس یہ کہتے تھے کہ اس بدعتی سے حدیث نہیں لی جائے گی جو لوگوں کو اپنی بدعت کی طرف دعوت دیتا ہو اور نہ اس شخص سے جو لوگوں سے گفتگو میں دروغ بیانی سے کام لے اگرچہ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا قلم پر دروغ بیانی کا الزام نہ ہو۔^(۱۰۵)

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی موطا کو حدیث کی تمام کتابوں میں مقدم اور افضل سمجھتے ہیں انہوں نے اپنی مشہور کتاب مصنفی شرح موطا کے مقدمہ میں اس کی ترجیح کے دلائل اور وجوہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے لیکن اس سلسلہ میں محض تحقیر و عن کی بنا پر شاہ صاحب کے قلم سے بعض باتیں ایسی بھی نکل گئی ہیں کہ جو خلاف واقع ہیں۔^(۱۰۶)

^{۱۰۵}۔ المدخل، ص: ۱۶، طبع حلب، ۱۳۵۱ھ۔

^{۱۰۶}۔ مثلاً فضل مصنف کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: بآید دولت کہ امروز در دست مردمان بچ کتابے نیست کہ مصنف آن ترجیح تا ہمین باشد غیر موطا (ص: ۳) جانا چاہئے کہ آج لوگوں کے ہاتھ میں بجز موطا کے کوئی کتاب ایسی نہیں کہ جس کا مصنف صحیح تا ہمین میں سے ہو۔ حالانکہ امام ابو یوسف اور امام محمد دونوں صحیح تا ہمین میں سے ہیں۔ اور دونوں کی حدیث و فقہ میں متعدد تصانیف آج بھی لوگوں کے ہاتھ میں موجود ہیں اور بعض اہل میں سے طبع ہو کر شائع بھی ہو چکی ہیں۔

اسی طرح اگر ابو یوسف کا مرقنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بالجملہ ایں چند کتابیں اندک عالم را علم ایچیں معلوم کردہ است امام ابو حنیفہ و امام مالک و امام شافعی و امام احمد ایں دو امام متاخر شاگرد امام مالک بودند و مستندین در علم امام ابو حنیفہ صحیح تا ہمین نبودند مگر ابو حنیفہ و امام مالک آن یکتا فقیھے است کہ روایں محدثین احمد و بخاری و مسلم و ترمذی و ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ و دارمی یکتا حدیث کردہ سے در کتاب ہائے خود روایت مکررہ اند و رسم روایت حدیث

اور بطریق ثلث جہدی سندوں میں دیگر ضعیفے است کہ اہل نقل اتفاق و ائمہ بر آنکہ چون حدیث بروایت او ثابت شود اعلیٰ صحت رسید۔ (مس: ۶)۔

فرض یہ کل چار امام ہیں کہ جن کے علم نے دنیا کا احاطہ کر رکھا ہے، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد یہ سو فی المذکرہ دونوں امام، امام مالک کے شاگرد اور ان کے علم سے بہرہ مند تھے، اور صحیح تابعین کے زمانہ میں صرف ابو حنیفہ اور امام مالک ہوئے ہیں، سواد (یعنی امام ابو حنیفہ) ایک ایسے شخص ہیں کہ جن سے سرآمد محدثین نے جیسے کہ احمد بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی ہیں۔ ایک حدیث اپنی کتاب میں روایت نہیں کی اور حدیث کی روایت کا سلسلہ ان سے بطریق ثلث جہدی نہیں ہوا اور دوسرے (یعنی امام مالک) ایک ایسے شخص ہیں کہ اہل نقل کا اس پر اتفاق ہے کہ جب حدیث ان کی روایت سے ثابت ہو جائے تو صحت کے اعلیٰ معیار پر پہنچ جاتی ہے۔

تاکہ امام احمد بن حنبل، امام مالک کے شاگرد نہ تھے۔ امام ابو حنیفہ تابعی ہیں اور ان کا مہد ظہور تابعین کا مہد ہے۔ امام ابو حنیفہ کی روایت جامع ترمذی اور سنن نسائی دونوں کتابوں میں موجود ہے، محدث محمد طہر غنی نے مجمع بحوالہ میں تصریح کی ہے کہ اخرجہ الترمذی و النسائی امام ابو حنیفہ سے ترمذی اور نسائی نے تصریح کی ہے اور مسند امام احمد میں امام اعظم کی روایت مسند بریدہ رضی اللہ عنہ میں (ج: ۵، ص: ۳۵۷) موجود ہے۔ یہ بھی محض بے اصل ہے کہ "امام ابو حنیفہ سے بطریق ثلث روایت حدیث کا سلسلہ جہدی نہیں ہوا" خود شاہ ولی اللہ صاحب نے المدین الصغیر فی مشاہیر ائمہ میں محدث بھیجری مطرلی کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ: "مسند برائے امام ابو حنیفہ تالیف کردہ درآں جامع منہ خطہ ذکر کردہ در حدیث اہل جابطلان زعم کہ ایک گویہ سلسلہ حدیث امرؤ متصل لہمک و واضح تری شود۔" (مس: ۶ طبع احمدی دہلی)

انہوں نے امام ابو حنیفہ کی ایک ایسی سند تالیف کی ہے جس میں اپنے سے لے کر امام موصوف تک منہ خطہ کو ذکر کیا ہے اور یہاں سے ان لوگوں کا دعویٰ کا قائل ہونا بھی طرح عام ہو جاتا ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث کا سلسلہ آج کل متصل نہیں رہا ہے۔

یہ بھی مطرلی شاہ صاحب کے استاذ الامامہ ہیں ۸۰۰ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ شاہ صاحب ان کے حلقہ فرماتے ہیں۔ "وے استاذ جہود اہل حرمین است" غور کیجئے اگر امام ابو حنیفہ سے حدیث کی روایت کا سلسلہ جہدی نہ ہوتا تو یہ حدیث کا سلسلہ متصل امام صاحب سے لے کر شاہ صاحب کے دور تک کیسے ثابت ہو سکتا، بلکہ شاہ صاحب کی اس عبادت سے تو اور یہ ظاہر ہوا کہ یہ امام اعظم ہی کی نصیبیت ہے کہ ان کی احادیث کی روایت کا سلسلہ بسند متصل اس مہد تک جہدی رہا حتیٰ کہ جو

موطا میں اگرچہ غیر مدنی شیوخ سے شاذ و نادر روایتیں ہیں تاہم اس کی "بلاغات" کے بارے میں حافظ جمال الدین حزی نے تہذیب الکمال میں عبداللہ بن اوریس کوئی التوفی ۹۲ھ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ:

"بیان کیا جاتا ہے کہ بلاغات کو امام مالک نے امین اور یس سے سنا تھا۔"

اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ موطا کی بعض روایات میں بلغنی مذکور ہے وہ سب عبداللہ بن اوریس سے سنی ہوئی ہیں لیکن درحقیقت یہ ان بلاغات کا ذکر ہے کہ جو موطا میں حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے منقول ہیں چنانچہ حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں یعقوب بن شیبہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

قيل ان جميع ما يرويه مالك في الموطا (بلغني عن علي) أنه سمعه من ابن إدريس (۳۷)۔

کہا گیا ہے کہ تمام وہ روایات جن کو امام مالک، موطا میں بلغنی عن علی کہہ کر روایت کرتے ہیں وہ سب انہوں نے امین اور یس سے سنی ہیں۔

اور قاضی عیاض، مدارك میں لکھتے ہیں کہ احمد بن عبداللہ کوئی نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ امام مالک نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے جس قدر روایات مرسلہ ذکر کی ہیں وہ سب انہوں نے عبداللہ بن اوریس اور یس سے روایت کی ہیں (۳۸)۔

لوگ اس زمانہ میں سلسلہ استاد کو متصل ماننے سے انکار کرتے تھے ان کے خلاف شد مسکب نے اسی چیز کو دلیل میں پیش کیا ہے اور حافظ شمس الدین ذہبی نے تصریح کی ہے کہ: روی عن ابن حجر شمس العلماء، عدۃ المسون (مناقب ابی حنیفہ قرذہی ص ۱۱ طبع مصر) امام ابو حنیفہ سے محدثین و فقہاء کی اتنی بڑی تعداد نے حدیث کی روایت کی ہے کہ جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔

ان میں سے حافظ جمال الدین حزی نے تہذیب الکمال میں امام اعظم کے ترجمہ میں پچانوے مشاہیر علماء ثقات کو نام عام ذکر کیا ہے۔

۳۷۔ تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ عبداللہ بن اوریس۔

شرح مؤطا کے باب الوفا بالآمان میں بھی حضرت عمرؓ کا ایک اثر عن رجل
 اهل الكوفة (کوفہ کے ایک شخص سے) منقول ہے جس کی تعین میں زور کافی
 بیان ثوری کا نام لیا ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ یہ بھی عبد اللہ بن ابی ریس عی کی روایت
 (۳۶)

صاف البطل و رجال المؤطا اعلام سنو علی ص: ۳۶ طبع مطبعہ علمی مصر ۱۳۲۹ھ
 عبد اللہ بن ابی ریس، امام ابو حنیفہ کے تلامذہ میں سے ہیں اور فقہاء حنفیہ میں شمار کئے جاتے
 ہیں۔ حافظ عبد القادر حرشی نے الجوامع الخفیہ فی طبقات الخلفیہ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے اور بعض
 حنفیہ کا بھی ذکر کیا ہے کہ جس کو یہ امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں۔ حافظ ذہبی نے
 مؤطا میں ان کا مفصل تذکرہ لکھا ہے جو ان لفظوں میں شروع ہوتا ہے، عبد اللہ بن ابی ریس
 عبد الرحمن تلامذہ القادریہ ابو محمد القادری الکوفی احد اعلام بڑے عابد و زاہد تھے چاہے
 ان سے ہمیشہ مختصر رہے۔ ایک بار خلیفہ ہارون الرشید نے ان کو طلب کر کے عہدہ قضا پیش کرنا
 انہوں نے معذرت کی کہ میں اس کا اہل نہیں اس پر خلیفہ نے بجز کر کہا کہ کاش میں تیری
 جگہ نہ دیکھتا۔ ابن ابی ریس نے بھی نہایت محنت سے جواب دیا کاش میں بھی تیری صورت نہ
 دیکھتا یہ کہہ کر دوبار سے چلے آئے بعد کو خلیفہ نے پانچ ہزار کے قرضے ان کی خدمت میں روانہ
 کر انہوں نے لینے سے انکار کر دیا اور جو شخص رقم لے کر آیا اس سے نہایت زور سے چلا کر کہا
 کہ میں تم سے واپس چلے چلا ہارون الرشید نے یہ مایوس ہو کر ایک اور پیام بھیجا کہ آپ نے نہ ہمارا
 انکار کیا اور نہ ہمارے صلہ کو قبول فرمایا اب میرا دینا مامون آپ کی خدمت میں آئے تو اس سے
 انہیں تو یہاں فرمائیں ابن ابی ریس نے جواب میں کھانا بھیجا کہ ان چار نامہ مع البخلہ حد ثناء (اگر وہ عام
 ان کے ساتھ آیا تو اس سے بھی حد نہیں بیان کریں گے) چنانچہ جب حج کے موقع پر ہارون الرشید
 اپنے میں داخل ہوا تو اس نے قاضی ابو یوسف صاحب سے کہا کہ حد نہیں کو کہئے ہمارے پاس آکر
 حد لے کر شریف کا دربار میں دیں، دو شخصوں کے علاوہ سب نے خلیفہ کی فرمائش کی تعمیل کی۔ یہ دو بزرگ
 عبد اللہ بن ابی ریس اور یحییٰ بن یونس تھے۔

انہوں نے آئے تو امین و مامون دونوں شہزادوں نے خود سولہ ہزار عبد اللہ بن ابی ریس کی خدمت میں
 و فرما دئے ابن ابی ریس نے سولہ ہزار میں ان کے سامنے بیان کیں جب یہ روایت کر چکے تو مامون کہنے
 لگے تم مجرم اجازت ہو تو ان حد پیش کو زبانی سناؤ ابن ابی ریس نے کہا سناؤ۔ مامون نے فوراً کہنے
 لگے ان کو دو ہزار دینار۔ یہ دیکھ کر ابن ابی ریس بھی اس کی قوت حافظہ پر حش حش کر گئے۔ یہاں

مؤطا کا زمانہ تالیف:

حافظ ابن حزم نے تصریح کی ہے کہ امام مالک نے مؤطا کی تالیف یقیناً یحییٰ بن سعید انصاری کی وفات کے بعد کی ہے اور یحییٰ کی وفات ۳۳ھ میں ہوئی ہے۔ (۳۰) محدث قاضی عیاض نے مدارک میں ابو مصعب سے جو امام مالک کے شاگرد خاص ہیں نقل کیا ہے کہ خلیفہ منصور عباسی نے امام مالک سے فرمائش کی تھی کہ ضعیف کتابا للنامہ اھلہم علیہ (آپ لوگوں کے لئے ایک ایسی کتاب لکھیں کہ جس پر میں ان سے کراؤں) امام مالک نے اس سلسلہ میں کچھ کہا تو منصور بولا (۳۱)

سے اٹھ کر یہ دونوں شہزادے محسن بن یونس کے یہاں پہنچے اور انہوں نے بھی ان سے حد پیش کیا۔ کبھی جب دس قطع ہوا تو ماسون نے دس پردہ کے قوڑے پیش کئے لیکن ابن یونس نے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ ولا شربہ ماء (اس کے عوض تو پانی کا ایک گھونٹ بھی قبول نہیں کیا جاسکتا)۔ (حدیث المصنف ترجمہ محسن بن یونس)۔

۳۰۔ توجیہ الفکر فی شرح صانع جزائی ص: ۷۷ طبع مصر، بحوالہ احکام ابن حزم۔

۳۱۔ ابو مصعب کے بیان میں امام مالک کی نگینہ مقول نہیں لیکن ابن سعد نے طبقات میں واقعہ کی حوالہ سے خود امام مالک کی زبانی اس کو تفصیل سے نقل کیا ہے جو حسب ذیل ہے۔

منصور: میرا ارادہ ہے کہ میں آپ کی اس کتاب (یعنی مؤطا) کے متعلق حکم دوں کہ اس کی تصحیف جائے اور مسلمانوں کے پاس ہر شہر میں اس کا ایک ایک نسخہ بھیجا جائے اور فرمان جاری کر دوں کہ وہ اسی کے مطابق عمل درآمد کریں اور اس سے تہا نہ کریں اور اس کے علاوہ جو یہ غلط ہے سب چھوڑ دیں کیونکہ اس علم کی اصل اللہ مدینہ کی روایت اور ابن کاظم ہی ہے۔

امام مالک: اے امیر المؤمنین ایسا نہ کیجئے کیونکہ لوگوں کے پاس کچلے سے اقوال پہنچ چکے ہیں انہوں نے بھی حد پیش کی ہیں اور ابن کو روایت کیا ہے اور ہر قوم نے صحابہ اور دیگر علماء کے اختلاف کی صورت میں اسی کو اختیار کیا ہے جو ان کے یہاں کچلے سے چلا آتا ہے اور اسی کے مطابق عمل کرتے اور زندہ گی کرتے ہیں نیز جس کے وہ معتقد ہیں اس سے ان کا ہٹانا شر ہے اس لئے لوگوں کو آپ ان ہی کے حال پر چھوڑیں اور ہر اہل علم و دلوں نے جو کچھ اپنے لئے پسند کر رکھا ہے اس کو رہنے دیجئے۔ منصور: اپنی قسم اگر آپ میرا کہتا مان جاتے تو میں بھی کرتا۔ (تخریج ابن مالک ص: ۱۶)

ہمہ فاما أحد اليوم أعلم منك

کتاب تصنیف فرمائیں، آج آپ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں، آخر امام موصوف نے موطا کی تصنیف شروع کی لیکن کتاب کے ختم ہونے سے پہلے منصور کی وفات ہو گئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ موطا کی تصنیف منصور کی فرمائش پر خود اس کے عہد میں شروع ہوئی اور اس کی وفات کے بعد پایہ تکمیل کو پہنچی۔ منصور نے ۶ ذی الحجہ ۵۸ھ میں وفات پائی اور اس کی جگہ اس کا بیٹا محمد الہدیٰ مسند خلافت پر متمکن ہوا اور اسی کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں موطا کی تصنیف مکمل ہوئی (۳)۔

بہت سے روایت پر اعتراض اور اس کا جواب
بہت سے روایت پر اعتراض ہو سکتا تھا۔ حاکم نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے فرماتے ہیں۔

لیکن ہے کہ کوئی معترض یہ اعتراض کرے کہ آخر اس روایت کی تخریج سے جس کی سند صحیح نہیں، روایت عادل نہیں قائم کیا اس کے متعدد جواب ہو سکتے ہیں۔

(۱) جرح و تعدیل میں اختلاف کی گنجائش ہے ممکن ہے کہ ایک امام ایک راوی کو عادل کہے اور دوسرا امام اسی راوی کو مجروح قرار دے۔ اسی طرح ارب سال مختلف فیہ ہے۔ ایک کے نزدیک حدیث مرسل حجت ہے دوسرے کے نزدیک ضعیف ناقابل احتجاج (۲)

(۲) اگر سلف ثقات وغیرہ ثقات دونوں قسم کے روایت سے حدیثیں روایت کرتے اور جب ان سے روایت کے متعلق دریافت کیا جاتا تو ان کے حالات بیان کر دیتے۔ امام مالک

حافظ ابن عبد البر، جامع بیان العلم (ج: ۱، ص: ۱۳۲) میں اس واقعہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں: واما عابدی الامام ابن ہمام (یہ بزرگ فہم کے نزدیک انتہائی انصاف کی بات ہے) جو لوگ آج کل فروری اختلافی مسائل میں شدت برتتے ہیں ان کو امام مالک کے اس مشورہ سے سبق لینا چاہئے۔

”تزمین الممالک فرسیہ ملی، ص ۴۳

بن انس اہل حجاز کے مسلم الثبوت امام ہیں انہوں نے عبدالکریم ابو امیہ یثربی اور کے علاوہ ان لوگوں سے روایتیں کیں جن پر محدثین نے کلام کیا ہے۔ مالک کے بعد حجاز کی ہامت امام محمد بن اور یس ثقفی کے حصہ میں آئی انہوں نے بھی ابراہیم بن بن ابی یحییٰ اسلمی اور ابو داؤد سلیمان بن عمرو النخعی اور دیگر مجر و صحن سے حدیثیں لیں۔ اسی طرح امام ابو حنیفہؒ نے جابر بن زید جعفی اور ابو العطف جراح بن سلم جزاری وغیرہ مجر و صحن سے روایتیں کیں پھر قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم اور بن حسن شیبانی دونوں نے حسن بن عمارہ اور عبداللہ بن عمر وغیرہ مجر و صحن سے روایتیں بیان کیں۔ اسی طرح ائمہ مسلمین قرناً بعد قرن اور عرصاً عرصہ ہمارے زمانے تک روایتیں کرتے چلے آئے کہ ائمہ فریقین میں سے کسی کی حدیث بھی مطعون فیہ محدثین کی روایات سے خالی نہیں۔ حاکم کہتے ہیں کہ۔

وللائمة في ذلك عرض ظاهر وهو أن يعرفوا الحديث من أين خرج والمنفرد به عدل أو مجروح۔

ائمہ کا مقصد اس بارے میں ظاہر ہے یعنی وہ اس لئے ایسا کرتے ہیں کہ یہ مطوم کر لیں کہ یہ حدیث کہاں سے نقل اور جو شخص اس کی روایت میں منفرد ہے وہ مستند ہے یا مجروح۔ حافظ یحییٰ بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ:

لو لم نكتب الحديث من ثلاثين وجهاً ما عقلنا۔

اگر ہم حدیث کو تیس طریقہ سے نہ لکھیں تو ہم اس کو جان نہ سکیں۔

ابو بکر اہرم کا بیان ہے کہ امام احمد بن حنبلہؒ نے یحییٰ بن یحییٰ کو منعاً میں دیکھا کہ ایک گوشہ میں علیحدہ بیٹھے صحیفہ سر کی نقل میں مشغول ہیں یہ صحیفہ بروایت ابان حضرت انس سے مروی تھا اس اثنا میں جب کوئی شخص ادھر آ نکلتا تو یہ اسے چھپا دیتے۔ امام احمدؒ نے ان سے کہا کہ اس امر کے جاننے کے باوجود کہ یہ صحیفہ معمر عن ابان عن انس سراسر جعلی ہے پھر بھی آپ اس کی نقل میں مصروف ہیں اگر کسی نے آپ پر یہ اعتراض کیا کہ آپ ابان پر کلام

بھی کرتے ہیں اور اس کی حدیثیں بھی اسی طرح پر نقل کرتے ہیں تو آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟ بولے کہ ابو عبد اللہ! اللہ آپ پر رحم کرے میں اس صحیفہ کو عبدالرزاق سے بروایت معمر اسطے لکھ رہا ہوں کہ میں اس کو اول سے آخر تک حفظ کروں گا اور یہ بھی مجھے علم ہے کہ یہ صحیفہ موضوع ہے تاکہ بعد میں کوئی شخص آکر ابان کو بدل کر ثابت کا نام نہ لے دے اور روایت کرنے لگے کہ عن معمر عن ثابت عن انس اس وقت میں اس سے کہوں گا تو جھوٹ کہتا ہے اس روایت کا سلسلہ سند عمر عن ابان عن انس ہے نہ کہ معمر عن ثابت عن انس۔

ابن ہی اسام ابن صہب کا یہ بھی مقولہ ہے کہ :

كتبنا عن الكذابين وبهرنا به النور وأخرجنا به خبراً فضجاً۔
ہم نے جھوٹوں سے روایتیں لکھیں اور اس سے تنور کو گرم کیا اور ہکی پکائی روٹی نکالی۔ (یہاں تک حاکم کی عبادت کا ترجمہ تھا)۔

ملاشبہ ضعفاء سے روایت کرنے کی بڑی وجہ صرف حدیث کا علم حاصل کرنا ہے تاکہ صحیح و ضعیف میں امتیاز قائم رہے اور اس کی ثبات میں چونک نہ ہونے پائے۔ حافظ ابن صہب کی تصریحات حاکم کے کلام میں آپ کی نظر سے گزر چکیں۔ ان کے استاد ہیں امام ابو یوسف۔ حافظ الدین محمد بن محمد ابن زہری الکردری ان کے متعلق رقمطراز ہیں۔

قيل للامام أبي يوسف لم حفظت الأحاديث الموضوعة قال
لأعرفها. (۳۳)

امام ابو یوسف سے کہا گیا کہ آپ نے احادیث موضوعہ کو کیوں حفظ کیا فرمایا کہ محض ان کے علم کے لئے۔

البتہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جرح و تعدیل میں اختلاف واقع ہو جاتا ہے اور ایسا ہونا ضروری تھا کسی شخص کے ان تمام اوصاف و حالات پر اطلاع پانا جن کا اثر روایت کی صحت و ضعف پر پڑ سکتا ہے۔ مدقوں کی ملاقات اور تجربہ پر موقوف ہے اور یہ ہر شخص کے لئے ممکن نہ تھا۔ حاکم نے جن لوگوں کے نام مثال کے طور پر بیان کیے ہیں ان میں سے حسن بن عمارہ کو لے لیجئے۔ صدر الاثر موفق بن احمد مکی ان کے متعلق رقمطرح ہیں۔

قال أبو سعد الصغاني سمعت أبا حنيفة وزفر يقولان جربنا الحسن بن عمارة في الحديث فوجدناه يخرج من الحديث كما يخرج الذهب الأحمر من النار۔

ابو سعد صفائی کا بیان ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ اور امام زفر دونوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم نے حسن بن عمارہ کو حدیث میں پرکھا تو وہ پرکھے میں ایسے نکلے جیسے سرخ سونا بھٹی میں سے نکلتا ہے۔

قال أبو حنيفة خالطنا الحسن بن عمارة فلم نر إلا خيراً وقال أبو سعد الصغاني هذا عامة ما سمعنا عن الحسن بن عمارة سمعناه في مجلس أبي حنيفة ومسجده وكان يجالس أبا حنيفة كثيراً وكان يمر في خلال الكلام حديث يذكره الحسن بن عماره فكان يقول أبا حنيفة أمل عليهم فيمل علينا۔^(۳)

امام ابو حنیفہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہمارا حسن بن عمارہ سے میل جول رہا ہے ہم نے تو ان میں بجز بھلائی کے اور کوئی بات نہیں دیکھی ابو سعد صفائی نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم نے حسن بن عمارہ سے جو حدیثیں سنی ہیں وہ امام ابو حنیفہ کی مجلس درس اور انہی کی مسجد میں سنی ہیں وہ امام صاحب کے پاس بہت زیادہ

۳۔ مناقب موفق، ج ۲، ص ۷۷، طبع حیدرآباد دکن

نشت و بر خاست رکھتے تھے۔ سلسلہ کلام میں حسن بن عمارہ کسی حدیث کو ذکر کرتے تو امام صاحب فرماتے یہ حدیث ان کو املا کرادو وہ ہم کو املا کرادیتے۔
 جب ان کی نسبت کتب رجال میں جر میں مذکور ہیں لیکن وہ سب ایسے لوگوں سے
 دی ہیں جو یا تو ان کی وفات کے بعد پیدا ہوئے یا جن کو ان کے جانچنے اور پرکھنے کا
 قلع نہ مل سکا امام ابو حنیفہ اور امام زفر نے ان کے متعلق جو رائے قائم کی ہے وہ
 ت کے تجربہ اور ملاقات اور بار بار کے امتحان و آزمائش کے بعد قائم کی ہے۔ حافظ ابو
 حسن بن خلاد راسخری نے المحدثات الفاصل^(۴۵) میں جو اصول حدیث پر سب
 پہلی تصنیف ہے ان جرحوں کا مفصل جواب دیا ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ امام
 حنیفہ اور امام زفر کے اس بیان کے بعد بھی حسن بن عمارہ کی حدیث قابل استناد
 ہے۔

یہ ضعیفہ سے اس بنا پر بھی روایت کی جاتی ہے کہ شواہد و متابعات کی بنا پر وہ ضعیف
 قرار دیا ہے اور حدیث صحیح ہوتی ہے۔ اور چونکہ متابعات^(۴۶) و شواہد معروف و مشہور
 تے ہیں اس لئے بوجہ اختصار ان کو ذکر نہیں کیا جاتا۔

اس کتاب کا قلمی نسخہ میری نظر سے گزرا ہے۔

۱۔ متابعات پنج ہے حاجت کی۔ حاجت اس مسئلہ روایت میں دوسرے کے شریک ہونے کو کہتے
 ہیں مثلاً ایک حدیث رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلہ سے مروی ہے۔ من اب اب من ابن
 میرین من ابی ہریرۃ من النبی ﷺ۔ پس اگر اب کے علاوہ ابن میرین سے یا ابن میرین
 کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ سے یا حضرت ابو ہریرہ کے علاوہ کوئی دوسرا راوی اس حدیث کو
 روایت کرے تو اس کو حاجت کہا جائے گا پھر اگر ابن میرین سے اب کے علاوہ کوئی دوسرا راوی
 ہو گا تو اسے اب کا متابع کہا جائے گا اور اگر حضرت ابو ہریرہ سے ابن میرین کے علاوہ دوسرا راوی
 موجود ہے تو اسے ابن میرین کا متابع کہا جائے گا اور اگر حضرت رسول اللہ ﷺ سے حضرت ابو
 ہریرہ کے سوا کوئی اور صحابی بھی اس روایت کو بیان کرتے ہیں تو ان کو حضرت ابو ہریرہ کا متابع کہا
 جائے گا۔ شواہد پنج ہے شواہد کی ایک حدیث کے ہم معنی دوسری حدیث جو مروی ہو اس کو حدیث
 قائل کا شواہد کہتے ہیں۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حدیث کی اسناد مصنف کے پاس ثقات کی روایت سے نازل ہوتی ہے اور ایک دوسری سند سے جس میں کوئی ضعیف راوی ہوتا ہے عالی^(۸۶) لئے وہ اسناد عالی کے ذکر پر اکتفا کرتا ہے اور طوالت کے خیال سے سند نازل بیان نہیں کرتا۔ کیونکہ اہل فن اس سے باخبر ہوتے ہیں^(۸۷)۔

غرض یہ ہیں وہ اسباب جن کی بناء پر کبھی کبھی ضعیف سے احادیث کی روایت کی جا رہی ہے۔ ہمارے بعض معاصرین جو منصب رسالت سے نا آشنا اور جن کو علم حدیث بصیرت نہیں وہ غلطی سے ان وجوہ کو تو نہیں سمجھتے اور شبہ میں پڑ کر سرے سے حدیث شریف کے حجت شرعی ہونے ہی سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔

هدا ہم اللہ إلی سواء السبیل۔

انواع صحیح:

حاکم نے حدیث صحیح کی دس قسمیں قرار دی ہیں۔ پانچ تعلق علیہ اور پانچ مختلف ہیں۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

فالقسم الأول من المتفق علیہ إختیار البخاری ومسلم وهو الدرجة الأولى من الصحيح ومثاله الحديث الذي يرويه الصحابي المشهور بالرواية عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وله راويان ثقتان ثم يرويه التابعي المشهور عن الصحابة وله راويان ثقتان ثم يرويه أتباع التابعين الحافظ المتقن المشهور وله رواية من الطبقة الرابعة

”حدیث کے جتنے دستاویز ہیں اسی قدر عالی اور جتنے زیادہ ہوں گے اسی قدر نازل۔

”مقدمہ شرح مسلم للنووی ج: ۱ ص: ۲۵، علی مسرور، الرافضی الباسم للوزن الیمانی ج: ۱ ص: ۸۳ ص ۸۴ ص ۸۵۔

ثم يكون شيخ البخاري أو مسلم حافظاً متقناً مشهوراً بالعدالة في روايته فهذه الدرجة الأولى من الصحيح (ص: ۷)

صحیح متفق علیہ کی پہلی قسم وہ ہے جس کو بخاری و مسلم نے اختیار کیا ہے اور وہی اول درجہ کی صحیح ہے یعنی وہ حدیث جس کو ایسا صحابی جو رسول اللہ ﷺ سے روایت میں مشہور ہو بیان کرے اور اس صحابی سے اس حدیث کے دو ثقہ راوی ہوں پھر اس حدیث کو وہ تابعی بیان کرے جو صحابہ سے روایت کرنے میں مشہور ہو اور اس کے بھی دو ثقہ راوی ہوں پھر ترجیحاً تابعین میں سے حافظ متسن مشہور اسے روایت کرے اور چوتھے طبقہ میں اس حدیث کے دو سے زیادہ راوی ہوں پھر بخاری یا مسلم کا شیخ حافظ و متسن ہو اور عدالت فی الروایت میں شہرت رکھتا ہو۔ پس یہ صحیح کا ازل درجہ ہے۔

اس لحاظ سے ان کے نزدیک حدیث صحیح کی پہلی قسم میں تین باتوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) صحابی اور تابعی سے اس حدیث کے دو ثقہ راوی ہوں۔ اور طبقہ رابعہ میں اس کے دو سے زائد رواۃ ہوں غرض ہر طبقہ میں کم از کم دو راوی ہونے ضروری ہیں۔

(۲) امام بخاری و مسلم کے شیخ سے لے کر صحابی تک ہر ایک راوی ثقہ اور روایت حدیث میں مشہور ہوں۔

(۳) شیوخ شیعین اور اجلہ تابعین میں سے جو بھی اس حدیث کو روایت کرے وہ علاوہ ثقہ اور مشہور ہونے کے حافظ و متسن بھی ہو۔

اس حدیث ان سب صفات پر مشتمل ہو وہ ان کے خیال میں اول درجہ کی شرائط صحیح کی حامل ہے جس کے متعلق ان کا دعویٰ ہے کہ امام بخاری و مسلم نے اسی قسم کو اختیار کیا ہے اور اسی قسم کی ترجیح ان کے نزدیک مشروط ہے۔

جس حدیث کے ہر طبقہ میں کم سے کم دو راوی ہوں اسے اصول حدیث میں عزیز کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ چونکہ عزیز حدیثیں عزیز الوجود یعنی بہت کم پائی جاتی ہیں

۔ اس لیے بعض علماء نے حاکم کے کلام کی ایک دوسری توجیہ کی ہے۔ جو کہ بعد التوجیہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی چنانچہ قاضی عیاض حنفی ابو علی غسانی سے ناقل ہیں۔

لیس المراد أن یکون کل خبر رویا یجتمع فیہ راویان عن صحابہ ثم عن تابعیه لمن بعده فان ذلك یغز وجوده وإنما المراد أن هذا الصحابی وهذا التابعی قد روی عنه رجلان خرج بهما عن حد الجہالة. (۳)

حاکم کے کلام کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شیخین نے جس حدیث کو روایت کیا ہے اس حدیث کو اس صحابی سے دو شخص روایت کریں اور پھر تابعی سے دو اور اسی طرح بعد میں کیونکہ اس کا وجود نادر ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اس صحابی اور اس تابعی سے دو شخص (کچھ بھی) روایت کریں تاکہ وہ مجہول کی تعریف سے نکل جائے۔

لیکن حاکم کے کلام کا یہ مطلب بیان کرنا خود حاکم کی تصریحات کے خلاف اور توجیہ القول بما لا یوضی بہ قائلہ کا مصداق ہے۔ ان کی تصریحات تو حدیث صحیح کی دوسری، تیسری، چوتھی اور پانچویں قسم کی بحث کے ذیل میں آپ کی نظر سے گزریں گی۔ قطع نظر ان تصریحات کے خود عبارت اس توجیہ کا ساتھ نہیں دیتی کیونکہ تعریف جو کی جادہی ہے وہ حدیث کی کی جادہی ہے اس لئے کہ راویان ضعیفان میں لہ کا مرتب حدیث ہی کو قرار دینا چاہئے نہ کہ صحابی کو اسی لئے علامہ ابو عبد اللہ بن السواق قطرانی ہیں۔

ما حمل الفسائی علیہ کلام الحاکم وتبعہ علیہ عیاض وغیرہ لیس
بالبین^(۳۰)

فسائی اور ان کی اتباع میں قاضی عیاض وغیرہ نے حاکم کے کلام کو جس پر محمول
کیا ہے وہ ظاہر نہیں۔

شرط شیخین:

حقیقت یہ ہے کہ شرط شیخین کے تعین کا مسئلہ بڑا معرکہ افادہ منسلک ہے۔ اور اصول
حدیث کی کتابوں میں اس پر بڑی بڑی بحثیں قائم ہو گئی ہیں۔ بلاشبہ ایک جماعت کو
اس پر اسرار ہے کہ امام بخاری و مسلم نے صحیحین میں حدیث صحیح کی ان عام شرط کے
علاوہ جو عموماً علماء کے نزدیک مسلم ہیں مزید احتیاط کے لئے کچھ خاص شرائط کا اضافہ
کیا ہے لیکن وہ شرائط کیا ہیں اور آیا وہ دونوں کی متحد ہیں یا امام بخاری کی علیحدہ اور امام
مسلم کی علیحدہ اس میں بڑا اختلاف رائے ہے۔

حاکم کا بیان آپ کے سامنے ہے جس کا پہلا جزء یہ ہے کہ اس حدیث کے صحابی کے علاوہ ہر
فرد میں کم از کم دو راوی ہوتا ضروری ہیں اور ابو حفص سیاقی نے اس سے بھی بڑھ
کردہ مویٰ کیا ہے چنانچہ کتاب ما لا یسع الحديث جہلہ میں رقمطراز ہیں:

شرط الشیخین فی صحیحہما أن لا بدخلایہ إلا ما صح عندہما
وذلك ما رواہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم إیمان فصاعداً وما

^{۳۰} تحریب الراوی فی شرح تقریب النوہوی طبع علی، م: ۲۹ طبع مصر ۱۳۰۷ھ و تہجہ انکسر
بجرازی م: ۱۷ طبع مصر۔

نقلہ عن کل واحد من الصحابة أربعة من التابعين فأكثرُوا أن
 یکون عن کل واحد من التابعين أكثر من أربعة. (۳۱)
 صحیحین میں شیخین کی شرط یہ ہے کہ صرف دو حدیث ان میں درج کریں جو ان
 کے نزدیک صحیح ہو یعنی جس کو رسول اللہ ﷺ سے دو یا دو سے زیادہ صحابی
 روایت کریں اور ہر صحابی سے چار یا چار سے زیادہ تابعین اور ہر تابعی سے چار
 سے زیادہ تبع تابعین راوی ہوں۔

حاکم نے تو ہر طبقہ میں بجز صحابی کے کم از کم دو راوی ہونا بیان کیا تھا لیکن ابو حفص
 میانجی نے ان سے بھی دو زائد ہی بتائے۔ حاکم کی رائے میں صرف ایک صحابی مشہور
 کی روایت کافی ہے مگر ان کے نزدیک صحابی بھی دو ہونے چاہئیں۔ حافظ ابن حجر
 مسکنی، میانجی ابو حفص کے اس بیان کے متعلق لکھتے ہیں:

وهو كلام من لم يمارس الصحيحين أدنى ممارسة فلو قال قلل
 ليس في التباين حديث واحد بهذه الصفة لما ابعد. (۳۲)
 یہ اس شخص کی بات ہے جس کو صحیحین کی معمولی نزاولت بھی نہ ہو۔ اگر کوئی
 کہنے والا یہ کہے کہ صحیحین میں اس صفت کی ایک حدیث بھی نہیں پائی جاتی تو یہ
 بات بعید نہیں۔

ابو حفص تو اپنے دعوے میں تنہا ہیں لیکن حاکم کی رائے سے بہت سے علماء نے اتفاق کیا
 ہے۔ جن میں امام بیہقی، حافظ ابو بکر بن العربی اور علامہ ابوالسادات ابن الاثیر جزی
 خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ چنانچہ علامہ محمد بن عبدالرحمن سخاوی فتح المغیث میں
 رقمطراز ہیں۔

وافقه عليها صاحبه البيهقي (۳۳)۔

۳۱۔ تاریخ الروایہ ص: ۱۷، و تہذیب الفکر ص: ۷۲

۳۲۔ فتح المغیث ص: ۶۶۔

حکم کے دعوٰی کی ان کے شاگرد بیہوشی نے موافقت کی ہے۔

اور امیر یمنی حاکم کے بیان کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

روحه ابن الاثیر وذهب إليه ابن العربي المالکی. (۳۳)

یہ ابن اثیر نے ترجیح دی ہے اور اسی طرف ابن العربی مالکی گئے ہیں۔

محققین کے بارے میں حاکم، بیہوشی وغیرہ کے بیان کی تحقیق:

ابن بزرگوں نے شرط شہنشین کے بارے میں جو دعویٰ کیا ہے وہ سراسر بے بنیاد

نہ امام بخاری و مسلم سے یہ شرطیں منقول ہیں اور نہ صحیحین ان شرط پر پوری

دیکھیں، اور جب حاکم کا بیان ہی درج صحت پر نہیں پہنچ سکتا تو ابو حفص کے دعوے کا

دعوٰی کیا کر

ع قیاس کن زنگستان من بہار مرا

ابو علی غسانی اور قاضی عیاض کے ساتھ بیان میں اس دعوے کی تردید اشارۃً آپ

سے گزر چکی ہے۔ بعد کے مصنفین نے نہایت صراحت کے ساتھ اس خیال کی

تائید کی ہے چنانچہ حافظ محمد بن طاہر حاکم کا بیان نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے

الجواب أن البخاری ومسلم لم يشترطا هذا الشرط ولا يحتفل عن

بواحد منهما أنه قال ذلك والحاكم قدر التقدير وشرط لهما هذا

الشرط على ما ظن ولعمري أنه شرط حسن لو كان موجوداً في

كلاهما إلا أنا وجدنا هذه القاعدة التي أنشأها الحاكم منتزعة في

الكاتبين جميعاً. (۳۵)

پیشرو یہ الروی میں: ۷۱۔

۱۔ نسخۃ النسخہ قلمی میں: ۶۶۔

۲۔ شرط الاثر الاستیعاب طبع مطبعہ حیدرآباد دکن میں: ۷۱۔

جواب یہ ہے کہ بخاری و مسلم نے یقیناً نہ تو یہ شرط کی اور نہ ان میں سے کسی سے منقول ہے کہ اس نے ایسا کہا ہو۔ حاکم نے ایک اندازہ لگایا اور اپنے خیال کے مطابق شیخین کی یہ شرط قرار دیدی۔ بھان من یہ شرط تو اچھی ہے کاش ان کی کتاب میں موجود بھی ہوتی مگر ہم نے تو اس اصول کو جس کی حاکم نے بنیاد رکھی ہے دونوں کتابوں میں ٹوٹا ہوا پایا۔

پھر سات مٹائیں حاکم کے دعوے کے خلاف پیش کر کے جو صحیحین میں موجود ہیں جن میں صحابی سے اس حدیث کا صرف ایک راوی ہے لکھتے ہیں۔

اقتصرنَا منها علی هذا القدر لنعلم أن هذه القاعدة التي أتت بها منتقضة لا أصل لها ولو اشتطنا بنقض هذا الفصل الواحد في التابعين و أتباعهم ومن روى عنهم إلى عصر الشيخين لأدري على كتابه المدخل أجمع إلا أن الاشتغال بنقض كلام الحاكم لا يجدي فائدة وله في سائر كتبه مثل هذا كثير عفى الله عنه.

ہم نے صرف اتنے ہی پر اکتفا کیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ حاکم نے جس قاعدہ کی بنیاد رکھی ہے وہ لغو اور بے اصل ہے اور اگر ہم اس کی صرف اس ہی قسم کے توڑنے میں مشغول ہوں تابعین اور تبع تابعین کے بارے میں اور جنہوں نے تبع تابعین سے روایت کی ہے شیخین کے زمانہ تک تو پوری مدخل سے زیادہ بڑی تصنیف ہو مگر حاکم کے کلام کی تردید کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ حاکم کی تصنیفات میں اس قسم کی بہت سی باتیں ہیں اللہ اس کو معاف کرے۔

اور حافظ ابو بکر حاتمی شروط الأئمة الخلفاء میں رقمطراز ہیں۔

ان هذا قول من يستطرف أطراف الآثار ولم يبلغ تآثر الأخبار وجهل مخارج الحديث ولم يعثر على مذاهب أهل الحديث ومن عرف مذاهب الفقهاء في إنقسام الأخبار إلى المتواتر والأحاد وأتقن إصطلاح العلماء في كيفية تحرير الإسناد لم يذهب هذا

المذہب وسهل عليه المطلب ولعمري هذا قول قد قبل ودعوى قد
خدمت حتى ذكره بعض أثمة الحديث في مدخل الكتابين.
(ص: 2)

یہ وہ کہہ سکتا ہے جو اطراف آثار کو الجوبہ سمجھتا ہو اور احادیث کی اسناداتی ہوئی
موجوں میں نہ گھسا ہو بخارج حدیث سے ناواقف اور محدثین کے مذاہب سے
غافل ہو جس کو متواتر و آحاد کی تقسیم سے متعلق فقہاء کے مسلک معلوم ہیں اور جو
حمیرہ اسناد کے متعلق علماء کی اصطلاح سے اچھی طرح باخبر ہے۔ اس کی یہ رائے
مجس ہو سکتی اور اس کے لئے معاملہ سہل رہے گا۔ بجان من یہ بات کہی جائیگی اور
عابق میں ایسا دعویٰ ہو چکا یہاں تک کہ ایک امام حدیث نے مدخل الکتابین
میں اس کو ذکر بھی کر ڈالا۔

ہی نے صرف اس پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ انہوں نے اس کتاب میں ایک مستقل باب
باطل کی تردید میں قائم کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

باب في إبطال قول من زعم أن من شرط البخاري إخراج
الحديث عن عدلين وهم جراً إلى أن يصل الخبر بالنبي صلى الله
عليه وسلم. (۳۱)
ہکے بعد لکھتے ہیں۔

إن هذا حكم من لم يعمن الغوص في خبايا الصحيح ولو استقرأ
الكتاب حق استقر أنه لو وجد جملة من الكتاب ناقضة عليه دعواه.

یہ اس شخص کا حکم لگایا ہوا ہے جو صحیح بخاری کی پوشیدگیوں میں گہری نظر سے غوطہ زن نہیں ہوا اور اگر وہ جزئیات کتاب کا جس طرح پتہ لگانے کا حق ہے پتہ لگاتا تو کتاب کے بڑے حصہ کو اپنے دعوے کے خلاف پاتا۔

حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی اور حافظ ابو بکر محمد بن موسیٰ حاذی نے اربابِ علم کی شروط پر مستقل تصنیفیں کی ہیں۔ ابن طاہر کی کتاب کا نام شروط الاثمة الستة اور حاذی کی تصنیف شروط الاثمة الخمسة کے نام سے موسوم ہے۔ ان دونوں بزرگوں نے حاکم کے خیال کی جس سختی سے مخالفت کی ہے اس سے قیاس کیا جاسکتا کہ انہوں نے شیخین کی جو شرط متعین کی ہو گی وہ بڑی تحقیق و تلاش کا نتیجہ ہو گی نہ صرف صحیح ہونا یقینی ہے۔ اس لئے بہتر ہو گا کہ اس سلسلہ میں ان دونوں حائفوں کی تحقیق بھی ایک اجمالی نگاہ ڈال لی جائے۔ افسوس ہے کہ ان دونوں کی رائے بھی اس بارے میں متحدہ ہو سکی۔

شرط شیخین کے مطلق حافظ ابن طاہر کا بیان اور اس کی تحقیق:

حافظ ابن طاہر کو اس کا تو اقرار ہے کہ ائمہ ستہ میں کسی سے بھی اس بارے میں متقول نہیں ہے کہ ہماری کتاب میں جو روایت درج کی جائیں گی وہ غلطان شرط پر ہو چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

اعلم أن البخاری و مسلماً و من ذکرنا بعدهم لم ينقل عن واحد منهم أنه قال شرطت أن أخرج في كتابي ما يكون على الشرط الفلانی وإنما يعرف ذلك من سير. كتبهم فيعلم بذلك شرط كل رجل منهم.

اس کا علم رہے کہ بخاری و مسلم اور ان لوگوں میں سے کسی سے بھی جن کا ہم نے بعد میں ذکر کیا ہے (یعنی بقیہ ارباب صحاح) یہ متقول نہیں ہے کہ اس نے

بیان کیا ہو کہ میں اپنی کتاب میں اس حدیث کو روایت کروں گا جو ثنائی شرط پر ہو البتہ جو شخص ان کی کتابوں کو پرکھتا ہے وہ اس پر کھ سے ان میں سے ہر ایک کی شرط معلوم کر لیتا ہے۔

پانچ شرط شیخین کے متعلق اپنی پرکھ کا نتیجہ ان لفظوں میں ظاہر کیا ہے۔

إن شرط البخاری و مسلم أن يخرجوا الحديث المتفق على ثقة نقله إلى الصحابي المشهور من غير اختلاف بين الثقات الاثبات ويكون إسناده متصلاً غير مقطوع فإن كان للصحابي راويان حسن وإن لم يكن له إلا راوٍ واحد إذا صح الطريق إلى ذلك الراوي أخرجهما.

بخاری و مسلم کی شرط یہ ہے کہ وہ اس حدیث کی تخریج کریں کہ اول سند سے لے کر صحابی مشہور تک جس کے ہاتھین کی ثبات متفق علیہ ہو اور ثقات اثبات میں کوئی اختلاف نہ ہو اس کی سند متصل اور غیر منقطع ہو پھر اگر اس صحابی سے دو راوی ہوں تو فیہما ورنہ اگر اس حدیث کا صرف ایک ہی راوی ہو اور اس راوی تک روایت کا طریقہ صحیح ہو تو اس حدیث کی بھی دونوں تخریج کر لیتے ہیں۔

پ دیکھنا یہ ہے کہ ابن طاہر کی پرکھ کا نتیجہ کھرا ہے یا کھوتا۔ حافظ زین الدین عراقی لکھتے ہیں۔

ولیس ما قالہ بجمہد لأن النسائی ضعف جماعة أخرج لهم الشيخان أو أحدهما. (۴۷)

ابن طاہر نے جو کہا ہے درست نہیں کیونکہ امام نسائی نے بخاری و مسلم کے روایات میں سے ایک جماعت کی تضعیف کی ہے۔

علامہ محمد بن ابراہیم وزیر یمنی عراقی کا بیان نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں۔

قلت ما هذا مما اختص به النسانی بل شاركه فی ذلك غیر واحد
من أئمة الجرح والتعديل كما هو معروف فی كتب هذا الشأن۔
(۳۸)

میں کہتا ہوں کہ صرف نسائی کی اس بارے میں خصوصیت نہیں بلکہ بہت سے
اخر جرح و تعدیل اس میں ان کے شریک ہیں چنانچہ کتب رجال میں مشہور
ہے۔

ساری جرحین مبہم بھی نہیں بلکہ بہت سی مفسر ہیں چنانچہ محدث محمد امیر یحیائی فرماتے
ہیں۔

لا یغنی أنه ليس كل من جرح من رجال الصحيحين جرحه
مطلق بل فيه جماعة جرحوا جرحاً مبين السبب۔ (۳۹)
تغلی نہ رہے کہ رجال صحیحین میں سے جس پر جرح کی گئی ہے وہ جرح مطلق ہے
بلکہ ان روایہ میں ایک جماعت پر مفسر جرح موجود ہے جس کے اسباب بھی بیان
کئے گئے ہیں۔

صرف صحیح بخاری کے ان روایہ کی تعداد جن پر جرح کی گئی چار سو کے قریب ہیں جن میں
سے تقریباً تین سو کے حق میں جرح کو دفع کیا گیا ہے اور تقریباً سو روایہ کے حق میں
اسے تسلیم کیا گیا ہے۔ اور اگر صحیح مسلم کے راویوں کو بھی جمع کیا جائے تو تعداد اور زیادہ
برزخ جائے گی۔ حافظ ابن جریر نے صحیح بخاری کی بڑی خدمت کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ
اس سلسلہ میں انہوں نے بہت بڑا کام انجام دیا ہے۔ مقدمہ فتح البہادی میں حافظ
موصوف نے ان جروح کا جواب دینے کی پوری کوشش کی ہے اور اپنی دانست میں جہاں

۳۸۔ منتخب الافکار قلمی ص: ۷۱۔

۳۹۔ توضیح الافکار قلمی ص: ۷۱۔

تک ہو سکا کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اس پر بھی بعض جگہ بالکل ہر ڈال دینی پڑی چنانچہ اعلیٰ بن محمد فردی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

قال الدار قطنی والحاکم عیب علی البخاری إخراج حدیثہ۔ (۳۰)
دار قطنی و حاکم نے کہا ہے کہ اس کی حدیث کی تخریج نے بخاری پر عیب لگا دیا۔
وہی حاکم ہیں جو روادہ شیخین کے لئے ثابہت کو شرط بتاتے ہیں۔

کأنه لا بدري ما يخرج من رأسه۔
اسید بن زید جمال کے تذکرہ میں نسائی، ابن معین، دار قطنی، ابن عدی، ابن حبان،
دار اور ابو حاتم سے اس کے حق میں جرح نقل کرنے کے بعد صاف اقرار کیا۔

قلت لم أر لأحد فيه توثيقاً. (۳۱)

میں نے اس کے حق میں کسی کی توثیق نہیں دیکھی۔

یہی حال یحییٰ بن ابی زکریا غسانی واسطی کا ہے کہ ابن حبان نے اس کے بارے میں
تصریح کی ہے لا تجوز الروایة عنه. (۳۲)

فہر صرف دو ایکٹ پر کیا منحصر ہے۔ صحیحین کے بہت سے روادہ کی توثیق کا سرے سے وجود
فی نہیں چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی نے جن کے حق میں حافظ ابن حجر کے یہ الفاظ
ہیں۔

وهو من أهل الاستقراء الثام في نقد الرجال.

مالک بن بحیر رمادی کے تذکرہ میں کلمے لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔

وفي رواية الصحيح عدد كثير ما علمنا أن أحداً وثقه.

۳۰۔ ج: ۲، ص: ۱۶۹

۳۱۔ ج: ۲، ص: ۱۷۷

۳۲۔ ج: ۲، ص: ۱۷۱

صحیح بخاری کے روایات میں ایک بڑی جماعت ہے جن کے متعلق کسی کی توثیق ہم کو معلوم نہ ہو سکی۔

اور حافظ صالح بن مہدی مقبلی کو کہانی نے تو نہایت ہی صراحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔

وَأَعْجَبَ مِنْ هَذَا أَنَّ فِي رِجَالِ لُحْمَا مِنْ لَمْ يَثْبُتَ تَعْدِيلُهُ وَإِنَّمَا هُوَ فِي
دَرَجَةِ الْمَجْهُولِ أَوْ الْمُسْتَوْدِ قَالَ الذَّهَبِيُّ فِي تَرْجُمَةِ حَفْصِ بْنِ نَفِيلٍ
قَالَ ابْنُ الْقَطَّانِ لَا يَعْرِفُ لَهُ حَالٌ وَلَا يَعْرِفُ يَعْنِي فَهُوَ مَجْهُولُ
الْعَدَالَةِ وَمَجْهُولُ الْعَيْنِ يَجْمَعُ الْجِهَاتَيْنِ. (۳۳)

اس سے بھی زیادہ تعجب خیز یہ بات ہے کہ رجال صحیحین میں بعض ایسے اشخاص بھی موجود ہیں کہ جن کی تعدیل ثابت نہیں اور وہ مجہول یا مستور کے درجہ میں ہیں ذہبی نے حفص بن نفیل کے ترجمہ میں ابن القطان کا قول اس کے حق میں بیان کیا ہے کہ نہ خود اس کا پتہ ہے نہ اس کے حالات کا ہیں وہ مجہول العدالت و مجہول العین یعنی مجمع الجہاتین ہے۔

لطف تو یہ ہے کہ بعض ان روایات سے بھی صحیح بخاری میں روایتیں موجود ہیں جن کو امام بخاری نے ضعف میں ذکر کیا ہے۔ چنانچہ منقسم مولیٰ ابن عباس کے بارے میں امام ذہبی یزان الاعتدال میں فرماتے ہیں۔

وَالْعَجَبُ مِنَ الْبُخَارِيِّ أَنْجَرَهُ لَهُ فِي صَحِيحِهِ وَقَدْ ذَكَرَهُ فِي كِتَابِ
الضَّعْفَاءِ.

بخاری پر تعجب ہے کہ اس نے اپنی صحیح میں اس سے روایت کی ہے حالانکہ خود ہی نے اس کو کتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے۔

اسی طرح ثابت بن محمد، زبیر بن محمد بن حبیب، زیاد بن ربیع ابو خداش بصری، سعید بن عبد اللہ بن جبیر ثقفی، عباد بن راشد حمصی، محمد بن مزید کوثری، خود اسام بخاری نے کلام لہد اور صحیح بخاری میں ان سے حدیثیں بیان کی ہیں۔

لہد سے اس بیان سے ایمن ظاہر کے دعویٰ کی حقیقت تو پوری طرح واضح ہو جاتی ہے اور ماکم نے جو روادہ شیخین کیلئے ثابت و حفظ و اتقان کی جو شرط بیان کی تھی اس کا بھی اچھی طرح حال معلوم ہو جاتا ہے۔ اب ذرا حاذی کے بیان کی بھی تحقیق کر لی جائے تو بہتر



شیخین کے متعلق حافظ حاذی کا بیان اور اس کی تحقیق:

الحقیقت حافظ حاذی نے اباب صالح کی شرط خاص طور پر علیحدہ ذکر نہیں کیس بلکہ حدیث صحیح کی دسی عام شرط جو عموماً محدثین کے نزدیک مسلم ہیں یعنی یہ کہ راوی مسلم، عاقل، غیر مدلس اور عادل ہو طلب حدیث میں معروف ہو، ضابطہ، متیظ، سلیم الامن، باد قار، اور غیر مبتدع ہو۔ اگر مبتدع ہو تو کم از کم دالی نہ ہو۔ ان کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

۱۔ عمر جین صحیح کا یہ مسلک ہے کہ راوی عادل اور اس کے مشائخ کے حالات پر اچھی طرح غور کیا جائے (غور کرنے کے بعد) اس کی حدیثیں بعض شیوخ سے تو بالکل صحیح اور ثابت ہوں گی ان کا اخراج لازمی ہے اور بعض شیوخ کی حدیثوں میں اعتراض کی گنجائش ہو گی ایسی احادیث کا اخراج صرف شواہد و متابعات میں صحیح ہو سکتا ہے۔ در حقیقت یہ ایک بہت دقیق شے ہے (اور اس کے علم کا) یہ طریقہ ہے کہ اصل راوی سے جتنے روادہ ہیں ان کے طبقات کی معرفت حاصل کی جائے اور ہر ایک کے درجہ و مرتبہ سے واقفیت ہو۔ اس کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں مثلاً ہام زہری کے اصحاب و تلامذہ کے پانچ طبقے ہیں اور ہر طبقے کو اپنے بعد والے طبقہ پر فوقیت حاصل ہے

پہلا طبقہ صحت کے نہایت اعلیٰ معیار پر ہے جس میں امام مالک، ابن عیینہ، یونس، عقیل وغیرہ داخل ہیں۔ اس طبقہ کی روایات کا اخراج بخاری کا مقصد ہے۔

دوسرا طبقہ جہاں نکت عدالت کا سوال ہے پہلے طبقے کا برابر کا شریک ہے مگر پہلے طبقے کو علاوہ برین کہ وہ ضبط و اتقان کا جامع ہے زہری کی خدمت میں عرصہ دراز تک رہنے کا بھی موقع ملا ہے چنانچہ ان میں سے بعض تو ایسے تھے جن کا سفر حضر میں کسی وقت ساتھ نہیں چھوڑنا تھا جیسے لیث بن سعد اور زائی اور نعمان بن راشد لیکن دوسرے طبقے کو زہری کی خدمت میں حاضری کا موقع کم ملا اس لئے ان میں حدیث زہری کی عمارت پیدا نہ ہو سکی اور پھر اتقان میں بھی وہ پہلے طبقے سے کم تھے جیسے جعفر بن زرقان، سفیان بن حسین، سلمیٰ، زمرہ بن صابر مکی یہ لوگ مسلم کی شرط پر ہیں۔

تیسرے طبقے کو زہری کی خدمت میں طویل عرصہ تک رہنے کا موقع تو ایسی طرح ملا جس طرح پہلے طبقے کو حاصل تھا مگر وہ لوگ جرح کی آمیزش سے پاک نہ ہو سکے اس لئے ان کی حدیث رد و قبول کے درمیان ہے جیسے معاویہ بن یحییٰ صدیقی، اسحق بن عیسیٰ کلبی اور شعیب بن صباح، ابو داؤد و نسائی کی شرط پر ان سے بھی روایت کی جاسکتی ہے۔

چوتھا طبقہ جرح و تعدیل میں تو تیسرے طبقہ کا برابر کا شریک ہے مگر چونکہ اس طبقہ کو زہری کی خدمت میں حاضری کا موقع زیادہ نہ مل سکا اس لئے زہری کی حدیث کی عمارت بھی ان میں کم رہی۔ ترمذی کی شرط میں ان کی روایت بھی داخل کی جاسکتی ہے۔

پانچواں طبقہ ضعیف و مجہولین کی جماعت کا ہے کہ عمر بن ابوب کو ان کی حدیث کی تخریج جائز ہی نہیں البتہ اعتبار و استشاد ان سے روایت کی جاسکتی

ہے۔ (۳۳) چنانچہ باستشار شیخین ابو داؤد وغیرہ نے ایسا کیا بھی ہے اس طبقہ کے لوگوں میں بحر بن کثیر، قتادہ، حکم بن عہد اللہ اثنی، داخل ہیں۔
کبھی کبھی خاص اسباب کی بناء پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ بغدادی دوسرے طبقے کے اعلیٰ اشخاص سے اور مسلم تیسرے طبقے کے فقہار سے اور ابو داؤد چوتھے طبقے کے مشاہیر سے روایت کر لیتے ہیں۔

بلاشبہ اس بیان میں حازی نے شرط مسلم، شرط ابی داؤد، شرط ترمذی کے الفاظ استعمال کئے ہیں لیکن یہ شرط مطرد نہیں ہے۔ اور حازی خود اس شرط کی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے تیار نہیں چنانچہ مذکورہ بالا بیان کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

ولیس عرضی فی هذا الباب ترتیبہ علی وزن ما قد خرجوا فی
الصحاح وإنما قصدی التنبیہ والتعریف۔ ص: ۱۹

میرا مقصد اس بارے میں یہ نہیں کہ صحاح میں جو ان بزرگوں نے تخریج کی ہے وہ اسی ترتیب کے موافق ہے بلکہ میرا مقصد تو اس سلسلہ میں صرف آگاہ کرنا اور بتلانا ہے۔

دیجا آپ نے کس طرح دو نظروں میں ذمہ داری قبول کرنے سے صاف نکل جائے جس کے معنی دوسرے نظروں میں یہ ہوئے کہ مذکورہ بالا بیان میں جو شرط کا لفظ آیا ہے وہ لفظ شرط ہے حقیقت نہیں۔ حازی بڑے باخبر اور وسیع العلم تھے حاکم کی جس سختی سے انہوں نے تردید کی ہے آپ کی نظر سے گزر چکی بھلا وہ اس ذمہ داری کو قبول کر کے دوسروں کو اپنے متعلق زبان کھولنے کا کیوں موقع دیتے۔ چنانچہ امام مسلم کی شرط کے متعلق آگے چل کر صاف بھر دیا

أما شرط مسلم فقد صرح به فی خطبۃ کتابہ۔ ص: ۲۱

۳۳۔ حاکم نے ابتدائے کتاب میں تخریجی ابواب کی جو شرط بیان کی ہے اس کی صحت پر حادی اس بیان سے بھی روشنی پڑتی ہے۔

اگرچہ امام مسلم کے بیان کو ان کی شرط قرار دینا بھی محض برائے نام ہے۔

ربیع مسلم کی شرط تو مسلم نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں اس کی تصریح کر دی ہے۔

اسی طرح امام ابو داؤد کا بیان ان کے مشہور رسالہ اہل مکہ سے نقل کر کے اور امام ترمذی کا بیان ان کی کتاب الحلل سے نقل کر کے اپنی بیان کردہ شرط سے بھی بری ہو گئے۔

غرض حاذی کا بیان پوری تفصیل سے آپ کے سامنے ہے اس سے شرط شیخین کے متعلق ان کے خیالات کا آپ اچھی سمجھ سکتے ہیں۔ تاہم بعض مصنفین یعنی زمین الدین عراقی و ستادی وغیرہ نے ان کے کلام کا خلاصہ ان لفظوں میں پیش کیا ہے۔

إن شرط البخاری أن يخرج ما اتصل أسناده بالثقات المضعين
الملازمین لمن أخذوا عنه ملازمة طويلة وإنه قد يخرج أحياناً عن
أعيان الطبقة التي تلي هذه في الإجماع والملازمة لمن رويوا عنه فلم
يلزموه إلا ملازمة يسيرة وإن شرط مسلم صح وقد يخرج
أحاديث من لم يسل من عوائل الجرح إذا كان طويل الملازمة
لمن أخذ عنه لحاد بن سلمة في ثابت النباني. (۳۵)

بخاری کی شرط یہ ہے کہ اس حدیث کی تخریج کریں جس کی سند متصل اور روات
ثقات و متسن ہوں اور یہ لوگ جس سے روایت کریں اس کی طویل رفاقت ان
کو حاصل ہو البتہ کبھی کبھی وہ دوسرے طبقہ کے ان افراد سے بھی روایت کر لیتے
ہیں۔ جو اس طبقہ سے اتفاق اور مروی عنہ کی رفاقت میں متصل ہو اور مسلم کی
شرط اسی دوسرے طبقہ کی احادیث کی تخریج ہے البتہ وہ کبھی کبھی ان لوگوں سے
بھی روایت کرتے ہیں جو جن ثنی آمیزش سے سالم نہیں بشرطیکہ ان کو مروی
عنہ سے طویل ملازمت حاصل ہو جیسے ثابت بنانی سے حماد بن سلمہ کی روایت۔

محمد بن ابراہیم وزیر یانی اس عبادت کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔

قال زين الدين هذا حاصل كلام الحازمي. (۳۹)

زین الدین کا بیان ہے کہ یہ حازی کے کلام کا خلاصہ ہے۔

حازی کے بیان کا یہ خلاصہ صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر حازی کے نزدیک بخاری کی روایت ظاہر کی بیان کردہ شرط سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ ابن طاہر کے نزدیک اتصال کے ساتھ روتہ کا اتفاق ثبوت ہونا کافی ہے۔ حازی کے کلام میں صرف ایک شرط اتفاق ثبوت ہونا۔ تو نہیں اتصال سند کے ساتھ روتہ کا نہ صرف ثبوت بلکہ مستقن ہونا بھی ضروری ہے اور اسی پر اعتقاد نہیں بلکہ شیوخ و اساتذہ کی خدمت میں عرصہ تک حاضر رہنا بھی لازمی ہے اور اس اصول پر صحیح بخاری میں تو بیہشتا کسی بحر و جادوی کا سرے سے وجود ہی نہیں البتہ صحیح مسلم میں اس قسم کی روایات ضرور موجود ہیں لیکن وہ صرف ایسے روتہ سے ہیں جو اپنے شیوخ کی خدمت میں عرصہ تک رہ چکے ہیں۔

ابن طاہر کے بیان پر سب سے پہلے جس نے اعتراض کیا ہے وہ یہی حافظ زین الدین عرقی ہیں مگر حازی کے کلام کا خلاصہ بیان کر کے ایسے خاموش ہو گئے کہ گویا اس میں غلطی کا شبہ تک نہ تھا۔ اس لئے درحقیقت اس بیان کے متعلق کچھ کہنا حازی کی تردید نہیں بلکہ خلاصہ نگاروں کے بیان پر روشنی ڈالنا ہے۔

روتہ سمیعین کی توثیق و اتقان کا جو حال ہے وہ ابن طاہر کی بیان کردہ شرط کی بحث میں آپ کی نظر سے گزر چکا۔ اس پر اساتذہ کی خدمت میں حاضری اور ضروری قرار دیدی گئی تو اب اس کے سوا کیا کہا جائے کہ:

و هذا المعنى في القياس بدیع

پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ بعض روایات کا سماع اپنے شیوخ سے محدثانہ طریقہ سے ثابت نہیں مگر صحاح ستہ میں ان کی روایت انہی شیوخ سے موجود ہے چنانچہ موصوفی مہدی الساری میں تحریر فرماتے ہیں۔

وہب بن جریر بن حازم البصری أحد الثقات ذكره ابن عدي في الكامل وأورد قول عفان فيه إنه لم يسمع من شعبة وقال أحمد عن ابن مهدي ما سكا نزاه عند شعبة إحتج به الأئمة وأوردوا له من حديثه عن شعبة. (۳۷)

وہب بن جریر بن حازم بصری ثقافت میں سے ہیں ابن عدی نے کاسل میں ان کو ذکر کیا ہے اور ان کے متعلق عفان کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے شعبہ سے سماع حدیث نہیں کیا اور امام احمد ابن مہدی سے ناقل ہیں کہ ہم تو ان کو شعبہ کے پاس نہیں دیکھتے تھے۔ احمد ستہ نے ان سے احتجاج کیا ہے اور شعبہ کی روایت سے ان کی حدیثیں نقل کی ہیں۔

اسی طرح ہشام بن حسان کے حسن بصری سے لقار اور روایت میں کلام ہے اور ہشام نے حسن بصری سے اس کی حدیث روایت کی ہے۔ یحییٰ بن عبد اللہ بن کبیر کے امام مسلم نے فرمایا ہے کہ امام مالک سے ان کا سماع حکم یہ ہے خود امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ اہل حجاز سے جو تاریخ میں روایت کرتے ہیں میں اس سے اجتناب کرتا ہوں۔ اس کے باوجود صحیح بخاری میں امام مالک سے ان کی روایت موجود ہے۔

علامہ محدث محمد امیر یمنی نے توضیح الافکار میں زین الدین عراقی کے اس بیان پر کردہ خلاصہ کی پوست کندہ تردید کر دی ہے۔ چنانچہ ملازمت طویلہ کی شرط بخاری کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

هذا لا يوافق ما نقل عن البخاری من أنه يشترط اللقاء ولو مرة.^{۳۸}

یہ موافق نہیں ہے بخاری کے اس بیان سے جو ان سے منقول ہے کہ ان کے نزدیک صحت روایت کیلئے صرف ایک بار ملاقات شرط ہے۔
”مسلم کی شرط ملازمة بسيرة كذا ذكر کر کے فرماتے ہیں۔

لا يخفى أن مسلماً لا يشترط اللقاء أصلاً كما صرح به في مقدمة صحيحه.^(۳۹)

غفلی نہیں ہے کہ مسلم کے نزدیک ہمارے سے شرط نہیں۔ چنانچہ مقدمہ صحیح میں اس کی تصریح کی ہے۔

”مسک حاضری کے کلام کا جو خلاصہ زین الدین وغیرہ نے پیش کیا ہے وہ خود بخاری و مسلم کی تصریحات کے خلاف ہے۔

شرط شیعین کے متعلق اہل جہود وغیرہ کا بیان اور اس کی تحقیق:

اہل اہل جہود وغیرہ نے جب دیکھا کہ شیعین کے لئے کوئی خاص شرط مقرر نہیں کی گئی تھی اور شیعین سے اس بارے میں کچھ منقول ہے نہیں تو لڑماریا کہ:

المراد به رواية ما مع باقي شروط الصحيح.^(۴۰)

یعنی شرط شیعین سے مراد حدیث صحیح کی عام شرط کے ساتھ صرف روایت شیعین ہیں۔

۳۸۔ ص: ۲۶

۳۹۔ ص: ۲۶

۴۰۔ دیکھو: شرح نمبر

حافظ عراقی نے تصریح کی ہے کہ حافظ ابن صلاح، علامہ ابن دلقی العید، محدث نووی اور حافظ ذہبی کا بھی یہی خیال ہے۔ (۳۱)

سبحان اللہ جب اور کچھ شرط نہ مل سکی تو اسی کو شرط قرار دیدیا۔ بخاری و مسلم نے کچھ تصریح کی ہے کہ ہمارے نزدیک صرف ابن علی روتہ سے حدیث کی تخریج مشروع ہے جن سے ہم صحیحین میں روایت کر چکے ہیں اور دوسرے روتہ گو وہ ثقہ، صدوق، متحرک ضابطہ، غرض خواہ کتنے ہی اعلیٰ درجہ کے اوصاف قبول سے متصف ہوں مگر ہم ان سے ہر گز روایت نہیں کریں گے کیونکہ ان سے روایت ہماری شرط میں داخل نہیں۔

اگر ایسا ہی ہے تو سوال پیدا ہوگا کہ آخر شیخین نے کیوں خاص ضعیف و مجاہل تک روایت اپنی شرط قرار دیدی اور صحیح الحدیث غیر مجروح روتہ کو اپنی شرط سے خارج کر دیا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ بخاری و مسلم نے ہر ثقہ شخص سے روایت نہیں کی ہے ہزار ہا ثقہ و مستحکم ہیں کہ جن سے صحیحین میں ایک حرف منقول نہیں۔ حافظ ابو بکر حادی شروط الاثمة الخلفہ میں لکھتے ہیں:

انه لم يخرج عن كل من صح حديثه ولم ينسب إلى شيء من جهات الجرح وهم خلق كثير يبلغ عددهم ثلثين ألفاً لأن تاريخه يشمل على نحو من أربعين ألفاً وزماده وكاتبه في الضعفاء دون السبع مائة ومن خرجهم في جامعه دون ألفين. (۳۲)

اسام بخاری نے یہ نہیں کیا ہے کہ ہر اس شخص سے روایت کی ہو جو صحیح الحدیث ہو اور جس کے متعلق کسی قسم کی بھی کوئی جرح منسوب نہ ہو اور ایسی جماعت اتنی بڑی ہے کہ جس کی تعداد تیس ہزار سے لے کر پچھتی ہے کیونکہ اسام بخاری کی تاریخ میں چالیس ہزار کے قریب اشخاص کا ذکر ہے اور ان کی کتاب الضعفاء

۳۱۔ دیکھو تصدیق لایضاح ص: ۷۷ طبع حلب اور شرح شرح المنہج لعلی الحدادی ص: ۶۷ طبع استنبول

۳۲۔ ص: ۲۱

میں سات سو سے بھی کم مذکور ہیں۔ اور جن سے صحیح بخاری میں روایت کی ہے دو دو ہزار سے بھی کم ہیں۔

اور حاکم نے المدخل میں کہا ہے کہ میں نے صحیحین کے تمام روایات کو جمع کیا تو دو ہزار ہر دو عورت سے بھی کم نکلے۔

اب اگر صرف یہی روایت صحیحین بشرط الشیخین ہیں تو آخر یہ ترجیح بلا مرجع کیوں؟ کیا صحیحین کے روایات ضعیفہ و مجاہل کو بھی دیگر ارباب سنن و جوامع کے ثقات و مستقین پر فضیلت حاصل ہے۔

إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجَابٌ.

کیا بات یہ ہے کہ:

ع چون ندیدند حقیقت رہا فساد زدند

حافظ محمد امیر یحیٰی نے توضیح الأفكار میں ابو حفص سیانگی کی بیان کردہ شرط کے علاوہ سب کے بیانات پر تفصیل سے بحث کی ہے چنانچہ اس اخیر قول شرطہما رواہما بہ نقل کر کے لکھتے ہیں۔

ولكنه لا يخفى بعد هذا كله وان جعل شرطهما ما ذكر من أحد الأربعة الأقوال إنما هو تفتين وتفتين من العلماء انه شرط لهما إذا لم يأت عنهما بصرح بما شرطاه نعم مسلم قد أبان في مقدمة صحيحه من يخرج عنهم حديثه.

لیکن اس کا پورے طور پر بعید از تحقیق ہونا مخفی نہیں ہے یہ علماء ہر چار اقوال (قول حاکم و ابن طاہر و حاذی و ابن حجر وغیرہ) میں سے کسی ایک کو شرط شیخین قرار دینا محض علماء کا غبن و تحقیر ہے کہ یہ ان کی شرط ہے کیونکہ ان دونوں سے اس کے متعلق کچھ تصریح موجود نہیں کہ انہوں نے کیا شرائط طوط

رکھتی ہیں۔ البتہ امام مسلم نے مقدمہ صحیح میں ظاہر کر دیا ہے کہ وہ کئی اشخاص کی احادیث کی تخریج کریں گے۔

ابن العربی اور شرط شیخین:

حافظ ابوبکر بن العربی نے تو اس سلسلہ میں شیخین کے متعلق ایک عام دعویٰ کیا ہے یعنی نہ صرف یہ کہ شیخین نے اس شرط کو صحیحین میں ملحوظ رکھا ہے بلکہ ان کے خیال میں امام بخاری و مسلم کے نزدیک کوئی حدیث اس وقت تک ثابت ہی نہیں ہوتی جب تک کہ اس کو دو شخص روایت نہ کریں اور لطف یہ کہ اپنے اس مزموہ خیال کو شیخین کا مذہب قرار دے کر پھر خود ہی اس کو مذہب باطل فرماتے ہیں۔ چنانچہ شرح مؤطا میں رقمطراز ہیں۔

كان مذهب الشيوخ أن الحديث لا يثبت حتى يرويه إثنان وهو مذهب باطل بل رواية الواحد عن الواحد صحيحة إلى النبي صلى الله عليه وسلم. (۱۳۴)

امام بخاری و مسلم کا مذہب ہے کہ کوئی حدیث اس وقت تک ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ دو شخص اس کو بیان نہ کریں لیکن یہ مذہب باطل ہے بلکہ ایک شخص کی روایت دوسرے ایک شخص سے رسول اللہ ﷺ تک صحیح ہے۔

کیا خوب خود ہی مدعی خود ہی شاہد اور خود ہی قاضی، بھلا فرمائیے کہ امام بخاری یا امام مسلم نے کب کہاں کس کتاب میں یا کس شخص کے سامنے اپنا یہ مذہب بتایا ہے جو اس کی تردید کی ضرورت پیش آئی اور اسے مذہب باطل قرار دیا گیا۔

ع اے بادشاہیں ہمہ آور وہ تست

محدث ابن رشید نے قاضی ابن العربی کے اس بیان پر بڑی حرمت کا اظہار کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

والعجب منه كيف يدعى عليهما ذلك ثم يزعم أنه مذهب باطل
فليت شعري من أعله بأنهما إشتراكا ذلك إن كان منقولا فليبين
طريقه لتنظر فيهما وإن كان عرفه بالإستقراء فقد وهم في
ذلك. (۳۵)

ابن العربی پر تعجب ہے کہ انہوں نے کیوں شیخین کے متعلق ایسا دعویٰ کیا اور
پھر اسے مذہب باطل سمجھا۔ کاش مجھے پتہ چلا کہ کس نے ان کو یہ بتایا کہ
شیخین اس کو مشروط قرار دیتے ہیں اگر یہ شیخین سے منقول ہے تو اس کی سند
میان کی جائے تاکہ ہم اس پر غور کر سکیں اور اگر نتیجہ صحیحین سے یہ چیز انہوں
نے معلوم کی ہے تو یقیناً انکو اس بارے میں داہم ہوا۔

اس خیال کی تردید کہ صحیحین میں عزز حدیثیں موجود نہیں:

لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ عزز حدیثوں کا وجود ہی نہیں یعنی سرے سے کوئی
بخاری روایت پائی ہی نہیں جاتی کہ جس کے ہر طبقہ میں دو روای ہوں یا صحیحین میں اس
نہم کی کوئی روایت موجود نہیں۔ بلکہ بحث صرف یہ ہے کہ کیا امام بخاری و مسلم نے
صحیحین میں تخریج حدیث کے لئے یہ شرط لازمی قرار دی ہے یعنی کیا صحیحین کی ہر
حدیث ایسی ہے کہ اس کے ہر طبقہ میں دو روای ہوں تو اس کا جواب نفی میں ہے کہ
امام بخاری و مسلم نے کسی ایسی شرط کی پابندی اپنے اوپر لازمی نہیں قرار دی۔ اگرچہ
صحیحین میں ایسی بہت سی حدیثیں ہیں جن میں یہ صفت موجود ہے۔ تاہم ان میں ایسی
لی روایات موجود ہیں جو اس شرط پر پوری نہیں اترتیں۔ ظاہر ہے کہ اگر ایسی صورت
ہی اس کو شرط قرار دیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ امام بخاری و مسلم نے اس شرط کا

ایضاً نہیں کیا۔ حالانکہ ان بزرگوں نے کبھی بھی اس قسم کا کوئی دعویٰ نہیں کیا کہ اس التزام کی ضرورت داعی ہو۔

حافظ ابو عبد اللہ بن السواق رقم فرماتے ہیں:

لا أعلم أحداً روى عنهما أن هما صرحا بذلك ولا وجود له في كتابيهما ولا خارجاً عنهما فإن كان قاتل ذلك عرقه من مذهبهما بالتصريح لتصرفهما في كتابيهما فلم يصب لأن الأمرين معاً في كتابيهما وإن كان أخذه من كون ذلك أكثرهما في كتابيهما فلا دليل فيه على كونهما إشتراطاه ولعل وجود ذلك أكثرهما إنما هو لأن من روى عنه غير واحد أكثر ممن لم يرو عنه إلا واحد في الرواة مطلقاً لا بالنسبة إلى من خرج له من هم في الصحيحين وليس من الإنصاف التزام هاهذا الشرط من غير أن يثبت عنهما ذلك مع وجود إخلا لهما به لأنهما إذا صح عنهما إشتراط ذلك كان في إخلا لهما به ذلك عليهما. (۳۶)

میں نہیں جانتا کہ کسی ایک شخص نے بھی شیخین سے یہ روایت کی ہو کہ انہوں نے اس کی تصریح کی ہے نہ اس کا صحیحین میں پتہ ہے نہ صحیحین کے علاوہ اور کہیں۔ اگر اس کے قائل نے صحیحین میں شیخین کے طرز عمل کو دیکھ کر ان کا یہ مذہب سمجھا ہے تو اس نے غلطی کی کیونکہ صحیحین میں تو دونوں قسم کی حدیثیں موجود ہیں اور اگر اس نے صحیحین میں اس قسم کی حدیثوں کو اکثر دیکھ کر یہ خیال کیا ہے تو یہ شیخین کے نزدیک اس کے مشروط ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔ اور عجب اس کا وجود اکثر اسی لئے ہے کہ عام طور پر روایات میں ایسے اشخاص زیادہ ہیں جن سے ایک سے زیادہ اشخاص نے روایت کی ہے۔ صحیحین کے روایات کی اس

بارے میں کچھ خصوصیت نہیں اور یہ انصاف سے بالکل بعید ہے کہ ان سے ثابت ہوئے بغیر اس شرط کو ان پر لازم کر دیا جائے۔ حالانکہ انہوں نے صحیحین کو اس شرط سے خالی رکھا ہے۔ کیونکہ جب ان کے متعلق اس کا اشتراط ثابت ہوگا تو اس کے چھوڑ دینے سے ان پر اعتراض قائم ہوتا ہے۔

عائفہ ابن حجر مصلحانی ابن المواق کے اس بیان کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

هذا كلام مقبول وبحت قوي. (۳۷)

دوسرے امر کی بحث:

دوسری چیز جو حاکم کے کلام میں پائی جاتی ہے یہ ہے کہ امام بخاری اور مسلم کے شیخ سے لے کر صحابی تک ہر ایک راوی ثقہ اور روایت حدیث میں مشہور ہو، علامہ ابن الجوزی کی اس بارے میں حاکم کے ہم زبان ہیں۔ محدث سخاوی فتح الغیث میں لکھتے ہیں:

وقال ابن الجوزي اشترط البخاري ومسلم الثقة والأشهار. (ص

۱۷)

ابن جوزی کا بیان ہے کہ امام بخاری اور مسلم نے ثقاہت اور شہرت کو شرط قرار دیا

عائفہ ابن طاہر نے اس سے بھی ڈھ کر دعویٰ کیا ہے فرماتے ہیں:

إن شرط البخاري ومسلم أن يخرج الحديث المتيقن على ثقة نقله إلى الصحابي المشهور من غير اختلاف بين الثقات الأثبات ويكون اسناده أصلاً غير مقطوع فإن كان للصحابي راويان أحسن وإن لم يكن له إلا واحد صح الطريق إلى ذلك الراوي أخرجه. ۱۲۸

اسام بخاری اور مسلم کی شرط یہ ہے کہ وہ اس حدیث کی تخریج کریں کہ اول سند سے لے کر صحابی مشہور تک جس کے ناقلین کی ثقاہت تحقیق علیہ ہو اور ثقاہت اثبات میں ان کے بارے میں کوئی اختلاف نہ ہو، نیز اس کی سند متصل غیر منقطع ہو پھر اگر اس صحابی سے دور راوی ہوں تو فیہا ورنہ اگر اس حدیث کا صرف ایک راوی ہو اور اس راوی تکثہ روایت کا طریقہ صحیح ہو تو اس حدیث کی بھی دونوں تخریج کر لیتے ہیں۔

لیکن اس کو بھی صحیحین کی ہر روایت کے لیے شرط قرار دینا کسی طرح درست نہیں۔ حافظ زین الدین عراقی لکھتے ہیں:

لیس ما قالہ ببید لان النسائی ضعف جماعة اخرج لهم الشیخان او احدهما۔^{۱۹۹}
ابن طاہر نے جو کہا ہے درست نہیں کیوں کہ نسائی نے بخاری اور مسلم کے روایات میں سے ایک جماعت کی ضعیف کی ہے۔

حافظ محمد بن ابراہیم وزیر یامانی عراقی کا بیان نقل کرنے کے بعد رقم طراز ہیں۔

قلت ليس هذا بما اخص به النسائي بل قد شاركه في ذلك غير واحد من أئمة الجرح والتعديل كما هو معروف في كتب هذا الشأن۔^{۲۰۰}
میں کہتا ہوں کہ نسائی کی ہی اس بارے میں خصوصیت نہیں ہے بلکہ بہت سے ائمہ جرح و تعدیل اس سلسلے میں ان کے شریک ہیں جیسا کہ کتب رجال میں مشہور ہے۔ ساری جرحیں مجہم بھی نہیں بلکہ بہت سی مفسرین چنانچہ محدث محمد امیر الیامانی فرماتے ہیں:

قلت إلا أنه لا يخفى أنه ليس كل من جرح من رجال الصحيحين جرحه مطلق بل فهم جماعة جرحوا جرحا مبين السبب۔^{۲۰۱}

نقل نہ رہے کہ رجال صحیحین میں سے جس پر جرح کی گئی ہے وہ جرح مطلق ہی نہیں ہے بلکہ ان روایت میں ایک جماعت پر جرح مفسر ہے جس کو اسباب بتائے گئے ہیں۔ ایک شبہ کا ازالہ :

لیکن اس سے یہ وہم نہ ہونا چاہئے کہ صحیحین میں جعلی یا موضوع حدیثیں موجود ہیں جیسا کہ بعض دشمنان اسلام منکرین حدیث کا خیال ہے۔ بلکہ لفظ شرط مد نظر رہے کیونکہ اس کے ماننے کا یہ مطلب ہے کہ صحیحین میں ایک بھی روایت ایسی موجود نہیں جو کسی حکم فہ یا مجرد راوی سے بیان کی گئی ہو۔

حالانکہ ان میں بعض روایات ایسی پائی جاتی ہیں جن کے سلسلہ سند میں کوئی حکم فہ یا مجرد راوی موجود ہے۔ لہذا ظاہر ہے کہ اس کو ہر روایت کے لئے شرط نہیں قرار دیا جاسکتا کیونکہ شیخین سے اس بارے میں ایک حرف منقول نہیں خصوصاً جبکہ بعض روایت کی تصنیف کا خود ان کو بھی اقرار ہے۔ البتہ ضعفاء سے روایت کے متعلق سوال ہو سکتا ہے جس کے متعلق ہم سابق میں تفصیل سے بحث کر چکے ہیں۔ یہاں مزید اطمینان کے لئے صرف اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ بلاشبہ امام بخاری و مسلم کے نزدیک صحیح حدیث کی تصریح مشروط ہے۔ اس لئے روایت صحیحین کے لئے ثبات و شہرت کو بنیاد و اساس تو کہا جاسکتا ہے لیکن شرط نہیں کہا جاسکتا۔ پس اگر ضعف راوی متابعات و شواہد سے جاتا رہے تو اس کی روایت صحیح ہوگی اور ایسی ہی صورت میں امام بخاری یا امام مسلم اس روایت کو اپنی صحیح میں داخل کر لیتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی تصریح فرماتے ہیں۔

إن ما قاله ابن طاهر هو الأصل الذي بنى عليه وقد يخرجان عنه
لمرجح يقوم مقامه. (۳۷)

جلاشبہ ابن طاہر کا جو بیان ہے شیخین نے اسی اصول پر بنیاد رکھی ہے البتہ کبھی کبھی اس اصول کو اس لئے چھوڑ دیتے ہیں کہ کوئی وجہ ترجیح اس اصول کی قائم مقام ہوتی ہے۔

اور علامہ حافظ محمد بن ابراہیم دزر یحیائی الروض الباسم میں یہ بیان کرنے کے بعد کہ امام بخاری نے ایک جماعت کی تضعیف کی صراحت کی ہے اور ان سے صحیح میں ترجیح بھی کی ہے فرماتے ہیں۔

إن صاحبی الصحيح قد یخرجان من الطريق التي فيها ضعف لوجود متابعات وشواهد تجبر ذلك الضعف وإن لم تورد تلك المتابعات والشواهد في الصحيحين قصدًا للاختصار والتقريب على طلبة العلم مع أن تلك المتابعات والشواهد معروفة في الكتب البسيطة والمسانيد الواسعة وربما أشار بعض شراح الصحيحين إلى شيء منها. (۳۳)

امام بخاری و مسلم بھی کبھی کبھی طریق ضعیف سے حدیث کی ترجیح کرتے ہیں کیونکہ اس حدیث کے متابعات و شواہد موجود ہوتے ہیں جن سے وہ ضعیف جانا رہتا ہے اگرچہ وہ متابعات و شواہد صحیحین میں اختصار اور طلبۃ العلم کی آسانی کے لئے مذکور نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ متابعات و شواہد بڑی بڑی کتابوں اور ضخیم مسندوں میں مشہور و معروف ہوتے ہیں اور بسا اوقات شارحین صحیحین ان کی طرف اشارے کرتے جاتے ہیں۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہوتی ہے مگر ایک سلسلہ سند دراز اور لمبا ہوتا ہے اور دوسرا چھوٹا اور مختصر لیکن اس میں کوئی شکم فیہ راوی پایا جاتا ہے۔ شیخین حدیث کو دوسرے سلسلہ سے روایت کرتے ہیں کیونکہ سند جتنی معتد ہوگی اتنی ہی عالی کھلائے گی اور اول طریقہ کو اس کے نازل ہونے اور نیز تکرار سے

کے خیال سے ذکر نہیں کرتے۔ چنانچہ حافظ ابو بکر حاذی شروط الاثمة الخسة تحریر فرماتے ہیں۔

ثم قد يكون الحديث عند البخاري عالياً وله طرق بعضها أرفع من بعض غير أنه يجيد أحياناً عن الطريق الأصح لقوله أوسام تكرار الحديث إلى غير ذلك وقد صرح مسلم بضم ذلك (۱۳۳)۔

حلاوت بریں بھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بخاری کی حدیث باعتبار سند عالی ہوتی ہے اور اس حدیث کے متعدد طرق ہوتے ہیں جن میں بعض بعض سے اچھے ہاتے ہیں اور اسام بخاری زیادہ صحیح سلسلہ سند کی طرف نازل ہونے یا تکرار حدیث یا دیگر اسباب کی بنا پر متوجہ نہیں ہوتے اور اسام مسلم سے تو اس قسم کی تصریح بھی موجود ہے۔

شرح شیخین و تبع تابعین کے لئے حفظ و اتقان کی شرط:

مورد بالا بحث سے یہ بھی اچھی طرح واضح ہو گیا کہ جب صحیحین کے ہر راوی کے لئے ایک شرط لازم نہیں تو پھر شیوخ شیخین اور تبع تابعین کے لئے حفظ و اتقان کیوں کر لازم نکلتا ہے۔ حافظ ابن حجر مسقانی نے ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری میں تابعین اور شیوخ شیخین میں سے متعدد اشخاص کے ترجمہ میں تصریح کی ہے کہ وہ یا مستثنیٰ نہیں تھے۔ اسی طرح حافظ علائی نے صاف لفظوں میں تحریر کیا ہے۔

ولیس کونہ حافظاً شرطاً. (۱۳۵)

اور ہر راوی کا حافظ ہونا شرط نہیں۔

اصطلاح سلف میں حافظ اس کو کہا جاتا تھا جو کم از کم بیس ہزار حدیثیں ملّا کر اے۔^(۱۱) ظاہر ہے کہ یہ شرط روایت صحیحین میں سے ہر قطع تابعی یا شیوخ شیخین میں سے ہر ایک میں کہاں موجود ہے۔

شرط شیخین کے بارے میں قول فیصل:

ہماری رائے میں امام بخاری یا امام مسلم کے نزدیک بجز اس کے کوئی امر مشروط نہیں ہو۔ صحیحین میں جو حدیث نقل کریں گے وہ ان کے نزدیک صحیح ہوگی۔ اس ایک شرط پر علاوہ کسی شرط کی پابندی انہوں نے اپنے پر لازم نہیں قرار دی۔ حاکم بیہقی اور بعد علماء نے اس بارے میں جو کچھ دلو تحقیق دی ہے اس کی بنیاد سر اسر حسن عین اور نقل صحیح ہے چنانچہ حافظ ابو بکر حاذی تحریر فرماتے ہیں۔

ومشا ذلك إما إبطار الدعة وترك الدأب وإما حسن الظن
بالمستخدم. (۱۲)

اس کا مفہا یا آرام طلبی اور ترک مشقت ہے یا حقد میں کے متعلق حسن عین۔

شیخین سے اس بارے میں کچھ منقول نہیں:

مرفذ یہ کہ ان بزرگوں میں سے بعض کو اقرار بھی ہے کہ امام بخاری و مسلم سے اس بارے میں ایک حرف منقول نہیں مگر پھر بھی اصرار ہے کہ بلاشبہ شیخین نے ان بیان کردہ قلاں قلاں شرائط کی پابندی کی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن طاہر کا یہ قول سابق کے گزر چکا ہے۔

^(۱۱) - تدریب الراوی ص: ۶۔

^(۱۲) - تدریب الراوی، ص: ۶۔

إعلم أن البخاری ومسلماً ومن ذكرنا بعدهم لم يقل عن واحد من هم أنه قال شرطت أن أخرج في كتابي ما يكون على الشرط القلاني وإنما يعرف ذلك من سبر كتبهم فيعلم بذلك شرط كل رجل منهم. (۱۵۸)

اس کا علم رہے کہ بخاری و مسلم اور ان لوگوں میں سے کسی ایک نے بھی جن کا ہم نے بعد میں ذکر کیا ہے (یعنی بقیہ ارباب صحاح) یہ منقول نہیں ہے کہ اس نے بیان کیا ہو کہ میں اپنی کتاب میں اس حدیث کو روایت کروں گا جو فلانی شرط ہے ہوگی۔ البتہ جو شخص ان کی کتابوں کو پڑھتا ہے وہ ان میں سے ہر ایک کی شرط معلوم کر لیتا ہے۔

لیکن اس پر کہہ کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے کہ اس کی حیثیت علم و تحقیق سے زیادہ نہیں۔ علامہ محمد امیر یابی توضیح الأفكار میں رقمطراز ہیں۔

إما هو تظنين وتحمين من العلماء أنه شرط لهما إذ لم يأت عنهما تصريح بما شرطاه نعم مسلم قد أبان في مقدمة صحيحه من يخرج عنهم حديثهم. (۱۵۹)

یعنی یہ محض علماء کا علم و تحقیق ہے کہ ان کی شرط یہ ہے اور یہ ہے کیونکہ اس بارے میں شیخین سے کوئی تصریح منقول نہیں۔ ہاں امام مسلم نے مقدمہ صحیح میں ظاہر کر دیا ہے کہ وہ کئی اشخاص سے احادیث روایت کریں گے۔

اور نواب صدیقی حسن خان منہج الوصول إلى اصطلاح أحاديث الرسول میں قلم لے فرماتے ہیں۔

۱۵۸۔ تدریب الروای، ص: ۶۰۔

۱۵۹۔ ص: ۶۷۔

تحقق شدہ کہ شرط شیخین معلوم نیست و نہ شیخین ہاں اور کتاب ہائے خود تصریح کردہ اندونہ در غیر آں بلکہ حفاظ تتبع کردہ از صنیع ایشان استخراج شرط کردہ اند و ضرور نیست کہ آنچہ ایشان آزا شرط فہمدہ اند ہاں شرط بخاری و مسلم باشند لہذا انظار ایشان دریں شرط مختلف واقع شدہ اند و بعض بر بعض رد کردہ اند چنانچہ حازی و ابن طاہر بر حاکم در آنچہ آزا شرط شیخین زعم کردہ رد نمودہ اند و اس معنی معروف است حافظ در اواکل مقدمہ فصح الباری سنی بیدی الساری بذکرش پر داخستہ (۳۰)

حافظ ابو بکر محمد بن موسیٰ حازی نے ائمہ فہم امام بخاری و مسلم و نسائی و ابو داؤد و ترمذی کی شروط پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے جو شروط الاثمة الخلف کے نام سے موسوم ہے یہ کتاب مصر اور ہندوستان دونوں جگہ طبع ہو چکی ہے انہوں نے اس موضوع پر اس کتاب میں نہایت تفصیل سے بحث کی ہے اور آخر میں اپنی تحقیق کا نتیجہ ان لفظوں میں پیش کیا ہے۔

إن قصد البخاری کان وضع مختصر فی الصحیح ولم یقصد الاستیعاب لا فی الرجال ولا فی الحدیث وإن شرط أن ینخرج ما صح عنہ لأنه قال لم أنخرج فی هذا الکتاب إلا صحیحاً ولم یعرض لشیء أخر (۳۱)

انام بخاری کا مقصد صحیح حدیث کی ایک مختصر کتاب کا تالیف کرنا تھا استیعاب ان کا مقصود نہیں تھا نہ رجال میں نہ حدیث میں اگرچہ انہوں نے یہ شرط کی ہے کہ وہ جس حدیث کی بھی ترجیح کریں گے وہ ان کے نزدیک صحیح ہوگی۔

۳۰۔ ص: ۲۹، طبع شاہجہانی۔

۳۱۔ ص: ۲۱۔

انہوں نے فرمایا ہے کہ میں نے اس کتاب میں جس حدیث کی بھی روایت کی وہ میرے نزدیک صحیح ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی چیز کے اور پے نہیں۔
م مسلم کی شرط کے متعلق ارشاد ہے۔

”وَأَمَّا شَرْطُ مُسْلِمٍ فَقَدْ صَرَّحَ بِهِ فِي خُطْبَةِ سَجَابَه، (۴۴)“

نصام مسلم نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں اپنی شرط کو واضح کر دیا ہے۔
جانتے ہیں کہ دیباچہ صحیح مسلم میں حاکم بیہقی، ابن طاہر وغیرہ نے شرط شیخین کے نقل جو کچھ بیان کیا ہے اس کا ایک حرف مقول نہیں۔

راہل یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ امام بخاری و مسلم نے صحیحین میں بجز اس حدیث ”ان میں جو حدیثیں درج کی جائیں وہ ان کے نزدیک صحیح ہوں“ اور کسی شرط پر اپنی اپنی ضرورت پر ضرورت قرار دی۔ اور اس بارے میں ان کو دیگر عزیزین صحاح امام ابو حنیفہؒ یا امام مالکؒ پر کسی قسم کی کوئی فضیلت حاصل نہیں۔

ومن ادعى خلاف ذلك فعليه البيان.

مطلوب کی حدیثوں کی تعداد ۱۰ ہزار تک نہیں پہنچتی:

مطلوب کی احادیث کی تعداد کے متعلق حاکم کا بیان ہے۔

”جو حدیثیں کہ اس شرط کے مطابق مروی ہیں ان کی تعداد دس ہزار تک نہیں پہنچتی۔“

یہی اس بیان کی بنیاد بھی اسی ہے کہ مرویات صحیحین دس ہزار سے کم ہیں ورنہ ان کی تعداد اتنی کثیر نہیں کہ دس ہزار تک پہنچ سکے۔ حافظ ابو بکر حاذی شروط الاثنتہ عشرہ میں حاکم کا بیان نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

لهذا ظننا منه بانهما لم يخرججا إلا على مار سم وليس كذلك فإن
أقصى ما يمكن إعتباره في الصحة هو شرط البخاری ولا يوجد في
كتابه من النحو الذي أشار اليه إلا القدر اليسير. (۱۴)

یہ حاکم کے اس خیال کی بناء پر ہے کہ تحقیق نے ان کی بیان کردہ شرائط کی
موافق روایات کی تخریج کی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوا کیونکہ صحت کے لئے زیادہ
سے زیادہ جس کا اعتبار کیا جاسکتا ہے وہ شرط بخاری ہے اور خود بخاری کی کتاب
میں ہی تعویذی تعداد میں ایسی روایات پائی جاتی ہیں جو حاکم کی بیان کردہ شرط
کے مطابق ہوں۔

کیا مسلم نے تین قسم کے روایات سے تخریج صحیح کا ارادہ کیا تھا؟

حاکم نے اسی سلسلہ میں یہ بھی تصریح کی ہے کہ

• مسلم بن الحجاج کا یہ ارادہ تھا کہ صحیح کی تخریج تین قسم کے روایات سے کی جائے۔
لیکن جب وہ اس پہلی قسم کی احادیث کی تدوین سے فارغ ہوئے تو کوا بھی
کہولت ہی میں تھے کہ داعی اجل کو لبیک کہا اور اس دلفانی سے رحلت کی۔
رحمہ اللہ تعالیٰ۔

امام مسلمؒ نے مقدمہ صحیح کے اوائل میں بیان فرمایا ہے کہ وہ احادیث کی تین قسم
کریں گے۔

(۱) وہ حدیثیں جن کو حفاظ و مستفین نے روایت کیا ہے۔

(۲) وہ احادیث جو ایسے لوگوں سے مروی ہیں جن کا حفظ و اتقان تو متوسط درجہ کا تھا
صدق و ستر سے موصوف تھے اور علم میں مستور۔

(۴) دور روایات جن کو صرف ضعیف و متردین ہی نے بیان کیا ہے۔

یہ بھی صراحت کی ہے کہ پہلی قسم کی احادیث کے ساتھ ساتھ وہ دوسری قسم کی حدیثیں بھی ذکر کرتے جائیں گے۔ البتہ تیسری قسم کی روایات کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوں گے۔

ہم مسلم کے اس بیان سے ان کی مراد کے سمجھنے میں علماء باہم مختلف الرائے ہیں۔ حاکم اہل اس سلسلہ میں آپ کی نظر سے گزر چکا۔ ان کے مشہور شاگرد محدث بیہقی بھی اہل بارے میں ان کے ہم زبان ہیں۔ (۳۳) قاضی عیاض نے اس سلسلہ میں حاکم پر لکھتے چینی کی ہے تاہم بہت سے لوگ ان کے ہم خیال ہیں خود قاضی صاحب کو اقرار

✦

وهذا مما قبله الشيوخ والناس من الحاكم أبي عبد الله وتابعوه عليه. (۳۵)

ابو عبد اللہ حاکم کے اس بیان کو شیوخ اور سب لوگوں نے قبول کر لیا ہے اور اس سلسلہ میں ان ہی کی پیروی کی ہے۔

لیکن حاکم کا یہ بیان امام مسلم کی تصریح کے بالکل برخلاف ہے لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مقدمہ صحیح سے اصل عبارت نقل کرنے کے بعد اس کی روشنی میں اس بیان کو ہلچا جائے۔ امام مسلم لکھتے ہیں۔

إنا نعد إلى جملة ما أسند من الأخبار عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فنقسمها على ثلاثة أقسام وثلاث طبقات من الناس۔ (۳۶)

۳۵۔ مقدمہ شرح مسلم للنووی، ج: ۱، ص: ۲۳، طبع مصر۔
۳۶۔ ایضاً۔

۳۷۔ صحیح مسلم، ج: ۱، ص: ۲۸، طبع مصر۔

ہم رسول اللہ ﷺ کی احادیث سندہ کے پیشتر حصہ سے اہتمام کریں گے اور ان کی تین قسمیں کر کے زچال کے بھی تین طبقات قرار دیں گے۔
چنانچہ قسم اول کے متعلق ارشاد ہے۔

أما القسم الأول فلأننا سمعنا أن تقدم الأخبار التي هي أسلم من
العيوب من غيرها وأنتى من أن يكون ناقلوها أهل إستقامة في
الحديث وإتقان لما نقلوا لم يوجد في روايتهم إختلاف شديد ولا
تخلیط فاحش۔ (۱۷۷)

قسم اول کی نسبت ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ان تمام احادیث کو مقدمہ رکھیں گے جو
دیگر روایات کی بہ نسبت عیوب سے پاک صاف ہوں گی ان کے ناقلین حدیث
میں بکے اور نقل میں مستحکم ہوں گے جن کی روایات میں نہ سخت اختلاف ہوگا
نہ کھلی سرور۔

اس کے بعد فرماتے ہیں۔

فاذا نحن تصفينا أخبار هذا الصنف من الناس اتبعناها أخباراً
يقع في أسانيدنا بعض من ليس بالموصوف بالمحفظ والإتقان
كالصنف المقدم قبلهم على أنهم وإن كانوا طيبا وصفنا دونهم
فإن إسم السرة والصدق وتعاظم العلم يشملهم۔ (۱۷۸)

پھر جب ہم اس قسم کے لوگوں سے پورے طور پر حدیثیں بیان کر چکیں گے تو
ان کے متصل ہی ایسی احادیث بھی لائیں گے جن کی اسانید میں بعض ایسے لوگ
ہوں گے جو حفظ و اتقان میں تو اتنے نہیں جتنا کہ پہلا طبقہ تاہم باوجود ان سے

۱۷۷۔ صحیح مسلم، ج: ۱، ص: ۵۰، طبع مصر۔

۱۷۸۔ مقدمہ صحیح مسلم، ج: ۱، ص: ۵۱-۵۰۔

حفظ و اتقان میں کم ہونے کے مترادف سے متصف ہیں اور علماء کے زمرہ میں شامل۔

پہری قسم کے حلق رقطرات ہیں۔

فأما ما كان عن قوم هم عند أهل الحديث متهمون أو عند الأكثر منهم فللسنا نقابل بخریج حدیثہم...

لیکن ان لوگوں کی روایات جو محدثین یا ان کی اکثریت کے نزدیک مستم ہیں تو بہر ان کی حدیث کی تخریج میں مشغول نہیں ہوں گے۔

وكذلك من الغالب على حدیثہم المنكر أو الغلط أمسا أيضا عن حدیثہم۔^(۱۳۱)

اور اسی طرح وہ لوگ کہ جن کی حدیث پر نکات غالب ہے یا بیشتر غلطی کرتے ہیں ان کی حدیث کے بیان کرنے سے بھی باز ہیں گے۔

ہم مسلم کا بیان آپ کے سامنے ہے اب حاکم کا یہ کہنا کہ مسلم بن الحجاج کا یہ ارادہ تھا کہ صحیح کی تخریج تین قسم کے رواد سے کی جائے۔

۱۔ اس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ جبکہ تیسری قسم کے حلق خود ان کی تصریح موجود ہے کہ اس کی تخریج سے باز ہیں گے۔ ظاہر ہے کہ مستمین اور منکر الحدیث رواد سے صحیح کی تخریج کسی طرح نہیں کی جاسکتی۔ علاوہ اس پر مانی توضیح الأفكار میں رقطرات ہیں۔

إن تأويل الحاكم بأنه إنما يأتي بالطبقة الأولى غير صحيح لأنه صرح أنه بعد تضيي أخبار أهل الطبقة الأولى يأتي بأهل الطبقة الثانية والظاهر أنه يأتي بهم في كتابه هذا لا غير۔^(۱۳۲)

۱۔ مقدمہ صحیح مسلم، ج: ۱، ص: ۵۶-۵۵

۲۔ توضیح المسائل، قس: ص: ۶۳۔

حاکم کا یہ مراد لینا کہ مسلم صرف طبقہ اولیٰ ہی کی حدیثیں بیان کریں گے۔ یقیناً صحیح نہیں کیونکہ خود مسلم نے تصریح کی ہے کہ وہ پہلے طبقہ کی احادیث روایت کرنے کے بعد دوسرے طبقہ سے روایتیں بیان کریں گے اور ظاہر ہے کہ وہ اسی صحیح میں بیان کرتے ہیں نہ کسی اور کتاب میں۔

قاضی میاض نے اس سلسلہ میں بڑی تحقیقی بحث کی ہے جو ہدیہ ناظرین ہے فرما رہے ہیں۔

”ایک محقق کی نظر میں جو بے دلیل بات کے ماننے کا پابند نہیں حاکم کا بیان غیر صحیح ہے۔ کیونکہ جب حسب بیان مسلم کتابت حدیث کے متعلق ان کی طبقات سے گمانہ کی تقسیم پر غور کیا جائے تو ان کا بیان یہ ہے کہ پہلی قسم میں حفاظ کی حدیثیں داخل ہیں اور جب وہ اس سے فارغ ہوں گے ان لوگوں کی روایتیں ذکر کریں گے جو صدق و ائقان سے موصوف نہیں تاہم اہل ستر و صدق میں سے ہیں اور زمرہ علماء میں داخل۔ پھر ان لوگوں کی روایت کے ترک کرنے کے متعلق کہا ہے جن کے مستم ہونے پر علماء کا اجماع ہے یا ان کی اکثریت کا اتفاق ہے۔ اور اس طبقہ کا ذکر نسین کیا جو بعض کے نزدیک مستم ہے اور بعض نے ان کی حدیث کی صحیح کی ہے۔ میں نے صحیح مسلم کے ابواب میں اول کے دونوں طبقوں کی روایات کو پایا ہے۔ دوسرے طبقہ کی اسانید کو پہلے طبقے کی متابعت یا استشاد کے لئے ذکر کیا ہے یا جہاں پہلے طبقہ کی احادیث نہ مل سکیں تو دوسرے طبقے سے حدیثیں ذکر کی ہیں۔ نیز ان لوگوں سے بھی روایتیں کی ہیں جن پر ایک جماعت نے کلام کیا ہے اور دوسری جماعت نے ان کی توثیق کی ہے اور ان لوگوں سے بھی روایات موجود ہیں جن کی تضعیف کی گئی ہے یا جن پر بدعت کا اہتمام ہے۔ بخاری نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ پس میرے نزدیک مسلم نے اپنے کہنے کے مطابق تینوں طبقات کی روایات درج کی ہیں اور کتاب کی ترتیب میں اپنی بیان کردہ تقسیم کا لحاظ رکھا ہے۔ چوتھے طبقے کو حسب تصریح نظر انداز

کر دیا۔ حاکم یہ سمجھ بیٹھے کہ وہ ہر طبقے کے لئے علیحدہ مستقل کتاب تصنیف کریں گے اور ہر ایک کی حدیثیں جداگانہ روایت کریں گے حالانکہ مسلم کا یہ مقصد بالکل نہیں بلکہ ان کی مراد جیسا کہ ان کی تالیف سے ظاہر اور ان کے مقصود سے واضح ہے یہ ہے کہ وہ ابواب کتاب میں اس کا لحاظ رکھتے ہیں اور دونوں طبقوں کی احادیث کو بیان کرتے ہیں پہلے طبقے کی روایات کو اول میں اور دوسری قسم کی حدیثوں کو بطور متابعت و استشاد بعد میں یہاں تک کہ تینوں قسم کی احادیث کا بیان ہو جائے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ طبقات سرگاندہ سے حفاظ پھر ان سے نیچے درجے کے روایات اور پھر ان سے بھی نیچے تیسرے درجے کے جن کو مسلم نے نظر انداز کر دیا ہے مراد ہوں۔

اس کا بھی خیال رہے کہ مسلم نے علل حدیث کے ذکر کا جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کیا چنانچہ متعدد مواقع پر ابواب کتاب میں اس کو بیان کیا اور اختلاف استاد مثلاً الحدیث، رفع، زیادت و نقص کو واضح کیا۔ نیز تصنیفات محدثین کو بھی بتایا۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تالیف کتاب سے جو ان کا مقصد تھا اس کا انہوں نے بجا طور پر لحاظ رکھا اور کتاب میں جن چیزوں کے بیان کرنے کا وعدہ کیا تھا ان کو پورا کیا۔ (۱۵)

اس بحث کے متعلق قاضی عیاض لکھتے ہیں۔

”اپنی اس بحث اور اس رائے کو میں نے اہل فن کے سامنے پیش کیا تو میں نے دیکھا کہ ہر انصاف پسند نے اس کو درست بتایا اور میرا ایمان اس پر واضح ہو گیا۔

اور جو شخص بھی کتاب پر غور کرے اور تمام اجواب کا مطالعہ کرے اس پر یہ بات ظاہر ہے۔ (۱۷۲)

محدث نووی قاضی میاض کے بیان کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔
وهذا الذي اختاره ظاهراً جداً. (۱۷۳)
قاضی میاض نے جو پسند کیا ہے بالکل ظاہر ہے۔

کیا باور کیا جاسکتا ہے کہ احادیث نبویہ کی تعداد ۱۰ ہزار سے بھی کم ہے:
اس سلسلہ میں حاکم نے بڑی عمدہ بحث کی ہے جو ممکن ہے کہ کوئی نظر منکرین حدیث کے لئے شیخ بصیرت کا کام دے، فرماتے ہیں۔

”یہ کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ احادیث نبویہ کی تعداد دس ہزار تک نہیں پہنچتی جبکہ رسالت مآب ﷺ سے صحابہ میں سے چار ہزار مرد اور عورتوں نے روایتیں بیان کی ہیں جو ہجرت سے پہلے مکہ میں اور ہجرت کے بعد مدینہ میں ۲۳ سال تک آنحضرت ﷺ کی صحبت بابرکت سے شرف اندوز رہے۔ جنہوں نے آپ کے اقوال و افعال، خواب اور بیداری، حرکت اور سکون، نشست و برخاست، مجاہدہ و عبادت، سیرت و شاکل، سرایا و سفاری، مزاج اور زجر، خطبات و مواظبات، اکل و شرب، رقتہ و گفتار، خاموشی اور سکوت، ازدواج مطہرات سے خوش طبعی، گھوڑوں کا سدھانا، مسلمانوں اور مشرکوں کے نام آپ کے نام سے، عمو و مویشی، غرض ہر لحظہ و ہر منٹ کے تمام حالات کو یاد رکھا ہے اور یہ سب ان احکام شریعت، عبادت اور حلال و حرام کے علاوہ ہے جس کی ہر چیز کو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے سیکھا اور حفظ کیا ہے۔ اور ان تمام قضایا اور

فیصلوں کے علاوہ یہ جس کو حضور سرور عالم ﷺ نے بحیثیت امیر و حاکم کے لیصل فرمایا۔

نچے اس سلسلہ میں حاکم نے ان متعدد روایات کو پیش کیا ہے جن میں آنحضرت ﷺ کے متعلق بعض معمولی معمولی باتیں نکتہ مذکور ہیں۔ جیسے آپ کی سواری کی نذر، حضور ﷺ کا مزاج، بچوں کو کھانا، کمرے ہو کر پانی نوش فرمانا وغیرہ وغیرہ کے بعد در نظر آتے ہیں کہ:

• کیا ان حالات میں ذراؤں کے لئے بھی یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ ہزاروں صحابہ جو میدان جہاد میں صف در صف نظر آتے ہیں بغیر کسی روایت اور حدیث کے بیان کئے ہوئے اللہ کے مگر سدھار گئے۔ عام الفتح میں جب حضور انور ﷺ مکہ میں لڑو کش ہوئے ہیں تو چند ہزار سواری کی جمعیت ہرکاب تھی۔ حدیث کے متعدد حافظ ایسے گزرے ہیں کہ پانچ لاکھ حدیثیں جن کی نوٹ زبان پر تھیں۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ہے کہ صحیح حدیثوں کی تعداد سات لاکھ ہے۔ (۱۴۲)۔ امام اسحق بن راہویہ اپنے حافظہ سے ستر ہزار احادیث کا املا

داخی رہے کہ اس تعداد میں اقوال صحابہ و تابعین بھی داخل ہیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں۔ اور صحیح سنن احادیث و اقوال الصحابہ و التابعین (حدیب المرادی، ص: ۸) امام احمد کی سربراہ احادیث میں اقوال صحابہ و تابعین سے ہے جو صحیح ہے۔ یہ بھی ذیل رہے کہ محدثین کے نزدیک چوں حدیث کے صحابی تلفظ ہوئے۔ متعدد حدیثیں شد کی گئیں گو الفاظ معانی اور واقعہ ایک ہی ہو لیکن فقہاء کے نزدیک معنی کا اعتبار ہے جب نکتہ معنی ایک ہوں گے حدیث بھی ایک ہی سمجھی جائے گی لیکن اگر کسی حدیث کو مثلاً دس صحابہ نے بیان کیا تو محدثین کے نزدیک وہ دس حدیثیں کلاں نہیں گی بلکہ فقہاء کے نزدیک ایک حدیث ہے۔ عبد العزیز صاحب بستان الحدیثین میں فرماتے ہیں: "باید دانست کہ محدثین ہر گاہ کہ صحابی تلفظ شد حدیث دیگر گفت گو الفاظ و معنی و قصد خود باشند بخلاف عرف فقہاء کہ نزدیک اعتبار معنی است نظر بلفظ و تنگد اسل معنی واحد است حدیث واحد است بلکہ خصوصیات فقہاء و اسل معنی نیز نزدیک اس و مل ندارد کو فائدہ و مائدہ حکم رانی رسند و الحق نظر ایشان کو استنبلا لفت ہمیں رانندہ نامیکند۔"

کراتے تھے۔ حافظ ابو کریب نے کوفہ میں تین لاکھ حدیثیں بیان کیں۔ محدث ابو بکر بن ابی دارم سے میں نے سنا ہے فرماتے تھے کہ میں نے اپنی ان انگلیوں سے ابو جعفر حضری مطین سے ایک لاکھ حدیثیں لکھی ہیں۔ محمد بن سائب کا بیان ہے کہ جب میں مصر میں قطع مسافت کر رہا تھا تو میرے پاس ایک سو جزو تھے اور ہر جزو میں ایک ہزار حدیثیں۔

حاکم فرماتے ہیں کہ خود ہمارے زمانے میں ایک جماعت محدثین نے جو مسندیں تراجم رجال پر تصنیف کی ہیں ان میں سے ہر تصنیف ایک ایک ہزار جزو کی ہے۔ چنانچہ ابو اسحق ابراہیم بن محمد بن حمزہ اصفہانی اور ابو علی حسین بن محمد بن احمد السمرجسی بھی ان ہی لوگوں میں ہیں۔

صحیح تعلق علیہ کی دوسری قسم:

حدیث صحیح کی دوسری قسم کے متعلق حاکم کا بیان ہے۔

”صحیح کی دوسری قسم وہ حدیث ہے جس کو ایک ثقہ نے دوسرے ثقہ سے روایت کیا ہو اور اسی طرح روایت ثقہات حفاظ سلسلہ سند صحابی تک متصل ہو۔ لیکن اس صحابی سے اس حدیث کا ایک شخص کے سوا کوئی دوسرا راوی نہ ہو جیسے حضرت عروہ بن معمر طائی کی حدیث کہ میں رسالت مآب ﷺ سے مزدلفہ میں آکر ملا اور میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ نبی طے کی دونوں پہلوئوں (اسلی و أجماع) کو طے کر کے آ رہا ہوں۔ مجھے بڑی شقت اٹھانی پڑی۔ میری سواری تھک گئی۔ خدا کی قسم راستے میں کوئی پہلا ایسا نہیں آیا جہاں مجھے اترنا نہ پڑا ہو۔ تو کیا اب بھی میرا حج نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا جس نے ہمارے

ص: ۲۹، طبع جہتانی دہلی۔ امام احمد نے یہ تعداد محدثین کی اصطلاح کے مطابق بیان کی ہے۔

ساتھ یہ نماز لو اکی اور ایک دن یا ایک رات کھیلے عرفہ میں آئیں اس کا حج پورا ہوا اور احرام کھل گیا۔

حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث اصول شریعت میں داخل اور فقہاء فریقین میں مقبول و متداول ہے لیکن بخاری و مسلم نے اس بارے میں صحیحین میں اس کی تخریج نہیں کی کہ اس حدیث کو حضرت عروۃ بن مسفر سے بچے شعبی کے اور کوئی روایت نہیں کرتا۔ عروۃ کے علاوہ بھی ایسے بہت سے صحابہ ہیں جیسے عیسر بن قنابہ، یثیث کہ ان سے بجز ان کے بیٹے عبید کے اور کوئی روایت نہیں کرتا۔ اسی طرح ابو لیلیٰ انصاری سے ان کے بیٹے عبدالرحمن کے سوا دوسرا راوی نہیں۔ قیس بن ابی غزوہ غفاری نے باوجود یہ کہ رسول اللہ ﷺ سے کثرت سے روایتیں کی ہیں لیکن ان سے صرف ایک ہی راوی ہیں ابو وائل شقیق بن سلمہ (ابو وائل کوفہ کے اجلہ تابعین میں سے ہیں، حضرت عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ اور دیگر صحابہ سے ملے ہیں) اسامہ بن شریک اور قطبہ بن مالک دونوں مشہور صحابی ہیں مگر زیاد بن علقمہ کے سوا جو کبار تابعین میں سے ہیں ان سے کوئی راوی نہیں۔ اسی طرح مرداس بن مالک اسلمی، مستورد بن شداد فہری، دحیٰ بن سعید مزینی سب کے سب صحابی ہیں لیکن قیس بن ابی حازم کے علاوہ ان تینوں بزرگوں سے کوئی اور روایت بیان نہیں کرتا۔ (قیس کبار تابعین میں سے ہیں۔ عہد نبوی ﷺ میں ان کی ولادت ہوئی اور خلفاء اربعہ کی صحبت سے شرف اندوز ہوئے)۔

غرض ایسی مثالیں بہت ہیں۔ بخاری و مسلم نے اس قسم کی صحیح میں تخریج نہیں کی ہے لیکن یہ حدیثیں فریقین میں متداول ہیں اور ان اسانید سے سب احتجاج کرتے ہیں۔

حاکم کی حیرت انگیز اختلاف بیانی:

صحیحین میں اس قسم کی تصریح کے متعلق سابق میں مفصل بحث پر رد قلم کی جا چکی ہے جس سے حاکم کے اس بیان کی حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ مستدرک علی الصحیحین حاکم نے المدخل کے بعد تصنیف کی ہے۔^(۱۳۸)

لیکن اس میں بھی اس مسئلہ پر ان کی تحریر میں سخت تضاد ہے چنانچہ جہاں انہوں نے متعدد مواقع پر اپنے اس بیان کی موافقت کی ہے کئی مقامات پر خود ہی اس کی مخالفت بھی کی ہے۔ مثلاً عبد اللہ بن شعیب کی حدیث لیدخلن الجنة بشفاعه رجل من أمتی۔^(۱۳۹) اور حدیث عبد الرحمن بن لزہم إنما مثل العبد المؤمن حين يصيب الرعد والحمى۔^(۱۴۰) اور حدیث إذا توضأت غطلت الأصابع^(۱۴۱) نیز حدیث سماسره^(۱۴۲) اور عمرو بن قنبل کی أشرط الساعة^(۱۴۳) والی روایت کو ذکر کرنے کے بعد شیخین کے ان روایات کے نقل نہ کرنے کی یہی وجہ بتائی ہے۔ لیکن متعدد مواقع پر اس کے بالکل برخلاف یہی تصریح کی ہے۔ چنانچہ حدیث ما جعل أجل رجل بأرض إلا جعلت له فيها حاجة کو روایت کر کے فرماتے ہیں۔ هذا حديث صحيح على شرط الشيخين فقد اتفقا جميعا على إخراج جماعة من الصحابة ليس لكل واحد من هم إلا راب واحد۔^(۱۴۴)

۱۳۸۔ دیکھو المستدرک علی الصحیحین، ج: ۱، ص: ۴، طبع دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن۔

۱۳۹۔ ایضاً

۱۴۰۔ ایضاً

۱۴۱۔ ایضاً

۱۴۲۔ ایضاً

۱۴۳۔ ایضاً

۱۴۴۔ ج: ۱، ص: ۴۴۔

یہ حدیث شرط شیخین پر صحیح ہے کیونکہ دونوں نے صحابہ کی ایک جماعت سے ایسی حدیث کی تخریج پر اتفاق کیا ہے جس کا ان سے صرف ایک ہی راوی ہے۔

میرے خیال میں اس بارے میں ان کا حال بالکل قاضی ابو بکر ابن العربی کا سا ہے کہ پہلے تو شیخین کے متعلق اپنے دل میں یہ باور کر لیا کہ انہوں نے ان کی مرسومہ شرط کی پابندی کی ہے، چنانچہ جا بجا اپنے اس خیال کو نہایت ہی وثوق کے ساتھ پیش کرتے رہے۔ پھر جب دیکھا کہ صحیحین میں بعض روایات ایسی بھی موجود ہیں جن سے ان کے اس دعویٰ کی تردید ہوتی ہے اور اس قسم کی روایات کے بیان کرتے وقت اس کا خیال بھی رہا تو ان شیخین ہی کو الزام دیدیا کہ ان کو بھی اس سے احتجاج لازم تھا۔ کیونکہ یہ ان کی شرط کے مطابق ہے ورنہ اپنے پہلے ہی دعویٰ کا اعادہ فرما دیا کہ چونکہ اس روایت میں تابعی صحابی سے منفرد ہے اس لئے شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی۔

چنانچہ شریح بن ہانی کی حدیث: "یا رسول اللہ! شیء یوجب الجنبۃ قال ھلک بحسن الکلام وبذل الطعام" کو بیان کرنے کے بعد رقمطراز ہیں۔

"یہ حدیث مستقیم ہے جس میں کوئی علت موجود نہیں۔ شیخین کے نزدیک اس میں علت یہ ہے کہ ہانی بن زید سے ان کے بیٹے شریح کے علاوہ کوئی اور راوی نہیں اور میں اس کتاب کی ابتداء میں یہ شرط بیان کر چکا ہوں کہ ایک معروف صحابی سے جب ایک مشہور تابعی کے علاوہ کوئی دوسرا راوی ہم کو نہ مل سکے تو ہم اس کی حدیث سے احتجاج کر لیں گے اور اس کو صحیح قرار دیں گے کیونکہ وہ بخاری و مسلم دونوں کی شرط پر صحیح ہے۔ اس لئے کہ بخاری نے مراد اس اسلسی سے قیس بن ابی حازم کی حدیث پذہب الصالحون سے احتجاج کیا ہے۔ اسی طرح ہدی بن عیسہ سے قیس کی روایت من استعمالنا علی عمل کو بطور حجت بیان کیا ہے حالانکہ ان دونوں سے بجز قیس کے اور کوئی راوی نہیں۔ اسی طرح مسلم نے ان روایت سے جن کو ابو مالک اشجعی اور مجزہ بن زابر اسلسی اپنے

اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں احتجاج کیا ہے۔ لہذا بخاری و مسلم دونوں کو اپنی اس شرط کی بنا پر شریع کی حدیث سے احتجاج کرنا لازم ہے۔ (۱۸۲)

میا خوب خود ہی تو اپنے خیال کے مطابق شیخین کی طرف سے اس حدیث میں احتجاج پیش کی اور پھر خود ہی ان کو اِثْرَام دینے لگے۔

ع بسوحت عقل زحیرت کہ ایں چہ بواصمبہی ست

لطف یہ کہ مساحت سے ان کا یہ بیان بھی خالی نہیں کیونکہ عدی بن عبیرہ کی حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے نہ بخاری نے اور زہر اسلمی کی روایت بخاری ہے نہ کہ مسلم میں۔

المدخل میں تصریح کی تھی کہ مرد اس اسلمی سے صحیحین میں روایت نہیں کی مستدرک میں خود انہوں نے بخاری میں ان کی روایت کو مان لیا۔ اسی طرح مستدرک میں شداد فہری اور قطبہ بن مالک کے متعلق جو کہا ہے کہ شیخین ان سے روایت کرتے وہ بھی غلط ہے کیونکہ مسلم میں مستدرک کی بواسطہ قیس بن ابی حازم اور قطبہ بواسطہ زیاد بن علاقہ روایتیں موجود ہیں۔ (۱۸۳)

صحیح تعلق علیہ کی تیسری قسم:

اس کے متعلق ارشاد ہے کہ:

”صحیح کی تیسری قسم تابعین کی وہ احادیث ہیں جن کو انہوں نے صحابہ سے روایت کیا ہے اور وہ تابعین سب ثقات ہیں لیکن ہر تابعی سے صرف ایک ہی اس حدیث کا راوی ہے جیسے محمود بن حنفیہ، (۱۸۴) عبدالرحمن بن قرداغ،

۱۸۲۔ مستدرک، ج: ۱، ص: ۲۳۔

۱۸۳۔ شرط الاثر والسنۃ للہذلی، ص: ۸۰، ۸۱۔

۱۸۴۔ تدریب الراوی میں امام محمد بن حنفیہ مذکور ہے، ص: ۳۵۔

عبدالرحمن بن سعید، اور زیاد بن الحارث وغیرہم کہ ان سب سے بجز عمرو بن دینار کے جو اہل مکہ کے امام ہیں اور کوئی راوی نہیں۔ اسی طرح ایک جماعت تابعین سے جن میں عمرو بن ابان بن عثمان، محمد بن عمرو بن زہیر، عقبہ بن سوید انصاری، شان بن ابی شان، دہلی وغیرہ داخل ہیں۔ امام زہری روایت میں منفرد ہیں ایسے ہی یحییٰ بن سعید انصاری تابعین کی ایک جماعت سے جیسے یوسف بن مسعود زرقی، عبداللہ بن ابی، انصاری، عبدالرحمن بن مغیرہ سے اکیلے راوی ہیں۔ صحیحین میں ایسی کوئی روایت موجود نہیں۔ حالانکہ یہ سب روایات صحیح ہیں۔ کیونکہ ان کو ایک عدل دوسرے عدل سے روایت کرتا ہے۔ اور فریقین میں متداول ہیں جن سے احتجاج کیا جاتا ہے۔

لیکن اس تیسری قسم کے متعلق بھی یہ کہنا کہ: "صحیحین میں ایسی کوئی روایت موجود نہیں" صحیح نہیں ہے۔ علامہ سیوطی تدریب الراوی میں رقمطراز ہیں۔

قال شيخ الإسلام في نكته بل فهما القليل من ذلك كعبد الله بن وديعه وعمر بن محمد بن جبیر بن مطعم وربيعة بن عطاء. (۱۸۵)

شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب نکت میں تصریح کی ہے کہ صحیحین میں کچھ ایسی حدیثیں بھی موجود ہیں جیسے عبداللہ بن وديعه، عمر بن محمد بن جبیر بن مطعم اور ربيعة بن عطاء کی روایات۔

سید امیر میمانی نے بھی توضیح الافکار شرح تنقیح الافکار میں حاکم کے اس قول کی تردید کی ہے۔ (۱۸۶)

۱۸۵۔ م: ۳۵۔

۱۸۶۔ کتاب مذکور، م: ۵۳ قلمی۔

صحیح متعلق علیہ کی چوتھی قسم:

فرماتے ہیں:

صحیح کی چوتھی قسم وہ احادیث افراد غرائب ہیں جن کو ثقات عدول نے بیان کیا ہے لیکن ثقات میں سے ایک شخص اس کی روایت میں متفرد ہے۔ اور کتب حدیث میں وہ حدیث دوسرے طرق سے مروی نہیں جیسے علاء بن عبد الرحمن کی اپنے باپ کے ذریعہ سے حضرت ابو ہریرہ سے یہ روایت: إذا انصف شعبان فلا تصوموا حتی یبعث رمضان۔ مسلم نے علاء کی اکثر احادیث کی صحیح میں تخریج کی ہے۔ لیکن اس قسم کی روایات کو اس لئے نہیں بیان کیا کہ علاء اس کے بیان کرنے میں اپنے باپ سے متفرد ہے اسی طرح ایمن بن نابل مکی کی بواسطہ ابو الزہیر حضرت ہریرہ سے یہ روایت کہ آنحضرت ﷺ تشہد میں بسم اللہ و ما اللہ فرماتے تھے۔ کو ایمن بن نابل ثقہ ہے اور اس کی روایت صحیح بخاری میں موجود ہے لیکن بخاری نے اس حدیث کو اس لئے روایت نہیں کیا کہ ابو الزہیر کا صحیح سند سے کوئی متابع موجود نہیں۔

غرض اس طرح کی بہت سی حدیثیں ہیں جو سب کی سب صحیح الاسناد ہیں لیکن صحیحین میں ان کی تخریج نہیں کی گئی۔

یہاں بھی صحیحین میں عدم تخریج کے متعلق جو بیان کیا گیا ہے صحیح نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

بل فیہما کثیر منہ لعلہ یزید علی ماخی حدیث وقد أفردها الحفاظ ضیاء الدین المقدسی وہی المعروفة بغرائب الصحیح۔ (۱۸۷)

بلکہ صحیحین میں ایسی حدیثیں بہت ہیں غایباً دوسرے سے بھی زیادہ حافظ ضیاء الدین مقدسی نے ان سب کو علیحدہ جمع کیا ہے یہ غرائب صحیح کے نام سے مشہور ہیں۔

حک متعلق علیہ کی پانچویں قسم

حک متعلق ارشاد ہے :

حک کی پانچویں قسم امر کی ایک جماعت کی اپنے آباؤ اجداد سے روایت کردہ وہ احادیث ہیں جن کی روایت ان کے آباؤ اجداد سے صرف ان ہی کے ذریعہ سے متواتر ہے جیسے عمرو بن شعیب کا وہ صحیفہ جس کو وہ اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں۔ اسی طرح بہز بن حکیم بن معاویہ اور ایاس بن معاویہ بن قرہ کا صحیفہ کہ دادا تو صحابی ہیں اور پوتے ثقات ایسی سب حدیثیں نہایت کثرت سے علماء کی کتابوں میں اجماع کے لئے پیش کی جاتی ہیں۔

حاکم کا بیان ہے کہ یہ پانچوں اقسام کی احادیث امر کی کتابوں میں موجود ہیں جن سے اجماع کیا جاتا ہے اگرچہ (بجز قسم اول کے) ایک حدیث بھی ان میں سے صحیحین میں موجود نہیں۔

ان تینوں صحیفوں سے صحیحین میں روایت نہ ہونے کے متعلق حافظ ابن حجر مصطلحاً کا بیان ہے۔

”صحیحین میں اس قسم کی تحریر سے یہ امر مانا نہ تھا کہ وہ احادیث باپ سے بواسطہ دادا کے منقول ہیں بلکہ اس سبب سے روایت کو نہیں بیان کیا کہ وہ راوی یا ان کا باپ صحیحین کی شرط پر نہ تھا، ورنہ صحیحین میں یا صرف صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں علی بن حسین بن علی، محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر، ابی بن عباس بن سہل، اسحاق بن عبداللہ بن ابی ظفر، حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب نیز ان کے بھائی عبداللہ اور حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب وغیرہم سے وہ روایات

لیہ قال رسول اللہ ﷺ اسی وقت کہے گا جبکہ اس کی صحت کے معلوم کرنے کی پوری دیکھ کوشش کر لی ہو۔

نہا ہزار میں سے محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک مراسیل احادیث داہیہ میں شامل ہیں، جو احتجاج کے قابل نہیں۔ سعید بن السیب، محمد بن مسلم زہری، مالک بن انس، عبد الرحمن اوزاعی، محمد بن ادریس شافعی، احمد بن حنبل اور بعد کے فقہاء۔ یہ کامیابی قول ہے۔

مرسل کے بارے میں مذاہب ائمہ کی تحقیق:

ہم نے مرسل سے عدم احتجاج کے بارے میں جن بزرگوں کا نام لیا ہے ان میں بجز امام شافعی کے باقی سب ائمہ مرسل کو قابل استناد و احتجاج سمجھتے تھے۔ یہ اور بات ہے ان میں سے کسی ایک نے کسی خاص مرسل کی تضعیف کی ہو اور اس کو ناقابلِ تہذیب قرار دیا ہو جس سے حاکم نے یہ خیال کر لیا کہ وہ سرے سے حدیث مرسل کو حجت نہیں مانتے۔ ورنہ ان بزرگوں سے حدیث مرسل کے ناقابل احتجاج ہونے کے متعلق الی تصریح موجود نہیں بلکہ یہ سب حضرات خود احادیث مراسیل روایت کرتے تھے، ان کو صحیح قرار دیتے تھے۔ امام مالکؒ کے متعلق سابق میں حافظ ابن حجر اور علامہ بیہقی کے بیان میں تصریح گزر چکی ہے کہ مؤطا میں انہوں نے کثرت سے مرسل روایتیں بیان کی ہیں اور وہ مراسیل کو صحیح اور قابلِ عمل سمجھتے تھے۔ ہاں البتہ امام احمدؒ اس بارے میں دو قول مروی ہیں لیکن مشہور قول یہی ہے کہ احادیث مراسیل ان کے نزدیک بھی صحیح ہیں۔ قبول مراسیل کے بارے میں کچھ ان ائمہ کی تفصیلات نہیں ملے سارے صحابہ و تابعین ان کو بالاتفاق حجت مانتے تھے۔ امام ابو داؤد سبستانی، امام بیہقی نے مرسل کی قبولیت پر علماء سلف کا اجماع نقل کیا ہے اور تصریح کی ہے کہ امام شافعیؒ سے پہلے کسی شخص نے بھی ان کے ماننے سے انکار نہیں کیا۔

چنانچہ امام ابو داؤد اپنے مشہور رسالہ اہل مکہ میں رقمطراز ہیں۔

وأما المراسيل فقد كان يحتاج به العلماء فيما مضى مثل سفیان الثوري ومالك والأوزاعي حتى جاء الشافعي وتكلم فيه وتابعه على ذلك أحمد حنبل وغيره. (۹۰)

مراسل سے سارے اگلے علماء احتجاج کرتے تھے جیسے سفیان ثوری، مالک، اور اوزاعی یہاں تک کہ شافعیؒ آئے اور انہوں نے اس میں کلام کیا اور احمد بن حنبلؒ وغیرہ۔ اس بارے میں ان کی اجماع کی۔

اور امام ابن جریر طبرانیؒ فرماتے ہیں۔

إن التابعين كلهم أجمعوا على قبول المراسيل ولم يأت عنهم إنكاره ولا عن واحد من الأئمة بعدهم إلى رأس الماليتين الذين هم من القرون الفاضلة المشهود لها من الشارع صلى الله عليه وسلم بالخيرية. (۹۱)

”تمام تابعین کا مراسل کے قبول کرنے پر اجماع ہے نہ ان میں سے کسی سے اور نہ دو سو برس بعد کے کسی امام سے مراسل کا انکار مروی ہے یہ دونوں صدیاں اس مبارک عہد میں داخل ہیں جس کی برکت کی خود آنحضرت ﷺ نے شہادت دی ہے۔“

حافظ ابن عساکرؒ نے تصریح کی ہے۔

كان ابن جرير يعني أن الشافعي أول من أبى قبول المراسيل. (۹۲)

۹۰۔ ترمذی، معجم، قس، ص: ۱۵۰۔

۹۱۔ تصحیح حافظ، قس، ص: ۹۳، بحریب الراوی، ص: ۶۷، شرح شرح المنہج لوجہ الطبری، ص: ۳۹، دایمنا علی القدری، ص: ۱۱۲، تصحیح و تحریب میں اہل راہ المالکین تک منقول ہے الذہبی، ص: ۱۱۲، القرون الخاتمہ کی دونوں کتابوں سے لیا گیا ہے۔

ابن جریر کی مراد شافعی سے ہے کہ سب سے پہلے انہوں نے مراسل کے ماننے سے شروع کیا۔

ہام شافعی کی رائے

ہاں تو ہام شافعی بھی قطعی طور پر مرسل کو ناقابل احتجاج قرار نہ دے سکے تاہم انہوں نے اس کو صحیح تسلیم کرنے کیلئے حسب ذیل شرائط کا اضافہ کیا۔

(۱) وہ یا اس کے ہم معنی دوسری روایت سنداً موجود ہو۔

(۲) یا دوسرے تابعی کی مرسل اس کے موافق مروی ہو۔

(۳) یا صحابہ کا فتویٰ اس کے مطابق پایا جائے۔

(۴) یا عام علماء اسی مضمون پر فتویٰ دیں۔

اگر راوی سند بیان کرے تو کسی مجہول یا ضعیف کا نام نہ لے اور جب روایت حفاظ کے ساتھ شریک روایت ہو تو ان کی مخالفت نہ کرتا ہو۔

ان شرائط سے روایت خالی ہے تو وہ صحیح نہیں پھر ان کی صحت کے مدارج بھی ان کی ترتیب پر ہیں۔ یعنی جس میں پہلی شرط پائی جائے وہ زیادہ قوی پھر علی الترتیب بعد کی بیسوں قسم کی مراسل۔ (۴۳)

امام احمد کا مذہب

حافظ ابو الفرج بن الجوزی نے اپنی مشہور کتاب تحقیق میں امام احمد بن حنبل سے روایت کی ہے کہ مرسل حجت ہے اور محدث خطیب بغدادی نے جامع میں امام موصوف کا یہ قول نقل کیا ہے۔

••• تحقیق الاقطار قسمی، ص: ۹۳، تدریب الراوی، ص: ۶۷ میں بھی اسی کے قریب قریب منقول

••• اصول فقہ لکھنؤ الحضری، ص: ۲۸۸ طبع مصر۔

ربما كان المرسل أقوى من المستند. (۳۴)

کبھی کبھی مرسل مستند سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے۔

فضل بن زیاد کا بیان ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے ابراہیم نخعی کے مراسیل کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ لا بأس بها (ان میں کوئی نثرانی نہیں)۔ (۳۵) سعید بن المسیب کی مراسیل کو امام موصوف نے اصح المراسیل فرمایا ہے۔ (۳۶) مراسیل کو صحیح ماننے کے متعلق امام موصوف کا مذہب اس درجہ مشہور ہے کہ نواب صدیق حسن خاں نکٹ اس کی شہرت سے انکار نہ کر سکے فرماتے ہیں۔

”ابو حنیفہ و رطافہ کہ احمد در قول مشہور از ایشان است گفتہ کہ صحیح است۔“ (۳۷)

یہ خیال رہے کہ اس بارے میں ابن الجوزی کے بیان کی جواہریت ہو سکتی ہے وہ دوسرے کی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ خود حنبلی ہیں۔ صاحب الیث ادری بما فیہ (اور گھر کا حال کچھ گھر والا ہی زیادہ جانتا ہے)۔

اہل مدینہ کا عمل:

حاکم کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ: ”فقہاء اہل مدینہ مرسل کو حجت نہیں گردانتے“۔ حافظ خلیب بغدادی الکفایۃ فی علم الروایۃ میں لکھتے ہیں۔

قد اختلف العلماء فی وجوب العمل بما هذه حاله فقال بعضهم إنهم مقبول ويجب العمل به إذا كان المرسل ثقة عدلا وهذا قول مالك وأهل المدينة وأبي حنيفة وأهل العراق. (۳۸)

۳۴۔ ابن دونوں علموں کے لئے دیکھو: شرح ختایہ لماعلی القادری، ج: ۱، ص: ۲۰۱۔

۳۵۔ لکھتایہ، طبع دائرۃ المعارف، ص: ۳۸۶۔

۳۶۔ ایضاً، ص: ۳۰۳۔

۳۷۔ منہج الوصول، ص: ۷۷۔

مرسل کے واجب العمل ہونے میں علماء باہم مختلف ہیں بعض کا قول ہے کہ وہ مقبول نہیں اور اس پر عمل واجب ہے جبکہ اہل رسال کتندہ ثقہ اور عادل ہو اور یہی قول ہے مالکؒ بخوار اہل مدینہ کا اور ابو حنیفہؒ اور اہل عراق کا۔

مختلف کے زمانہ میں علم کے دو ہی بڑے مرکز تھے مدینہ اور عراق، سعید بن المسیب اور بخاری دونوں اہل مدینہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ خطیب کی تصریح کے مطابق سارے اہل مدینہ اور اہل عراق حدیث مرسل کو مقبول سمجھتے اور اس پر عمل واجب جانتے تھے۔

مرسل کے ناقابل احتجاج ہونے کے دلائل:

حاکم نے مرسل سے عدم احتجاج پر یہ آیت پیش کی ہے

فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیضعفوا فی الدین۔
اور استدلال میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔

یقرن اللہ تعالیٰ الروایۃ بالسمع من نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
اللہ تعالیٰ نے روایت کو نبی ﷺ کے سننے سے ملایا۔

حاکم کے دعوے اور دلیل میں مطابقت تو دور کی بھی نہیں اور پھر استدلال میں جو الفاظ قرآن کئے ہیں ان سے بھی استدلال تکتہ اور غیر واضح ہی رہتا ہے۔ عاقلاً غلط یہ ہے کہ چونکہ آیت مذکورہ میں یہ حکم ہے کہ ہر قوم کے کچھ لوگ سفر کر کے دین میں تقفہ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو خبر دیں اس سے یہ معلوم ہوا کہ بغیر سننے روایت میں کرنا چاہئے اور چونکہ مرسل میں سماع مذکور نہیں ہوتا اس لئے وہ حجت نہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ امام تاجی یا بیہقی جب کوئی حدیث روایت کرتا ہے تو اس کے سماع متصل کو معلوم کر کے ہی تو روایت کرتا ہے نہ کہ کسی شخص سے اور اس کے سلسلہ سند کو

معلوم کئے بغیر بلا تحقیق قال رسول اللہ ﷺ کہہ دیتا ہے اگر ایسا ہے تو وہ امام تو سراسر وضاع و کذاب ہے۔ حالانکہ مرسل کی تعریف میں خود حاکم نے تصریح کی کہ امام تابعی یا تبع تابعی کے قال رسول اللہ ﷺ کہنے کو کہتے ہیں نہ کہ کسی غیر شخص کے قول کو۔

پھر یہ تین حدیثیں دلیل میں بیان کی ہیں۔

(۱) نضر اللہ امرأ سمع مقالتي فوعاها حتى يؤديها إلى من يسمعها۔

”اور اللہ تعالیٰ اس شخص کو شاداب رکھے جس نے میرے قول کو سنا اور یاد رکھا یہاں تک کہ اس کے سننے والے تک پہنچا دیا۔“

(۲) سمعون وسمع منكم وسمع من الذين يسمعون منكم ثم يأتي ذلك قوم سمان يحبون السمن ويشهدون قبل أن يسلوا۔

”تم سنتے ہو اور تم سے سنا جائے گا اور ان لوگوں سے سنا جائے گا جو شیخ کے ان لوگوں سے جو تم سے شیخ کے پھر اس کے بعد ایک ایسی قوم آئے گی جو سوائی ہوگی اور مونا پے کو پسند کرے گی وہ لوگ سوال کرنے سے پہلے شہادت دے لگیں گے۔“

(۳) حدوا عني كما سمعتم۔

”تم نے جس طرح مجھ سے سنا ہے اسی طرح بیان کرو۔“

حاکم نے ان حدیثوں سے وجہ استدلال بیان نہیں کی اور ہماری ناقص رائے میں بھی روایات سے مرسل کے صحیح نہ ماننے کا قائل سمجھ میں نہیں آسکا۔ پہلی اور تیسری حدیث میں الفاظ روایت میں احتیاط بلیغ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ دوسری حدیث خبر ہے نہ کہ حکم۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق ظہور میں آیا اور احادیث کا مدون ہو کر تیار ہو گیا۔ مرسل صحیح بھی اسی طرح سماع متصل ہی سے تابعی تک تابعی سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے۔ سماع کے ذکر کرنے کا ان میں سے روایت میں حکم نہیں کہ اگر سماع روایت میں مذکور نہ ہو تو روایت ناقابل

تھیرے۔ فرض بغیر وجہ استدلال بتائے ہوئے ان احادیث کو روایت کر کے یہ کہہ دینا کہ ان سب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرسل احادیث داعی ہیں صحیح نہیں۔

حاکم نے ابوالحاق طالقانی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ

”میں نے ابن مبارک سے پوچھا کہ روایت من مصلی علی ابو یہ کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں دریافت کیا اس کا راوی کون ہے۔ میں نے کہا شہاب بن خراش، فرمایا ثقہ ہیں۔ میں نے کہا وہ حجاج بن دینار سے روایت کرتے ہیں، کہنے لگے وہ بھی ثقہ، وہ کس سے بیان کرتے ہیں، میں نے کہا رسول اللہ ﷺ سے، فرمانے لگے کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے درمیان تو اتنا بڑا جنگل ہے کہ اس میں اونٹنیوں کی گردنیں قطع ہو کر رہ جائیں۔“

اول تو ابن مبارک کا یہ بیان مرسل سے متعلق نہیں بلکہ منقطع سے ہے اور پھر اس سے یہ کب لازم آیا کہ ان کے نزدیک ہر مرسل حدیث حجت نہ ہو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوا کہ وہ حجاج کی اس حدیث کو صحیح نہیں سمجھتے ورنہ مراسل کی صحت ان کا مذہب تھا چنانچہ خود حاکم نے معرفة علوم الحدیث میں حسن بن یحییٰ سے روایت کی ہے کہ میں نے ابن مبارک سے ایک حدیث بیان کی جس کی سند یہ تھی عن ابی بکر بن عیاض عن عاصم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہوں نے کہا ٹھیک ہے میں نے کہا اس کی عاصم سے آگے سند نہیں۔ فرمانے لگے بھلا عاصم یوں ہی بیان کر سکتے ہیں (۴۹)۔

مرسل سے احتجاج کے دلائل

علامہ جافظ محمد بن ابراہیم وزر نے تصحیح الانظار میں جو اصول حدیث پر ان کی بیش بہا کتاب ہے مرسل کے قابل قبول ہونے پر تمن و تلیس دی ہیں جو بد یہ ناظرین ہیں۔

*** سرمد علوم الحدیث، ص: ۲۶، طبع مصر

(۱) اجماع صحابہ و تابعین۔ صحابہ میں عام طور پر حدیث مرسل کی روایت شائع اور تھی دو برابر اس کو مانتے اور اس پر عمل کرتے رہے۔ ان میں سے کسی نے اس ماننے سے انکار نہیں کیا۔ حضرت براد بن عازب نے صحابہ کے ایک مجمع میں بیان کر میں جو کچھ تم سے کہتا ہوں وہ سب میں نے رسول اللہ ﷺ ہی سے نہیں سنا ہم لوگ جھوٹ نہیں بولتے۔ تابعین کا اجماع ابن جریر کے بیان سابق میں گزر چکا۔

(۲) خبر واحد کے واجب العمل ہونے کے متعلق جتنے دلائل ہیں ان میں مسند مرسل کی کوئی تفریق نہیں۔

(۳) ثقہ جب جرم اور یقین کے ساتھ اپنی ذمہ داری پر قال رسول اللہ صلی علیہ وسلم کہے اور یہ جانتے ہوئے کہ اس کا راوی بجرم العداوت ہے تو نے خیانت کی جو کسی ثقہ سے نہیں ہو سکتی اسی بناء پر محدثین بخاری کی ان تمام تعلیقات کو قبول کرتے ہیں جس کو انہوں نے جرم کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

مرسل کی چار قسمیں

اگر اصول نے مرسل کی چار قسمیں قرار دی ہیں۔

(۱) مر اسیل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

(۲) مر اسیل قرن ثانی و ثالث یعنی امام تابعی یا تبع تابعی کا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنا۔ عام طور پر محدثین کے نزدیک اسی دوسری قسم پر مرسل کا اطلاق ہوتا ہے۔

(۳) ہر عہد کے ثقہ راوی کی مرسل۔ اس کو محدثین کی اصطلاح میں معضل کہتے ہیں۔

(۴) وہ حدیث جو ایک طریقہ سے مرسل مروی ہے اور دوسرے سے مسند۔^(۱۰۰)

پہلی قسم بالاتفاق مقبول ہے اور اس بارے میں کسی مخالف کا اعتبار نہیں۔ دوسری تمام ائمہ سلف کے نزدیک مقبول اور واجب العمل تھی۔ سب سے پہلے امام شافعی

^(۱۰۰) اصول، نزہوی، ج: ۲، ص: ۴۰۔

نہ کو صحیح تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ اور اس کے قبول کرنے کے لئے کچھ نئی شرطیں
اٹھیں۔ بعد میں محدثین کی ایک جماعت نے اس بارے میں ان سے اتفاق رائے کیا اور
عمل نے سرے سے ان کو ناقابل قبول قرار دیا۔

راہل تابعین کے نہ ماننے کی عقلی دلیل

الفاظ ابن حجر نے شرح النخبة میں لکھا ہے کہ:

”جماعت راوی کے سبب مرسل قسم مرسل میں داخل ہے کیونکہ جب تابعی نے
راوی کا نام نہیں بیان کیا تو ممکن ہے کہ وہ راوی صحابی ہو اور ممکن ہے کہ تابعی،
آخر صورت میں وہ ضعیف بھی ہو سکتا ہے اور ثقہ بھی، ثقہ ہونے کی شکل میں
بھروسہ پہلا احتمال باقی ہے جس کا سلسلہ عقلاً تو غیر متناہی ہے تاہم تتبع اور تلاش
سے پتہ چلا ہے کہ یہ سلسلہ زیادہ سے زیادہ چھ یا سات اشخاص پر جا کر ختم
ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے زیادہ تابعین کی روایات میں پایا نہیں گیا۔“ (۴۰)

راہل کا ابطال

یہ ہے اور راہل جس کو حافظ صاحب موصوف نے بڑے زور کے ساتھ پیش کیا ہے لیکن
دلیل یہ ہے کہ کیا یہ احتمالات صحابہ کی راہل میں پیدا نہیں ہو سکتے۔ اس اصول پر تو
حدیث و سنت کا بیشتر حصہ ناقابل عمل ہو کر رد جائے گا کیونکہ جب تک صحابی کا خود
قول اللہ ﷻ سے روایت میں سامع مذکور نہ ہو گا روایت قابل قبول نہیں ہوگی۔

صحابہ کی ایک جماعت کثیر نے تابعین سے احادیث روایت کی ہیں۔ محدثین نے اس
موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ حافظ خطیب بغدادی نے اس موضوع پر جو کتاب
صنف کی ہے اس کا نام ہے روایۃ الصحابة عن التابعین حافظ زین الدین عراقی کو

جب یہ معلوم ہوا کہ بعض علماء اس کو نہیں مانتے کہ کسی صحابی نے کسی تابعی سے کوئی روایت بیان کی ہے تو انہوں نے میں حدیثیں التحدید والإيضاح میں ایسی بیان کیں جن کو صحابہ نے تابعین سے روایت کیا ہے۔ ان صحابہ کرام کے اسناد گرامی درج ذیل ہیں کہل بن سعد، سائب بن زید، جابر بن عبد اللہ، عمرو بن حارث مصطفیٰ، یعلیٰ بن اسیر، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس، سلیمان بن مرہ، ابو ہریرہ، انس، ابو اسامہ، الطفیل (۳۰۱)۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ عقلی احتمال جہالت راوی کا جو حافظ صاحب نے تابعین کی احادیث میں بیان کیا تھا وہ یہاں بھی موجود ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہ تابعین کی مراد اہل سنت و سائنہ زیادہ ہوں گے اور یہاں کم۔ مگر یہ احتمال بالکل یہ مرتفع نہیں ہو سکتا۔ غور کیجئے جب ان ائمہ تابعین کی روایات میں جن پر روایت و فتویٰ کا دار و مدار تھا جو جرم و نقد کے امام تھے جن کی ساری عمر احادیث نبویہ کی تحقیق و تلاش میں بسر ہوئی، فیضان نبوت سے بیک واسطہ مستفیر ہوئے جنہوں نے صحابہ کی آنکھیں دیکھیں اور مد توں شرف ملازمت سے بہرہ اندوز رہے جن کو صحیفہ فی الحدیث (۳۰۲) کہا گیا، جن کے حلق ائمہ حفاظ نے تصریح کی ہے کہ جب وہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں تو ہمیں اس کی اصل مل جاتی ہے (۳۰۳)۔ جن سے جب اسناد کا مطالبہ ہوتا ہے تو فرماتے ہیں کہ جب ہم سند بیان کرتے ہیں تو ہمارے پاس صرف وہی اسناد ہوتی ہے

۳۰۱۔ التحدید والإيضاح، ص: ۵۹، ۶۳۔

۳۰۲۔ حدیث میں ”صرف“ یہ امام ائمہ نے حضرت ابراہیم نخعی کے حلق کہا ہے دیکھو، تذکرۃ العلماء، ج: ۱، ص: ۶۹۔

۳۰۳۔ امام ترمذی کتاب المعطل میں فرماتے ہیں۔ حدیثنا محمد بن سوہب العنبري قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما قال الحسن فی حدیث قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخل اصلاً ولا حدیثاً حدیثین۔ ج: ۲، ص: ۲۳۹۔ النبی بن سعید نقان کا بیان ہے کہ بجز ایک بار وہ حدیثوں کے حسن و جہالت پر بھی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا تو ہم کو اس کی اصل مل گئی

لیکن جب ہم بغیر سند ذکر کئے روایت بیان کرتے ہیں تو ہم اس کو ایک جماعت کثیر سے روایت کرتے ہیں۔ امام ترمذی کتاب العلل میں رقمطراز ہیں۔

عن سليمان الأعمش قال قلت لإبراهيم النخعي أَسَدُ لِي عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ فَقَالَ إِبْرَاهِيمُ إِذَا حَدَّثَكُمْ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ فَهُوَ الَّذِي صَمِعْتَ وَإِذَا قُلْتَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ فَهُوَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ. (۲۰۵)

”سليمان الأعمش کا بیان ہے کہ میں نے ابراہیم نخعی سے کہا کہ عبد اللہ بن مسعود

کی روایت کی مجھ سے سند بیان کرو، تو ابراہیم نے کہا کہ جب عبد اللہ کی حدیث

کی سند میں تم سے بیان کرتا ہوں تو وہی میرا سماع ہوتا ہے لیکن جب قال عبد

اللہ کہتا ہوں تو وہ عبد اللہ سے بہت سے روایت کے ذریعہ مروی ہوتا ہے۔“

ایک دفعہ حضرت حسن بصری سے کسی نے کہا کہ جب آپ ہم سے حدیث بیان کرتے

ہیں تو قال رسول اللہ ﷺ سے شروع کرتے ہیں اگر اس کی سند بھی بیان فرمادیا کریں

تو کیا اچھا ہو۔ جواب دیا اے شخص نہ ہم نے جھوٹ بولنا نہ بولیں گے۔ خراسان کی جنگ

میں ہمارے ساتھ تین سو صحابہ تھے (کس کس کے نام بتائیں)۔ (۲۰۶)

فرض جب امام ابراہیم نخعی اور حضرت حسن بصری جیسے جلیل المرتبت تابعین کی

مراسل میں جہالتِ راوی کی احتمالِ آنفرنی چل سکتی ہے تو آخر صحابہ کی مراسل میں

کیوں نہیں چل سکتی خصوصاً ان صحابہ کی روایات میں جن کے متعلق بالیقین معلوم ہے

کہ وہ تابعین سے روایت کرتے تھے۔

جو شخص ثقہ اور غیر ثقہ دونوں سے ارسال کرے اس کی مرسل بالاتفاق مقبول نہیں۔

پھر اگر نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ جو شخص ثقہ اور غیر ثقہ دونوں سے ارسال

کرے اس کی روایات بالاتفاق مقبول نہیں۔ خود حافظ صاحب فرماتے ہیں۔

۲۰۵۔ ج: ۲، ص: ۳۹۔

۲۰۶۔ تدریب الراوی، ص: ۶۹۔

ونقل أبو بكر الرازي من الحنفية وأبو الوليد الباجي من المالكية أو الراوي إذا كان يرسل عن الثقات وغيرهم لا يقبل مرسله إضماراً^(۲۰۷) "حنفية میں سے ابو بکر رازی اور مالکیہ میں سے ابو الولید باجی نے تصریح کی ہے کہ راوی جب ثقات اور غیر ثقات دونوں سے ارسال کرے تو اس کی مرسل بالاتفاق مقبول نہیں۔"

غور فرمائیے جب یہ بالاتفاق مسلم ہے کہ اس شخص کی مراسیل جو ضعفاء سے ارسال کرے قابل قبول نہیں تو پھر حافظ صاحب کے اس احتمال کی منجائش ہی کہاں ہے۔

تعلیقات بخاری اور مراسیل تابعین:

پھر یہ بھی خیال رہے کہ محدثین ایک طرف بخاری کی ان تعلیقات بحث کو جن کو بالجزم بیان کریں جن میں راوی اور مروی عنک ایک جگہ نہیں متعدد جگہوں پر بقول ابن مبارک مفاضة تتقطع فيها اعناق الإبل موجود ہوتا ہے کج سمجھتے ہیں اور دوسری طرف بہدائے تابعین کے قال رسول الله صلى الله عليه وسلم کہنے کی بھی اشدہ نہیں جن کی فضیلت پر آیت وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ يَأْخُذُونَ شَاوِدَہ۔ کیا امام ابراہیم نقی، امام حسن بصری، کا جزم امام بخاری کے جزم سے بھی نیچے درجہ کا ہے؟ یا ان ائمہ کی مراسیل صحت میں تعلیقات بخاری سے بھی کم ہیں؟

مرسل کے بارے میں امام ابو داؤد کا فیصلہ:

یہی وجہ ہے کہ امام ابو داؤد سبستانی صاحب السنن نے اپنی مشہور تصنیف رسالۃ إلی اهل مكة میں عام محدثین کے خلاف صاف طور پر فیصلہ صادر فرمادیا۔
فلذا لم يكن مستند غير المراسيل ولم يوجد المستند فالمرسل يحتاج به^(۲۰۸)

^{۲۰۷} "شرح نخبہ المفکر، ص: ۱۱۳، طبع مصر۔

”جب مراسل ہی ہوں اور مستند ہو تو مرسل سے احتجاج کیا جائے گا۔“

مرسل کی تیسری قسم یعنی زمانہ تابعین و تبع تابعین کے بعد کے فقہاء یا محدثین کا قال رسول اللہ ﷺ کہنا جسے محدثین کی اصطلاح میں مطلق یا معضل کہتے ہیں۔ اس کے معلق حافظ ابن حجر ابن صلاح سے ناقل ہیں۔

إن وقع الحذف في كتاب التزم صحة كالبخاری فما أتى فيه بالجزم دل على أنه ثبت إسناده عنده وإنما حذف لغرض من الأغراض. (۲۹)

”اگر حذف اسناد الٰہی کتاب میں واقع ہوا جس میں صحت کا التزام ہے جیسے بخاری تو جو روایات انہوں نے اس میں بصیغہ جزم بیان کی ہیں وہ اس بات کو بتلاتی ہیں کہ اس کی اسناد مصنف کے نزدیک ثابت ہے اور اسے کسی وجہ سے ذکر نہیں کیا ہے۔“

اھ حنفیہ میں سے امام یحییٰ بن ابان نے اس تیسری قسم کے معلق تصریح کی ہے کہ صرف ان ائمہ نقل و روایت ہی کے مراسل قبول کئے جائیں گے جو علم و روایت میں مشہور ہوں گے جن سے علم کے حاصل کرنے کا لوگوں میں شہرہ ہوگا۔ (۳۰)

اس عہد میں بے سند حدیث بیان کرنے کا حکم:

علامہ عبدالعزیز بخاری نے کشف الأسرار شرح أصول بزدوی میں جو اصول فقہ کی بینظیر کتاب ہے تصریح کی ہے کہ:

”ہمارے زمانے میں جب کوئی شخص قال رسول اللہ ﷺ کہے تو اگر وہ روایت احادیث میں معروف ہوگی تو قبول کی جائے گی ورنہ نہیں یہ اس لئے نہیں کہ وہ مرسل ہے بلکہ اس سبب سے کہ اب احادیث منقطعہ اور مدون ہو گئی

^{۲۹}۔ مقدمہ سنن ابی داؤد، ص: ۱۔

^{۳۰}۔ شرح نخبہ الفکر، ص: ۱۰۸، ۱۰۹۔

^{۳۱}۔ کشف الأسرار، ج: ۳، ص: ۷۲۔

ہیں لہذا ہمارے زمانہ میں جس حدیث کی معرفت سے علماء حدیث انکار کریں وہ کذب ہے ہاں اگر یہ زمانہ وہ ہوتا جب سنن کی تدوین نہیں ہوئی تھی تو قبول کی جاسکتی تھی۔^(۲۲)

چوتھی قسم کے متعلق مفصل بحث حاکم کی تیسری قسم کے بیان میں آگے آتی ہے۔ پرستار ان اسناد کی خدمت میں اتنا عرض کرنا اور ضروری ہے کہ ہماری بحث اس ارسل سے متعلق ہے جس کی جب سند بیان کی جائے قابل قبول ہو نیز ایسے شخص کے ارسل سے ہے جس کے متعلق کذب و دروغ بیانی کا گمان نہ نکٹ نہیں کیا جاسکتا ایسا شخص رسول اللہ ﷺ کے الفاظ اسی وقت زبان سے نکال سکتا ہے جبکہ اس نے سند کی پہچان کر لی ہو اور حدیث کی صحت کا یقین حاصل کر چکا ہو ورنہ ظاہر ہے جو شخص رسول اللہ ﷺ کے کہنے میں احتیاط نہیں کرتا وہ حدیثی غلام کہنے میں کیا خاک اتر کرے گا ایسے شخص کی سند تو بدرجہ اولیٰ ناقابل قبول ہوگی۔

غور فرمائیے جو شخص رسالت مآب ﷺ کے اقوال و افعال کے متعلق دروغ بیانی میں پاکٹ نہیں کرتا اسے اپنے شیوخ و اساتذہ کے متعلق اس قسم کی کیوں جرات نہیں ہو سکتی۔ منکرین سراپیل کا بھی عجیب حال ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے متعلق کچھ بیان جائے تو ناقابل قبول اور جب غیر کے متعلق بیان کیا گیا تو واجب التسليم ایک ہی راوی سند تو صحیح مگر مرسل ناقابل احتجاج۔

ع: هذا لعمرى في القياس بدیع

امام فخر الاسلام نے کج فرمایا ہے:

فعمد أصحاب ظاهر الحديث فردوا أقوى الأمرين. (۲۳)

ارباب ظواہر نے دونوں روایتوں میں سے جو زیادہ قوی تھی اس کو ہی چھوڑ دیا۔

^{۲۲}۔ کشف الاستار، ج: ۳، ص: ۷۷۔

^{۲۳}۔ اصول فہرودی، ج: ۳، ص: ۷۳۔

اللہ مرسل کے اصول پر سنت کا ایک حصہ معطل ہو کر رہ جاتا ہے

انہام ابو داؤد سمجھتائی اور امام ابن جریر طبری کا بیان سابق میں آپ کی نظر سے گزر چکا
فہم سے واضح ہے کہ مراسیل کی قبولیت سے انکار سلف کے تعامل و تعاملات کے باطل
پر خلاف ہے اور نہ صرف اتنا بلکہ بقول امام بزدوی:

توفیہ تعطیل کثیر من السنن۔^(۳۳)

”اس طرح بہت سی سنن معطل ہو کر رہ جاتی ہیں۔“

محافظ دار قطنی اور بیہقی نے مذہب محدثین و شافعیہ کی نفرت میں جو خدمات انہام دی
ہیں بیان سے باہر ہیں۔

امام الحرمین کا قول ہے کہ:

”کوئی شافعی ایسا نہیں جس کی گردن پر امام شافعی کا احسان نہ ہو بجز بیہقی کے کہ
انہوں نے جس طرح امام شافعی کے اقوال اور ان کے مذہب کی تائید میں
خدمات انہام دی ہیں اس سے خود امام شافعی پر ان کا احسان ہے۔“^(۳۴)

ابن دونوں بزرگوں کی یہ کیفیت ہے کہ سند پر سند اور روایت پر روایت ذکر کرتے چلے
اجاتے ہیں جس کی تضعیف کی ان کے پاس بجز اس کے کوئی اور صورت نہیں ہوتی کہ اس
کو یا مرسل کہہ دیں یا موقوف۔

زمانہ کی نیرنگیاں بھی دیکھنے کے قابل ہیں۔ منکرین مراسیل کو اصحاب الحدیث کہا
جائے اور جو حدیث مرسل بکثرت کو واجب العمل قرار دیں ان کو اہل الرائے۔
ع:

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

صحیح مختلف فیہ کی دوسری قسم:

فرماتے ہیں:

حدیث صحیح کی دوسری قسم جس کی صحت میں اختلاف ہے مدلسین کی وہ روایات ہیں جن کی روایت میں وہ اپنا سماع بیان نہیں کرتے ایسا سب روایات ان ائمہ اہل مدینہ کے نزدیک جن کا سابق میں ہم ذکر کر چکے ہیں صحیح ہیں۔ مدلسین کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً سفیان بن عیینہ جو ائمہ اہل مکہ میں شمار کئے جاتے ہیں یوں روایت کریں۔

قال الزہری حدثنی سعید بن المسیب.

”زہری نے کہا کہ سعید بن المسیب نے مجھ سے بیان کیا۔“

یا اس طرح کہیں

قال عمرو بن دینار سمعت جابرا.

”عمرو بن دینار نے کہا کہ میں نے جابر سے سنا۔“

سفیان بن عیینہ کا سماع زہری اور عمرو بن دینار دونوں سے مشہور ہے لیکن اس جگہ مذکور نہیں اور ان کے متعلق یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جب کسی روایت میں ان کا سماع فوت ہو جاتا ہے تو وہ تدلیس سے کام لیتے ہیں۔ علی بن خشرم کا بیان ہے کہ میں سفیان بن عیینہ کی مجلس درس میں حاضر تھا انہوں نے قال الزہری کہہ کر حدیث شروع کی۔ اس پر ان سے کہا گیا کہ کیا آپ کے سامنے زہری نے حدیث بیان کی تھی وہ خاموش ہو رہے اور پھر قال الزہری کہہ کر آگے چلے گئے پھر ان سے سوال کیا گیا کہ کیا آپ نے زہری سے یہ روایت سنی ہے۔ کہنے لگے نہ تو یہ روایت خود میں نے زہری سے سنی اور نہ کسی اس شخص سے جس نے اس کو زہری سے بلا واسطہ سنا ہو مجھے تو عبدالرزاق نے معمر کے حوالے سے زہری سے یہ روایت بیان کی ہے۔

اسی طرح قتادہ بن دعامہ جو اہل بصرہ کے امام ہیں۔ انس اور حسن سے تدریس میں مشہور ہیں۔ شعبہ کہتے ہیں میں قتادہ کے سزا کو دیکھتا رہتا جیسے ہی حد ثنا لفظ ان کی زبان سے نکلتا فوراً لکھ لیتا ورنہ نہیں۔

اہل کوفہ میں سے بعض نے تدریس کی ہے بعض نے نہیں تاہم اکثر اس میں جھٹلاتے جن میں حماد بن ابی سلیمان اور اسماعیل بن ابی خالد وغیرہ داخل ہیں البتہ طبقہ ثانیہ کے لوگ جیسے ابو اسامہ حماد بن اسامہ اور ابو معاویہ محمد بن خازم ضرر وغیرہ تو ان میں سے اکثر نے تدریس نہیں کی۔

ابو عبیدہ بن ابی سفیان کا بیان ہے کہ ہم ابو سلمہ کے پاس موجود تھے ان کی زبان سے قال یحییٰ بن سعید نکلا ایک شخص نے ان سے کہا حدیث بیان کیجئے فرمانے لگے کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ تدریس سے کام لیتا ہوں خدا کی قسم اگر اس مجلس درس سے مجھے معاف رکھا جائے تو وہ مجھے ایک لاکھ حدیث سے زیادہ محبوب ہے پھر یہ سند پڑھ دی حدیثی یحییٰ بن سعید بن قیس الأنصاری عن سعید بن المسیب بن حزن القرظی۔

مسلمین کے واقعات بہت ہیں ائمہ نے ان کی وہ روایات جن میں انہوں نے تدریس سے کام لیا مضبوط کی ہیں اور احادیث میں جہاں انہوں نے تدریس نہیں کی غابر ہے۔

حاکم نے حماد بن ابی سلیمان کو تو سند لے کر کہا مگر ابو اسامہ اور ابو معاویہ ضرر سے تدریس کی نفی کی ہے حالانکہ ایسا نہیں بلاشبہ حماد کے متعلق امام شافعی کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے اپنے مشہور استاد ابراہیم نخعی سے ایک روایت کے بیان کرتے وقت عن ابراہیم کہ جس کو انہوں نے ابراہیم سے براہ راست نہیں سنا تھا بلکہ مغیرہ کے توسط سے وہ انہیں ابراہیم سے روایت کرتے تھے۔ لیکن ابو اسامہ اور ابو معاویہ دونوں کے متعلق ائمہ فزو کی تصریح موجود ہے کہ وہ سند لے کر تھے ابو اسامہ کے متعلق ابن سعد کے الفاظ ہیں۔

کان کثیر الحدیث ویدلس وین تدلیسہ۔^(۱۵)

”وہ کثیر الحدیث اور مدلس تھے اور اپنی تدلیس کو بیان کر دیتے تھے۔“

اسی طرح مصطفیٰ نے بھی ان کو کثیر الدلیس کہا ہے اور تصریح کی ہے کہ بعد سے انہوں نے یہ عادت چھوڑ دی تھی۔^(۱۶) ابو نعیم یہ کے متعلق یعقوب بن شیبہ کا بیان ہے دینا دلس^(۱۷) (اکثر تدلیس سے کام لیتے ہیں) ابن سعد اور دار قطنی نے ان کے مدلس ہونے کی صراحت کی ہے۔^(۱۸)

حاکم نے جس تدلیس کا ذکر کیا ہے اسے اصطلاح محدثین میں تدلیس اسناد کہتے ہیں محدث خطیب بغدادی نے الکفایۃ میں اس کے بارے میں چار اقوال نقل کئے ہیں۔ (۱) فقہاء اور محدثین کے ایک گروہ کے نزدیک ایسے مدلس کی روایات سرے سے مقبول نہیں۔

(۲) اکثر اہل علم کے نزدیک اس قسم کی روایت مطلقاً قابل قبول ہیں۔

(۳) بعض علماء کے نزدیک جب مدلس نے اس سے تدلیس کی جس سے شاہی نقل اور ملاقات بھی نہیں ہوئی تو اگر یہ تدلیس اس کی روایات پر غالب ہے تو قابل قبول نہیں لیکن اگر لقاء اور سماع تو اس سے حاصل تھا مگر وہ روایات اس سے نہیں سنی جس میں تدلیس سے کام لیا تو وہ روایات مقبول ہوں گی بشرطیکہ جس سے وہ روایت جائے وہ ثقہ ہو۔

^(۱۵) تہذیب التہذیب، ج: ۳، ص: ۳، طبع دائرۃ المعارف و طبقات المدلسین، ص: ۹، طبع مصر۔

^(۱۶) میزان الاعتدال، ج: ۱، ص: ۳۷ و طبقات المدلسین لابن حجر العسقلانی، ص: ۲۔

^(۱۷) میزان الاعتدال، ج: ۱، ص: ۳۸۲۔

^(۱۸) ابن سعد کا قول تہذیب التہذیب، ج: ۹، ص: ۱۳۹ اور دار قطنی کا بیان طبقات المدلسین، ص: ۱۱ میں مذکور ہے۔

(۳) اگر روایت میں سماع کے الفاظ موجود ہیں تو مقبول ہے ورنہ مردود۔ خطیب اس قول کو بیان کر کے کہتے ہیں: وهذا هو الصحيح عندنا. (۳۸)
 "اور یہ ہی ہمارے نزدیک صحیح ہے۔"

حافظ زین الدین عراقی فرماتے ہیں:

والی هذا ذهب الأكثرون ومن رواه عن جمهور أئمة الحديث والفقه والاصول شيخنا أبو سعيد العلاني في كتاب المراسيل وهو قول الشافعي وعلی بن المدینی ویحیی بن معین وغيرهم. (۳۹)

"اسی طرف بیشتر لوگ گئے ہیں ہمارے شیخ ابو سعید علانی نے کتاب المراسیل میں اس کو جمہور ائمہ حدیث و فقہ و اصول سے بیان کیا ہے شافعی، علی بن مدینی، یحیی بن معین وغیرہ کا یہی قول ہے۔"

صحیحین میں مد تسنیں کی روایت:

صحیحین میں اس قسم کی روایات بکثرت موجود ہیں۔ شیخ ابن صلاح مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

وفي الصحيحين وغيرهما من الكتب المعتمدة من حديث هذا الضرب كثير جداً كقتادة والأعمش وهشيم بن بشير وغيرهم لأن هذا التدليس ليس كذباً وإنما هو ضرب من الإيهام بلفظ محتمل. (۴۰)

"صحیحین اور دیگر مستند کتابوں میں اس قسم کی روایات بکثرت ہیں جیسے قتادہ، اعمش اور ہشیم بن بشیر وغیرہ کی روایات کیونکہ یہ تدلیس کذب میں داخل نہیں بلکہ محتمل الفاظ میں ایک قسم کا ایہام ہے۔"

۳۸۔ کتابہ، ص: ۳۶۱۔

۳۹۔ تنقيح الآثار، قلمی، ص: ۱۷۰۔

۴۰۔ مقدمہ ابن صلاح، ص: ۸۲، طبع حلب۔

صحیح مختلف فیہ کی تیسری قسم:

فرماتے ہیں:

• صحیح مختلف فیہ کی تیسری قسم وہ حدیث ہے جس کو ایک ثقہ کسی امام سے مسند اورایت کرے اور ثقات کی ایک جماعت اس کو مرسل بیان کرے۔

ایسی احادیث فقہاء کے مذہب پر صحیح ہیں کیونکہ ان کے نزدیک جب ثقہ اور معتبر راہ اسناد میں زیادہ بیان کرے تو اسی کے قول کا اعتبار ہے لیکن ائمہ حدیث کے نزدیک سب لوگوں کا قول ہی معتبر ہوگا جنہوں نے اس کو مرسل اورایت کیا ہے کیونکہ انہی شخص کے متعلق وہم کا ڈر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: "شیطان اکیلے کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے دور ہی رہتا ہے۔"

سابق میں بحث مرسل میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ مراسل احادیث مصیہ میں داخل ہیں اور واجب العمل ہیں سلف صالحین اور امت کی اکثریت اس سے احتجاج کی قائل ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک تو ایسی روایت بدرجہ اولیٰ صحیح ہے۔ اور جب سلف سے ارسال حدیث کا دستور بلا تکثیر شائع و ذائع تھا تو پھر ایسی حدیث کو صحیح نہ سمجھنا کیا اور ایسی صورت میں مرسل بیان کرنے والوں اور مسند روایت کرنے والوں میں تعارض کیسے ہو سکتا ہے کہ خواہ مخواہ اس صورت میں اختلاف فرض کیا گیا۔ شیخ نے ایک دفعہ مرسل بیان کی تلامذہ نے ویسی ہی روایت کر دی۔ پھر کسی شاگرد نے اسناد پر اس نے مسند بیان کر دی یا بلا سوال ہی کسی شاگرد سے حدیث کی اسناد بھی بیان کر دی اس نے حدیث کو مسند اورایت کیا۔

غور فرمائیے ان دونوں کے بیانات میں تعارض کون سا لازم آیا شیخ کو کیا خبر تھی کہ آنے والے زمانے میں لوگ حدیث مرسل کو صحیح مانتے ہی سے انکار کر دیں گے اور

اُحدیث مرسل خود ہی حجت ہے پھر مزید یہ کہ وہ مسند بھی مروی ہے مگر اب بھی صحاب حدیث اسے صحیح نہ مانیں تو اسے کیا کہیے۔

لہذا یہ کہ یہی حدیث اگر مرسلًا موجود نہ ہوتی اور بالکل اسی استاد سے مسند روایت کی جاتی تو یہی ائمہ حدیث اسے صحیح سمجھتے اور اس پر عمل ضروری خیال کرتے مگر اب جبکہ ”مرسلًا“ موجود ہے تو سرے سے ناقابل قبول۔ دار قطنی اور بیہقی وغیرہ محدثین کے ہیں اختلاف کی احادیث کا جس ایک یہی جواب ہوتا ہے کہ فلاں نے اس کو مرسلًا روایت کیا ہے اور فلاں نے مسند اور چونکہ اس میں ارسال ہے اس لئے ضعیف ہے۔ غرض ہمال کا شاخہ بھی برا ہے۔

۱

واعظ ثبوت لائے جوے کے جوڑ میں

اقبال کو یہ ضد ہے کہ بیٹائی چھوڑ دے

۱۱۔ اکثر اصحاب حدیث کا یہی خیال ہے جس کو حاکم نے بیان کیا تاہم محققین کا فیصلہ اس کے بالکل برخلاف ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں۔

وأما إذا رَوَاهُ بعض الثقات الضابطين متصلًا وبعضهم مرسلًا أو بعضهم موقوفًا وبعضهم مرفوعًا أو وصله هو أو رفعه في وقت وأرسله أو وقفه لوقت فالصحيح الذي قاله المحققون من المحدثين وقَّالَهُ الفقهاء وأصحاب الأصول وصححه الخطيب البغدادي أن الحكم لمن وصله أو رفعه سواء كان المخالف له مثله أو أكثر أو أحفظ لأنه زيادة ثقة وهي مطلوبة. (۲۲)

”اور جبکہ بعض ثقات ضابطين متصل روایت کریں اور بعض مرسلًا یا بعض موقوفًا بیان کریں اور بعض مرفوعًا یا خود ہی ایک وقت مسند یا مرفوعًا روایت

کرے اور دوسرے وقت مرسل یا موقوف ہیں وہ صحیح قول جو کہ محققین محدثین کا ہے اور فقہاء اور ارباب اصول جس کے قائل ہیں اور خطیب بغدادی نے جس کی صحیح کی ہے یہ ہے کہ فیصلہ اسی کے حق میں ہوگا جس نے اس کو مسند یا مرفوعہ روایت کیا ہے خواہ اس کی مخالفت کرنے والا اسی جیسا ہو یا اس سے تعداد میں زیادہ یا اس سے بڑا حافظ ہو کیونکہ یہ ثقہ کی زیادتی ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔^۱

ری وہ حدیث جو حاکم نے اس سلسلہ میں استدلال کے طور پر پیش کی ہے کہ الشیطان مع الواحد وهو من الإیمنین أبعد۔
”کہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے بہت دور رہتا ہے۔“

تو اس کے بارے میں امام ابو یوسف کا وہ جملہ یاد آتا ہے جو انہوں نے اپنی مینکیر کتاب الرد علی سید الأوزاعی میں تحریر فرمایا ہے کہ۔
ولحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معان ووجوه وفسیر لا یفہم ولا یبصرہ إلا من أعانہ اللہ تعالیٰ علیہ۔^(۲۳۳)

ہر رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے کچھ معنی کچھ توجہیں اور کچھ تفسیریں ہوتی ہیں جن کو بجز اس کے کہ جس کی اللہ تعالیٰ اعانت فرمائے اور کوئی نہ سمجھ سکتا ہے نہ جان سکتا ہے۔“

اگر حدیث کے وہی معنی ہیں جو حاکم نے لئے ہیں تو اس اصول پر تو کسی تھاخص کی کو روایت صحیح نہیں ہو سکتی۔ وهل ہی إلا لہ تہدم الإسلام۔

^(۲۳۳)۔ الرد علی سید الأوزاعی، طبع مصر، ص: ۱۳۔ یہ کتاب مجلس احیاء العارفین الشیعہ نے حیدرآباد دکن کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔

صحیحین میں ایسی حدیثیں موجود ہیں :

پھر یہ بھی خیال رہے کہ خود صحیحین میں ایسی حدیثیں موجود ہیں جن کے وصل و ارسال میں اختلاف ہے چنانچہ علامہ امیر میمانی حافظ ابن حجر سے ناقل ہیں۔

وأما ما اختلف في وصله وإرساله ففي الصحيحين منه جملة وقد تعقب الدار قطنی بعضه في التتبع. (۱۷۷)

”ایسی حدیثیں جن کے وصل و ارسال میں اختلاف ہے ان کا ایک حصہ صحیحین میں منقول ہے چنانچہ دار قطنی نے کتاب التتبع میں ان سے بعض روایات پر گرفت کی ہے۔“

اپنے بیان کے خلاف خود حاکم کا عمل :

یہ بھی واضح رہے کہ خود حاکم نے اپنے اس اصول کی مسطورہ میں سختی سے مخالفت کی ہے چنانچہ جابجا اس کے برخلاف اس میں تصریحات موجود ہیں۔ مثلاً حدیث ابن عباس إذا أصابها في الدم فدينار وإذا أصابها في إنقطاع الدم فنصف دينار بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

قد أرسل هذا الحديث وأوقف أيضا ونحن على أصلا الذي أصلاه أن القول قول الذي يستد ويصل إذا كان ههنا. (۱۷۸)

”یہ حدیث مرسل بھی روایت کی گئی ہے اور موقوف بھی مگر ہم اپنے اسی اصول پر ہیں جو ہم نے قائم کیا ہے کہ اسی کی بات مانی جائے گی جو مستند اور معتبر روایت بیان کرے بشرطیکہ وہ ثقہ ہو۔“

۱۷۷۔ توضیح المسائل، قلمی، ج ۵: ۵۵۔

۱۷۸۔ دیکھو مستدرک علی الصحیحین، ج ۲: ص ۱۷۴۔

اسی طرح کتاب الایمان میں مصعب بن زہیر^(۳۳۳) کی حدیث اور کتاب العلم میں لا تعلموا العلم لتباهوا به العلماء^(۳۳۴) کے ذیل میں اسی قسم کی تصریح موجود ہے۔

صحیح مختلف فیہ کی چوتھی قسم

کے متعلق حاکم کا بیان ہے:

”صحیح مختلف فیہ کی چوتھی قسم محدث کی وہ روایات ہیں جن کا وہ نہ عارف ہے نہ حافظ جیسا کہ ہمارے زمانے کے بیشتر محدثین کا حال ہے۔ حدیث کی یہ قسم اکثر محدثین کے نزدیک قابل احتجاج ہے لیکن امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ اس کو رجحان نہیں سمجھتے امام ابو حنیفہ کی روایت اس بارے میں درج ذیل ہے۔“

حدثنا أبو أحمد محمد بن أحمد بن شعيب العدل ثنا أسد بن نوح الصفي ع
أبو عبد الله محمد بن مسلمة عن بشر بن الوليد عن أبي يوسف عن أبي
حنيفة أنه قال لا يحمل للرجل أن يروى الحديث إلا إذا سمعه من فهم
الحدث ليحفظه ثم يحدث به -

”امام ابو یوسف امام ابو حنیفہ سے راوی ہیں کہ کسی شخص کو اس وقت تک حدیث بیان کرنا روا نہیں جب تک کہ محدث کے منہ سے سن کر اسے یاد نہ کر لے اور بیان کرتے وقت تک اسے حفظ نہ رکھے۔“^(۳۳۵)

^{۳۳۳}۔ ایضاً ج: ۱، ص: ۳۹۔

^{۳۳۴}۔ مستدرک علی الصحیحین، ج: ۱، ص: ۱۰۶۔

^{۳۳۵}۔ ایک مرتبہ سید الحفاظ کو بھی بن مسیح نے (جن کے متعلق امام احمد بن حنبل فرمایا کرتے تھے کہ جس حدیث کو بھی بن مسیح نہ جانیں وہ حدیث ہی نہیں) امام صاحب کی توثیق کرتے ہوئے آپ کی اسی خصوصیت کو واضح کیا ہے چنانچہ حافظ قطیب بغدادی اپنی تاریخ میں بسند متصل ان سے ناقل ہیں۔ کان ابو حنیفہ ثقہ الحدیث الامامیة والحدیث بما لا یحفظ (تاریخ بغداد ج: ۱۳، ص: ۲۱۹)۔

اور امام مالک کے متعلق معن بن یحییٰ کا بیان ہے کہ میں نے ان کو فرماتے ہوئے سنا اس شخص سے علم نہ لیا جاوے جو اپنی بیان کردہ حدیثوں کا عالم نہ ہو۔ امام موصوف کا بیان ہے کہ میں نے مدینہ میں بہت سے ارباب صلاح کو پایا لیکن ان میں سے کسی ایک سے بھی حدیث کا ایک حرف بیان نہیں کرتا۔ سوال کیا گیا اے ابو عبد اللہ! یہ امام مالک کی کس کسیت ہے؟ ایسا کیوں؟ فرمایا، ”اس لئے کہ وہ جو حدیثیں بیان کرتے تھے ان کو سمجھتے نہ تھے۔“

حافظ سید علی تدریب الراوی میں امام مالک اور امام ابو حنیفہ کا مذہب نقل کر کے لکھتے ہیں۔

وهذا مذهب شديد وقد استقر العمل على خلافه فلعلم الرواة في الصحيحين ممن يوصف بالحفظ لا يبلغون النصف. (۳۹)
 ”یہ سخت مذہب ہے اور عمل اس کے خلاف قرار پایا ہے کیونکہ غالباً صحیحین کے ان روایہ کی تعداد جو حفظ سے موصوف ہیں نصف تک نہیں پہنچتی۔“

صحیح مختلف فیہ کی پانچویں قسم

کے متعلق ارشاد ہے:

• صحیح مختلف فیہ کی پانچویں قسم مبتدعہ اور أصحاب الاہواء کی روایات ہیں جو اکثر محدثین کے نزدیک مقبول ہیں جبکہ یہ لوگ سچے اور راست باز ہوں۔ چنانچہ محمد بن اسحاق بخاریؒ نے جامع صحیح میں عباد بن یعقوب رواجی سے حدیث بیان کی ہے اور ابو بکر محمد بن اسحاق بن خیر کہتے تھے۔

طبع مصر امام ابو حنیفہ رحمہ ہیں جو حدیث من کو حفظ ہوتی ہے وہی بیان کرتے ہیں اور جو حفظ نہیں ہوتی، بیان نہیں کرتے۔

۳۹۔ تدریب الراوی، ص: ۶۰

حدثنا الصدوق فی روايته المتهم فی دینہ عباد بن یعقوب.

”ہم سے عباد بن یعقوب نے حدیث بیان کی جو اپنی روایت میں سچا اور دین میں مستقیم تھا۔“

اسی طرح بخاری نے صحیح میں محمد بن زیاد الہانی، حرز بن عثمان رحمہما سے احتجاج کیا ہے۔ حالانکہ ان کے متعلق نصب کی شہرت ہے۔ اسی طرح بخاری و مسلم دونوں ابو معاویہ محمد بن حازم، اور عبید اللہ بن موسیٰ سے احتجاج پر متفق ہیں حالانکہ یہ دونوں غالی مشہور تھے۔

لیکن مالک بن انس یہ کہتے تھے کہ اس بدعتی سے حدیث نہیں لی جائے گی جو لوگوں کو اپنی بدعت کی دعوت دیتا ہو اور نہ اس فضیض سے جو لوگوں سے گھٹکھٹک میں دروغ بیانی سے کام لے، اگرچہ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ پر دروغ گوئی کا الزام نہ ہو۔

احادیث صحیحہ کا انحصار صرف صحیحین ہی میں نہیں

حدیث صحیح کے یہ دو گانہ اقسام بیان کرنے کے بعد حاکم رقمطراز ہیں:

”ہم نے دس قسموں پر احادیث کی صحت کے وجوہ بیان کر دیئے اور اس سلسلہ میں جو اہل فن کا اختلاف تھا وہ بھی واضح کر دیا تاکہ کوئی وہی اس وہم میں مبتلا نہ ہو کہ صرف وہی حدیثیں صحیح ہیں جن کی بخاری و مسلم نے تخریج کی ہے۔ کیونکہ جب ہم نے غور و تامل سے کام لیا اور بخاری کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی تاریخ کو ان لوگوں کے اسلام پر جمع کیا ہے جن سے صحابہ کے زمانے سے لے کر ۲۵۵ھ تک حدیث کی روایت کی گئی ہے تو ان کی تعداد چالیس ہزار مردوں اور عورتوں کے قریب پہنچی اور میں نے جب ان لوگوں کے اسلام کا شہد کیا جن سے صحیحین میں یا صرف صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں روایت موجود ہے تو وہ دو ہزار مردوں اور عورتوں سے بھی کم نکلے پھر ان چالیس ہزار میں سے ان لوگوں کو میں نے جمع کیا جن پر جرح ہوئی ہے تو کل دو سو چھیس مرد ہوئے۔“

اس لئے علم حدیث کے طالب کو یہ بات معلوم رہنی چاہئے کہ ناقصین حدیث کی اکثریت ثقات کی ہے اور صحیحین میں ان کے اول درجہ سے احتجاج کیا گیا ہے اور دیگر سارے راویوں کی اکثریت معتبر لوگوں کی ہے جن کی روایتیں صحیحین میں وجود سابق کی بنا پر درج نہ ہو سکیں۔

ہاکم نے مدخل اور مستدرک دونوں کتابوں میں اس پر غراور دیا ہے کہ صحیح حدیثیں صرف صحیحین ہی میں مختصر و محدود نہیں ہیں بلکہ ان میں ان کا صرف ایک حصہ شامل ہے چنانچہ مستدرک علی الصحیحین کی تصنیف کی تو غرض و غایت ہی اس کا ابطال تھا۔ اس کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

”امام بخاری و مسلم دونوں نے یا ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ حکم نہیں دیا کہ بجز ان حدیثوں کے جن کو وہ روایت کر چکے ہیں اور کوئی حدیث صحیح نہیں۔ ہمارے اس عہد میں مبتدعین کی ایک جماعت اٹھی ہے جو محدثین کو جھڑک کر خوش ہوتی ہے کہ جتنی حدیثیں تمہارے نزدیک صحیح ہیں وہ دس ہزار تک بھی نہیں پہنچتیں اور یہ اسانید جو ایک ہزار جزو یا اس سے کم حدیث پر مشتمل ہیں سب ہاکی سب ستیم اور غیر صحیح ہیں۔“

مجھ سے اس شہر کے اعیان علماء کی ایک جماعت نے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں ایک ایسی کتاب مدون کروں جو ان احادیث پر مشتمل ہو جو ایسی اسانید سے مروی ہوں جیسی شیخین کے نزدیک قابل احتجاج ہیں اس لئے کہ جس حدیث میں کوئی علت نہ ہو اسے صحیح سے خارج کرنے کی کوئی سبیل نہیں اور شیخین نے کبھی اپنے متعلق اس قسم کا اعلان نہیں کیا۔ (۱۳۰)۔

محدثین تو ایک طرف رہے تعجب ہے کہ بعض ائمہ محدثین تک اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے کہ شیخین کے نزدیک صحیح احادیث کی تعداد بس اتنی ہی ہے جتنی کہ صحیحین میں

مذکور ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے شیخین پر نہایت سختی سے اعتراض کیا کہ صحیح حدیثوں کی بڑی تعداد کو نظر انداز کر گئے۔ حالانکہ ان کو یہ بات زیادہ تھی۔ محدث نووی لکھتے ہیں:

”امام حافظ ابوالحسن علی بن عمرو دارقطنی رحمہ اللہ وغیرہ نے بخاری و مسلم رضی اللہ عنہما کے لئے ان احادیث کی تخریج کو ضروری قرار دیا جن کو وہ ذکر نہ کر سکے۔ حالانکہ ان کی اسانید بیسند ہی ہیں جن سے صحیحین میں روایتیں مذکور ہیں۔ دارقطنی وغیرہ نے یہ بھی کہا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ سے جو حدیثیں بیان کی ہیں وہ بالکل صحیح طریقوں سے مروی ہیں اور ان کے ناقلین پر کسی قسم کا کوئی طعن نہیں تاہم شیخین نے ان کی احادیث میں سے کچھ روایت نہیں کیا حالانکہ ان کے اصول پر ان حدیثوں کی روایت کرنا ان کو لازم تھا۔ دیکھنی کا بیان ہے کہ ہام بن منبہ کے صحیفے سے بہت سی احادیث کی روایت پر دونوں متفق ہیں اور اس کی بعض روایات کو ایک نے بیان کیا ہے اور بعض کو دوسرے نے۔ حالانکہ سند ایک ہی ہے (اس لئے ان سب حدیثوں کا دونوں کی روایت کرنا ضروری تھا) دارقطنی اور ابو ذر ہر وی نے اسی موضوع پر مختلف کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں شیخین کو الزام دیا ہے حالانکہ درحقیقت یہ الزام ان پر عائد نہیں ہوتا کیونکہ انہوں نے صحیح کے استیعاب کا قلعہ التزام نہیں کیا بلکہ دونوں سے صحت کے ساتھ تصریح موجود ہے کہ انہوں نے استیعاب سے کام نہیں لیا بلکہ ان کا مقصد صحیح احادیث کے ایک حصہ کو مدون کرنا ہے جس طرح کہ فقہ کے مصنف کا مقصد مسائل کے ایک حصہ کا جمع کرنا ہوتا ہے نہ کہ تمام مسائل کا حصہ۔“ (۲۴۱)۔

علامہ سخاوی نے فصیح المغیث میں ابن الجوزی سے اور طاہر جزائری نے توجیہ النظر میں ابن حبان سے نسخین کے متعلق اسی قسم کا الزام نقل کیا ہے۔ (۲۳۱)

در حقیقت اس غلط فہمی کی بنیاد یہ ہوئی کہ شیخین نے ان دونوں کتابوں کا نام صحیح رکھا اس سے دار قطنی وغیرہ یہ سمجھے کہ ان کے نزدیک اتنی ہی حدیثیں صحیح ہیں جتنی کہ صحیحین میں مذکور ہیں محدث امیریائی لکھتے ہیں۔

وكانه فهم هو ومن تابعه من التسمية بالصحيح انه جميع ما صح وما عداه ضعيف. (۲۳۲)

”غالباً دار قطنی اور ان کے متبعین صحیح نام رکھنے کی وجہ سے یہ سمجھے کہ صحیح جو کچھ ہے تمام سترہویں ہے اور اس کے ماسوا ضعیف ہے۔“

حافظ ابو زرعہ راوی پر خدا کی ہزاروں رحمتیں نازل ہوں ان کی فراست ایمانی نے اس چیز کو پہلے ہی چار لیا تھا۔

حافظ عبدالقادر قرشی رقمطراز ہیں:

”حفاظ کا بیان ہے کہ مسلم نے جب اپنی صحیح کی تالیف کی تو ابو زرعہ راوی کے سامنے اس کو پیش کیا ابو زرعہ نے اس پر ناپسندیدگی اور غصہ کا اظہار کیا کہنے لگے کہ تم نے اس کا نام صحیح رکھ کر اہل بدعت اور دوسرے لوگوں کے لئے ایک زینہ تیار کر دیا کہ جب ان کا کوئی مخالف کسی حدیث کو روایت کرے گا تو کہہ دیجئے کہ یہ تو صحیح مسلم میں نہیں ہے

حافظ عبدالقادر اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

لرحم الله أبا زرعة فقد نطق بالصواب فقد وقع هذا. (۲۳۳)

۲۳۱۔ فصیح المغیث، ص: ۱۷۔ توجیہ النظر، ص: ۹۲۔

۲۳۲۔ توجیہ النظر، قلمی، ص: ۳۰۔

۲۳۳۔ الجواہر النضیہ، ج: ۲، ص: ۳۳۰۔

”اللہ ابو زہرہ پر رحم کرے انہوں نے صحیح فرمایا کیونکہ ایسا ہی ہوا۔“

مسند رک میں حاکم کا سابقہ بیان آپ کی نظر سے گزرا کہ ان کے عہد میں بدعتیوں کی ایک جماعت ایسی اٹھ کھڑی ہوئی تھی جو مصححین کے علاوہ دوسری کتابوں کی احادیث کو صحیح ماننے سے انکار کرتی تھی۔ اور اس سلسلہ میں محدثین کی پچھڑ خانی کو انہوں نے اپنا دھندلا ہوا بیانیہ قلعہ بنا لیا تھا۔

واضح رہے کہ حاکم نے اس سلسلہ میں جو دعویٰ کیا ہے نہایت ہی مدلل ہے۔ ان کے سابقہ بیان میں صاف طور پر تصریح موجود ہے۔

ناقلین حدیث کی اکثریت ثقات کی ہے

صرف امام بخاری کی تاریخ میں چالیس ہزار ان اشخاص کا ذکر ہے جن سے حدیثیں مروی ہیں اور اتنی بڑی جماعت میں مجروحین کی تعداد اس قدر کم ہے کہ شمار کرنے پر بھی دو سو چھیالیس سے زیادہ نہ بڑھ سکے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ ناقلین حدیث کی اکثریت ثقات اور معتبر لوگوں کی ہے۔“

اب مصححین میں تو صرف دو ہزار راویوں سے حدیثیں منقول ہیں حالانکہ روایات ثقات کی تعداد ان سے بیسیوں زیادہ ہے جن کی بیان کردہ حدیثیں بالاتفاق صحیح ہیں پھر یہ دعویٰ کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ صرف وہی حدیثیں صحیح ہیں جن کی بخاری و مسلم نے تخریج کی ہے۔ خصوصاً جبکہ انہوں نے اس قسم کا کبھی کوئی دعویٰ نہیں کیا بلکہ ان سے خود اس کے برخلاف نہایت کھلے لفظوں میں تصریحات موجود ہیں حافظ ابو بکر حازمی نے شروط الاثمة الخلفہ میں بسند متصل امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

أحفظ مائة ألف حديث صحيح. (۴۴۵)

”مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں حفظ ہیں۔“

ہے یہ تمام صحیح حدیثوں کی تعداد نہیں بلکہ صرف امام بخاری کی محفوظات کا شمار ہے صحیح بخاری میں جتنی حدیثیں مروی ہیں ان سب کی تعداد سکررات، معلقات اور ملت کو ملا کر بھی نو ہزار یا سی ہے۔^(۲۳۶) حافظ ابن کثیر الباعث الحلیث میں ہیں۔

بلاشبہ بخاری و مسلم نے ان تمام احادیث کی روایت کا التزام نہیں کیا جن پر اجماع کا حکم لگایا جاتا ہے، کیونکہ انہوں نے خود بہت سی ان احادیث کو صحیح کہا ہے جو ان کی کتابوں میں موجود نہیں چنانچہ ترمذی وغیرہ بخاری سے ان احادیث کی صحیح نقل کرتے ہیں جو بخاری میں موجود نہیں بلکہ سنن میں مروی ہیں۔^(۲۳۷)

تحت جیسا کہ محدث نووی نے بیان کیا ہے:

مقصود استیعاب نہیں بلکہ صحیح احادیث کے ایک حصہ کو مدون کرنا ہے۔
بخاری نے بسند متصل امام بخاری کی تصریح نقل کی ہے:

خرج فی هذا الكتاب إلا صحیحا وما ترک من الصحيح اکثر۔^(۲۳۸)
میں نے اس کتاب میں صحیح حدیثیں ہی نقل کی ہیں اور جس قدر صحیح حدیثوں کو چھوڑ دیا وہ اس سے بہت زیادہ ہیں۔

بخاری نے امام بخاری کا یہ بیان بھی بسند متصل نقل کیا ہے۔

ت عند إحق بن راهويه فقال لنا بعض أصحابنا لو جمعتم كتاباً مختصراً من النبي صلى الله عليه وسلم لوقع ذلك في قلبي فأخذت في جمع هذا
جب۔^(۲۳۹)

ابن الساری، ج: ۲، ص: ۱۸۷، طبع مصر۔

صحیح ابوسعید، ص: ۲۸۴۔

ص: ۲۱۔

”میں اسحق بن راہویہ کے پاس تھا کہ ہمارے اصحاب میں سے ایک شخص کی زبان سے نکلا، کاش تم لوگ کوئی مختصر کتاب رسول اللہ ﷺ کی سنن میں مدون کر دیتے۔ یہ بات میرے دل کو لگ گئی اور میں نے اس کتاب کو جمع کرنا شروع کیا۔“

حاذی اس بیان کو نقل کرتے لکھتے ہیں:

قد ظهر أن قصد البخاری كان وضع مختصر في الصحيح لم ينال الاستيعاب لا في الرجال ولا في الحديث. (۲۲۰)

”پس معلوم ہوا کہ بخاری کا مقصد صحیح حدیث کی ایک مختصر کتاب مرتب کرنا اور استیعاب ان کا مقصد نہ تھا نہ رجال میں نہ حدیث میں۔“

یہ تو ہوئیں امام بخاری کی تصریحات۔ امام مسلم کی تصریح خود صحیح میں موجود فرماتے ہیں۔

لیس کل شیء عندی صحيح وضعته ههنا. (۲۲۱)

”جتنی حدیثیں میرے نزدیک صحیح ہیں وہ سب میں نے یہاں جمع نہیں کیں۔“ اور حافظ حاذی نے بسند متصل روایت کی ہے کہ

”مسلم جب رے میں پہنچے اور حافظ ابو عبد اللہ بن دارہ کے یہاں گئے تو وہ ان سے اچھی طرح پیش نہیں آئے۔ صحیح کی تصنیف پر غائب کا اظہار کیا حافظ ان سے

”ذرا دے نے جو کہا تھا اسی کے قریب قریب انہوں نے بھی کہا۔ اس پر مسلم نے معذرت کی اور فرمانے لگے کہ میں نے تو اس کتاب کی تخریج کر کے اس کو

کہا ہے اور یہ نہیں کہا..... کہ جو حدیث اس کتاب میں روایت نہ کروں

۲۲۰۔ م: ۳۱۔

۲۲۱۔ م: ۳۱۔

۲۲۲۔ صحیح مسلم، ج: ۳، م: ۱۲۲، طبع مصر۔

ضعیف ہے لیکن اس کی تردیدیں اس لئے کی کہ یہ مجموعہ میرے پاس اور نیز ان لوگوں کے پاس موجود رہے جو مجھ سے اس کتاب کو لکھیں اور ان احادیث کی صحت میں شبہ نہ کیا جائے میں نے یہ نہیں کہا کہ اس کے علاوہ اور حدیثیں ضعیف ہیں۔ حافظ ابن دارہ نے ان کی یہ معذرت قبول کی اور پھر ان سے حدیثیں بیان کیں۔ (۲۴۲)

رض شیخین کی ان تصریحات کی موجودگی میں نہ مبتدعین کا خیال صحیح ہو سکتا ہے اور نہ بالوگوں کا وہ الزام جو اس بارے میں وہ شیخین پر عائد کرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ غلطی، ابن حبان اور بیہقی وغیرہ کو شیخین کی ان تصریحات پر اطلاع نہ ہو سکی ورنہ ان لئے اس الزام کے دینے کی ضرورت لاحق ہوتی نہ اس سلسلہ میں کسی تصنیف کی ختم اشافی پڑتی۔

الکوس ہے کہ ان تمام تصریحات کے ہوتے ہوئے بھی بعض علماء نے اس سلسلہ میں قسم کا اظہار خیال کیا کہ جو سراسر ان تصریحات کے منافی اور تحقیق کے بالکل خلاف ہے۔ حافظ ابو عبد اللہ بن الاحرم سے جو حاکم کے اسناد میں سے ہیں مقدمہ ابن صلاح میں منقول ہے۔

لی ما یفوت البخاری ومسلم بما یثبت من الحدیث یعنی فی الصحیحین۔ (۲۴۳)

”بخاری و مسلم سے صحیحین میں بہت ہی کم صحیح حدیثیں چھوٹی ہیں۔“
 ہم بخاری کا بیان ہے مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد ہیں، جس قدر صحیح حدیثوں کو میں نے ذکر نہیں کیا وہ نہ صرف زیادہ بلکہ بہت زیادہ ہیں، میرا خیال صرف ایک مختصر

مجموعہ سنن کی تدوین کا تھا امام بخاری کی ان تصریحات کی موجودگی میں ابن الاثرم اس بیان کو ملاحظہ فرمائیے کہ تفاوت رواز کجاست تا کجا۔

نووی کا بیان:

تجب تو نووی پر ہے کہ سب کچھ جانتے ہوئے ابن دارہ سے امام مسلم کی معذرت کرتے ہوئے۔^(۲۲۲) اور دار قطنی وغیرہ کی تردید میں اس قدر بلند آہنگ ہوتے ہوئے بھی یہ لکھ گئے۔

لیکن شیخین جب کسی حدیث کو باوجود اس کے ظاہر میں صحیح الاستناد ہونے کے بالکل ترک کر دیں یا ان دونوں میں سے کوئی ایک ایسا کرے اور اس کی کوئی نظیر یا کوئی اور روایت جو اس کے قائم مقام ہو سکے اس باب میں ذکر نہ کریں تو ان کے حال سے ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کو اگر اس حدیث کی روایت حاصل ہے تو یقیناً ان کو اس کے متعلق کسی علت کی اطلاع ہوگی اور احتمال اس کا بھی ہے کہ ان سے بھول کر ایسا ہو گیا یا کتاب کی طوالت کے خیال سے ایسا کیا ہو یا ان کے خیال میں دوسری حدیث نے اس کی کوئی راکد یا ہو اور کوئی وجہ ہو۔^(۲۲۳)

غور فرمائیے کہ جو ظاہر تھا یعنی امام بخاری کی یہ تصریح کہ جس قدر صحیح حدیثوں کو ہم نے چھوڑ دیا وہ بہت زیادہ ہیں۔ جن کے ترک کرنے کی وجہ میں خود فرماتے ہیں:

وترکت من الصحيح حتى لا يطول.^(۲۲۴)

”تھک بہہ ی صحیح حدیث کو اس لئے چھوڑ دیا کہ کتاب طویل نہ ہو جائے۔“

اس کا تو احتمال کر دیا اور جو احتمال تھا اور وہ بھی محض غیر موجود اسے ظاہر نہ گئے۔

^{۲۲۲}۔ مقدمہ شرح مسلم، ج: ۱، ص: ۲۶۔

^{۲۲۳}۔ ایضاً، ج: ۲، ص: ۱۶۔

^{۲۲۴}۔ مقدمہ فتح الباری، ج: ۱، ص: ۳۔

ابن صلاح کا بیان

اور شیخ ابن صلاح نے تو یہاں بحث لکھ دیا کہ:

”جب ہم اجزاء حدیث وغیرہ میں جن کی روایت کی جاتی ہے کوئی حدیث صحیح الاسناد پائیں اور وہ صحیحین میں سے کسی ایک میں ہم کو نہ مل سکے اور نہ ائمہ حدیث کی معتد اور مشہور کتابوں میں اس کی صحت کی تصریح ہو تو ہم اس کی صحت پر حرج کے ساتھ حکم لگانے کی جرات نہیں کریں گے۔“ (۲۳۷)

اور آگے چل کر یہ بھی فرمادیا کہ

”پھر صحیحین سے زائد صحیح حدیثیں طلب کرنے والے کو چاہئے کہ ائمہ حدیث جیسے ابو داؤد سجستانی ابو یحییٰ ترمذی، ابو عبد اللہ حنن نسائی، ابو بکر بن خزیمہ، ابو الحسن دارقطنی وغیرہ کی کسی مشہور اور معتد کتاب سے لے جس کی صحت کی اس کتاب میں تصریح موجود ہو ورنہ مجرد حدیث کا سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، اور ان تمام لوگوں کی کتابوں میں جنہوں نے صحیح اور غیر صحیح کو جمع کیا ہے موجود ہونا کافی نہیں۔“ (۲۳۸)

حقیقت یہ ہے کہ شیخ ابن صلاح سے علوم الحدیث میں بعض ایسی سخت اصولی غلطیاں ہو گئیں جن کی وجہ سے بعد کے محدثین کو اس سلسلہ میں مستقل کتابیں تصنیف کرنے کی ضرورت پیش آئی چنانچہ حافظ مظہرائی نے اصلاح ابن الصلاح اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے التکت علی ابن الصلاح لکھ کر ان کی غلطیوں کو واضح کیا۔ حافظ زین الدین عراقی رقمطراز ہیں۔

۲۳۷۔ مقدمہ ابن صلاح، ص: ۱۴۔

۲۳۸۔ ایضاً ص: ۱۶۔

إِلَّا أَنْ فِيهِ غَيْرُ مَوْضِعٍ قَدْ خُولِفَ فِيهِ وَأَمَّا كُنْ أَنْتَ تَحْتَاجُ إِلَى تَحْقِيقِ غَيْبِهِ. (۲۳۹)

مگر ابن صلاح کی کتاب میں بہت سی جگہوں سے اختلاف کیا گیا اور اس میں متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں پر کسی قید کے بڑھانے یا حبیہ کرنے کی ضرورت ہے۔

شیخ موصوف کی انہی اصولی غلطیوں میں سے ایک یہ بھی ہے جو ان کی مذکورہ بالا تحریر میں آپ کی نظر سے گزری کہ جب نکت کوئی حدیث صحیحین میں نہ ہو یا ائمہ حدیث کی تصریح اس کی صحت کے متعلق نہ ہو تو گو وہ حدیث صحیح الاسناد ہو مگر پھر بھی اس کی صحیح نہ کرنا چاہئے۔

غور فرمائیے کہ شیخ موصوف نے اس طرح صحیح کو روک کر مست پر ہمیشہ کے لئے تحقیق کا دروازہ بند کر دیا۔ یہ اتنی بڑی غلطی تھی کہ بعد کو جس شخص نے بھی ان کے کلام کی تحقیق کی اس نے ان پر اعتراض کیا چنانچہ حافظ ابن حجر قسطنطنیہ:

قد اعترض علي ابن الصلاح كل من اختصر كلامه. (۲۴۰)

جس شخص نے بھی ان کے کلام کی تحقیق کی اس نے (اس سلسلہ) میں ان پر اعتراض کیا۔

امام نووی نکت ابن صلاح کے اس بیان کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

والأظهر عندی جوازہ لمن تمکن و قویبت معرفتہ. (۲۴۱)

میرے نزدیک جس میں اہلیت ہو اور جس کی معرفت قوی ہو اس کے لئے صحیح کا جائز ہونا زیادہ ظاہر ہے۔

۲۳۹۔ التبیان والایضاح، ص: ۳۰

۲۴۰۔ تدریب الراوی، ص: ۷۳

۲۴۱۔ تدریب نووی متن تدریب، ص: ۳۶

حافظ زین الدین عراقی کا بیان ہے:

وما رجحه النووی هو الذی علیہ عمل أهل الحديث. (۱۵۲)

”نووی نے جس کو ترجیح دی ہے اسی پر محدثین کا عمل ہے۔“

حافظ ابن حجر نے نکت میں ابن صلاح کے اس خیال کی پخت کنندہ تردید کی ہے جو دریب الراوی اور توضیح الأفكار میں تفصیل سے مذکور ہے۔ ہم اس کا اقتباس یہ ناظرین کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

”ایسی مشہور کتاب جو اپنی شہرت کی وجہ سے ہم سے لے کر مصنف تک اسناد کے اعتبار کرنے سے مستغنی ہو جیسے مسانید و سنن ہیں کہ ان کو اپنے موکلف کی طرف منسوب ہونے کے لئے کسی صحیح اسناد کی ضرورت نہیں ایسی کتاب کا مصنف جب کوئی حدیث بیان کرے کہ اس میں تمام شرطیں موجود ہوں اور ایک باخبر اور پکا محدث اس میں کوئی علت نہ پائے تو اس پر صحت کا حکم دینا ممنوع نہیں اگرچہ حقدمین میں سے کسی ایک شخص نے بھی اس کی تصریح نہ کی ہو۔“

ابن صلاح کا بیان اس بات کا مقتضی ہے کہ حقدمین کی صحیح قبول کی جائے اور آخرین کی رد کر دی جائے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ بعض اوقات صحیح حدیث کو رد کر دینا پڑے گا اور جو صحیح نہ ہوگی اسے قبول کرنا ہوگا کیونکہ ایسی بہت سی روایات موجود ہیں کہ حقدمین میں سے کسی نے اس کو صحیح کہا ہے مگر بعد کے کسی امام کو اس میں ہی علت قածہ پر اطلاع ہو گئی جس سے اس کی صحت کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ خصوصاً جبکہ حقدمین کی رائے میں حسن اور صحیح میں فرق نہ ہو جیسے کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان (۱۵۳)۔

۱۔ تصحیص الاشیاء، ص: ۱۲۔

۲۔ دریب الراوی، ص: ۷۳۔

حدیث صحیح کی تعریف خود ابن صلاح کے الفاظ میں یہ ہے۔

”حدیث صحیح وہ حدیث مسند ہے جس کی اسناد بذریعہ ایک عدل ضابطہ کے جو دوسرے عدل ضابطہ سے ناقل ہو اخیر تک متصل ہو اور نہ شاذ ہو نہ معطل۔“ (۲۵۲)

اب جس حدیث میں یہ سب صفات موجود ہوں اس کو صحیح نہ کہنا کیا معنی ایسی صورت میں صحیح کی یہ تعریف جو خود انہوں نے کی ہے صحیح نہیں رہے گی کہ اپنے تمام اہل راہ صادق نہیں۔

سنن کی احادیث کا حکم اور ابن صلاح کے خیال کا ابطال
پھر ابن صلاح نے جو یہ لکھا ہے کہ:

”بمرد حدیث کا سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی اور ان تمام لوگوں کی کتابوں میں جنہوں نے صحیح اور غیر صحیح کو جمع کیا ہے موجود ہونا کافی نہیں۔“
صحیح نہیں کیونکہ اس کی بنیاد حسن و صحیح میں امتیاز ہے جو متاخرین کی اصطلاح ہے اور ابن صلاح کا مقصد بھی یہی ہے کہ جب ان کتابوں کی حدیثوں کی صحیح منقول نہ ہو تو ان کو صحیح نہ کہا جائے بلکہ حسن کہا جائے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

کتاب ابی عیسیٰ الترمذی رحمہ اللہ أصل فی معرفة الحدیث الحسن وھر الذی نوہ باسمه وأکثر من ذکره فی جامعہ۔ (۲۵۳)

”ابو عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث حسن کی معرفت میں اصل ہے اسی

نے اس کے نام کو رد ہوا کیا اور ترمذی نے اسی کا ذکر اپنی جامع میں زیادہ کیا ہے“

اور سنن ابی داؤد کے متعلق رقمطراز ہیں۔

۲۵۲۔ ص: ۸۔

۲۵۳۔ مقدمہ ابن صلاح، ص: ۳۸۔

وجدها في كتابه مذكوراً مطلقاً وليس في واحد من الصحيحين ولا
 في علي صحته أحدًا ممن يميز بين الصحيح والحسن عرفناه بأنه من
 حسن عند أبي داود. (۳۹)

”جو حدیث ان کی کتاب میں بغیر کسی کلام کے پائی جائے اور صحیحین میں سے
 کسی میں مذکور نہ ہو اور نہ کسی ایسے شخص سے اس کی تصحیح منقول ہو جو صحیح اور
 حسن میں امتیاز کرتا ہے تو اس کے متعلق ہم یہ سمجھیں گے کہ وہ ابو داؤد کے
 نزدیک حسن میں داخل ہے۔“

”لہذا میرے اپنی خود ساختہ اصطلاح کا التزام حقدین پر بھی عائد کرنا چاہتے ہیں۔ حسن
 اصل صحیح ہی کی ایک قسم ہے اس لئے صحیح نہ کہنا حسن کہنا در حقیقت ایک لفظی
 غلط ہے۔ جس سے بجز اس کے کہ ان کتابوں کی وقعت گرائی جائے اور کوئی فائدہ
 نہ۔ سابق میں حافظ ذہبی کی تصریح گزر چکی کہ حقدین کے نزدیک حسن صحیح ہی کی
 ایک قسم ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے بجز امام ترمذیؒ کے سارے محدثین کا اس پر اجماع
 کیا ہے کہ ان کے نزدیک حسن صحیح ہی میں داخل ہے۔ (۴۰) خود ابن صلاح
 نے ہیں۔“

”بعض محدثین حسن کو علیحدہ نوع نہیں شمار کرتے بلکہ اس کو صحیح کے انواع ہی
 میں داخل سمجھتے ہیں کیونکہ وہ قابل احتجاج حدیث کے انواع میں شامل ہے۔
 حافظ ابو عبد اللہ حاکم کے کلام سے یہی ظاہر معلوم ہوتا ہے اور انہوں نے کتاب
 ترمذی کو جوامع الجامع الصحیح سے موسوم کیا ہے وہ اسی کی طرف ایمان ہے،

۱۔ مقدمہ ابن صلاح، ص: ۳۹۔

۲۔ مقدمہ ابن صلاح، ص: ۳۹۔

ابو بکر خلیفہ نے بھی ترمذی اور نسائی کی کتاب پر صحیح کے لفظ کا اطلاق کیا ہے۔^{۲۵۹}

حافظ سیوطی نے بالکل بجا فرمایا ہے:

وحيث يدرج الأمر في ذلك إلى الاصطلاح ويكون الكل صحيحاً.^(۲۶۰)
 "اس وقت مسئلہ محض اصطلاح کا آجائے گا اور سب (حسن حدیثیں) صحیح ہوں گی۔"

تعب ہے کہ ابن صلاح نے سنن کے متعلق تو ایک عام حکم دے دیا کہ ان میں اگرچہ صحیح الاسناد حدیث موجود ہو مگر جب اگر حقدین سے اس کی صحت کی تصریح منقول نہ ہو اسے صحیح نہ کہنا چاہئے مگر صحیح ابن خزیمہ کے متعلق ارشاد ہے۔

"جن لوگوں نے کہ اپنی جمع کردہ کتاب میں صحیح کی تصریح مشروط رکھی ہے جیسے ابن خزیمہ کی کتاب اس میں مجرد حدیث کا موجود ہونا اس کی صحت کے لئے کافی ہے۔"^(۲۶۱)

حافظ ابن حجر کی تصریح سابق میں گزر چکی کہ ابن ابیہان اور ابن خزیمہ کے نزدیک حسن صحیح کی قسم میں داخل ہے اب غور فرمائیے کہ جب ابن خزیمہ صحیح و حسن میں تفریق نہیں کرتے تو اس کی کیا ذمہ داری ہے کہ جو حدیث وہ روایت کریں وہ صحیح ہی ہو حسن نہ ہو۔ صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن ابیہان میں بہت سی حدیثیں ہیں جو متاخرین کی اصطلاح پر حسن سے آگے نہیں بڑھ سکتیں۔ اسی طرح امام ترمذی نے بہت سی ان حدیثوں کو صحیح کہا ہے جو متاخرین کے نزدیک حسن میں داخل ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر مسطاباً رقمطراز ہیں۔

^{۲۵۹}۔ فتح البیہ فی الصحاح، ص: ۵۰۔

^{۲۶۰}۔ مقدمہ ابن صلاح، ص: ۳۶، ۳۵۔

^{۲۶۱}۔ تذریب الراوی، ص: ۵۲۔

لکم فی کتاب ابن خزیمہ من حدیث محکوم بصحتہ وهو لا یرتقی عن رتبة الحسن وکذا فی صحیح ابن حبان وفيما صححه الترمذی من ذلك جملة. (۲۳)

ابن خزیمہ کی کتاب میں بہت سی حدیثیں ہیں جن کی صحت کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ وہ حسن کے درجہ سے آگے نہیں بڑھتیں اور ترمذی نے جن حدیثوں کو صحیح کہا ہے ان میں بھی ایسی حدیثوں کا ایک حصہ موجود ہے۔

صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان ایک طرف، خود صحیحین میں حسن حدیثیں موجود ہیں۔ امام نووی کے الفاظ ہیں۔

أحادیثہ إما صحیحة أو حسنة. (۲۴)

”صحیحین کی حدیثیں یا تو صحیح ہیں یا حسن۔“

اور محدث امیر یحییٰ لکھتے ہیں۔

إن صحیح مسلم فیہ الصحیح والحسن بصریح بما قالہ. (۲۵)

”بلاشبہ خود امام مسلم کی تصریح کے مطابق صحیح مسلم میں صحیح اور حسن دونوں قسم کی حدیثیں موجود ہیں۔“

اب اگر حسن کی اصطلاح کے باعث کب سنن میں صحیح اور غیر صحیح کا امتیاز کیا جاتا ہے تو یہ امتیاز صحیحین، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان اور جمیع مستخرجات صحیحین کے متعلق بھی کرنا چاہئے کہ مجرد ان میں کسی حدیث کو دیکھ کر صحیح نہ کہا جائے کیونکہ ان سب میں حسن بھی ہیں اور صحیح بھی۔ لہذا جو حسن ہوں ان کو حسن اور جو صحیح ہوں ان کو صحیح کہا جائے یا پھر اگر حدیث کی ان مشہور اور معتبر کتابوں میں جو ابواب پر

۲۳۔ توضیح الافکار، قلمی، ص: ۷۳۔

۲۴۔ مسیحی اصول، ص: ۱۳۔

۲۵۔ توضیح الافکار، ص: ۶۳۔

مرتب ہیں جو حدیث بھی پائی جائے اسے جب تک کہ ائمہ حدیث کی تصنیف اس کے متعلق معلوم نہ ہو صحیح سمجھا جائے کیونکہ مصنفین ابواب کے نزدیک حدیث صحیح کی تخریج مشروط ہے۔ حاکم کے بیان میں اس کی تصریح سابق میں گزر چکی ہے اور حافظ سیوطی نے تدریب الراوی میں صاف لفظوں میں تحریر فرمایا ہے۔

إن المصنف علی الأبواب إنما یورد أصح ما فیہ یصلح الإحتجاج. (۲۴)
 "ابواب پر جو شخص تصنیف کرتا ہے وہ اس باب میں سب سے زیادہ صحیح حدیث پیش کرتا ہے تاکہ اس سے احتجاج کیا جاسکے۔"

پس جب تصنیف موجود نہیں تو زیادہ سے زیادہ وہ متاخرین کی اصطلاح پر حسن ہوگی جو سلف کے نزدیک صحیح ہی کی ایک قسم ہے اور متاخرین و محدثین سب کے نزدیک قابل احتجاج ہے۔ اسی اصول پر حافظ ابن عبد البر نے فرمایا ہے کہ۔

کل ما سکت علیہ أبو داؤد فهو صحیح عنده. (۲۵)

"ابوداؤد جس حدیث پر کلام نہ کریں وہ ان کے نزدیک صحیح ہے۔"

اور اسی اصول پر حاکم اور خطیب نے جامع ترمذی کو صحیح کہا ہے اور امام نسائی نے اپنی کتاب السنن کے متعلق فرمایا ہے۔
 کتاب السنن صحیح کلام. (۲۶)

"کتاب السنن تمام تر صحیح ہے۔"

افسوس ہے کہ ایک طرف تو ابن خزیمہ وغیرہ کی اپنی تصنیفات کا صرف صحیح نام رکھ دینے سے ان کی ہر روایت کو صحیح کہا جائے اور دوسری طرف ان ائمہ کی تصریحات کے

۲۴۔ مس: ۵۶۔

۲۵۔ توضیح الاثر، مس: ۲۵۔

۲۶۔ زیر الرئی علی التجسی للسیوطی، مس: ۸، طبع نھای۔

بادجود حدیث کے صحیح الاسناد ہوتے ہوئے بھی اسے صحیح کہنے سے گریز کیا جائے۔۔

ج: ناظرہ سر جگیاں ہے اسے کیا کہئے۔

امام ابو عصمر مروزی اور حاکم مقالہ کے ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حاکم نے امام ابو عصمر نوح بن ابی مریم مروزی پر جو وضع حدیث کا الزام عائد کیا ہے اس پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔ وضامین حدیث پر بحث کرتے ہوئے حاکم، قطراذ ہیں۔

سمعت محمد بن یونس المقرئ قال سمعت جعفر بن أحمد بن نصر سمعت^(۱۶۶) أبا عمار المروزی يقول قيل لأبي عصمة من أين لك عن عكرمة عن ابن عباس في فضائل القرآن سورة سورة وليس عند أصحاب عكرمة قال إني رأيت الناس قد اعرضوا عن القرآن واشتغلوا بفقہ أبي حنیفة ومغازی محمد بن إسحاق فوضعت هذا الحديث حصة.

”ابو عمار مروزی کا بیان ہے کہ ابو عصمر سے کہا گیا تھا کہ پاس فضائل قرآن میں ایک ایک سورت کے بارے میں عکرمہ کی روایت حضرت ابن عباس سے کہاں سے ہاتھ لگی حالانکہ اصحاب عکرمہ کے پاس یہ روایت موجود نہیں جواب دیا کہ میں نے جب دیکھا کہ لوگوں نے قرآن سے اعراض کر لیا ہے اور فقہ ابی حنیفہ اور مغازی محمد بن اسحاق میں مشغول ہیں تو کار خیر سمجھ کر یہ روایت بتائی۔“

^(۱۶۶)۔ غل میں غلطی سے ابو عمار کی بجائے ابی عمارہ چھپ گیا ہے۔ ترمذی رب الروای، ص: ۱۰۳۔ اور شرح الشرح لنبیة لفظ طاعلی قادری، ص: ۱۴۔ اور دوسری کتابوں میں ابو عمار ہی مرقوم ہے۔

یاد رہے سب سے پہلے حاکم ہی نے ابو عصر کے متعلق یہ روایت بیان کی ہے حاکم سے ابن صلاح نے لیا اور پھر نقل در نقل منہ کو رہتی چلی آئی حتیٰ کہ عبدالعلی بنجر العلوم اور مولانا ابوالحسنات عبدالحی فرنگی محلی بکثرت نے اس کو بلا تنقید نقل کر ڈالا۔ لیکن حقیقت میں امام ابو عصر کے متعلق یہ محض افسانہ ہے جس کو صحت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے ہم اس پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالنا مناسب خیال کرتے ہیں۔

بحث کے دو پہلو ہیں۔ نقلی اور عقلی۔ نقلی حیثیت اس روایت کی یہ ہے کہ یہ منقطع ہے۔ کیونکہ ابو عمار مردوزی کی وفات ۲۳۳ھ میں ہوئی ہے۔^(۲۶۸) اور ابو عصر کی تاریخ وفات حافظ ذہبی نے ۷۳ھ^(۲۶۹) اور ابن حبان نے کتاب اثبات میں ۱۵۳ھ بتلائی ہے۔^(۲۷۰) اس اعتبار سے ان دونوں کی وفات میں بقول ذہبی اکثر سال دور بقول ابن حبان کانوے سال کا فرق ہے۔ ابو عمار کو سمرقند میں کوئی شہر نہیں کرتا اور وہ خود یہ بیان نہیں کرتے کہ ابو عصر کا یہ بیان انہوں نے کس سے سنا ہے۔ اور بالعرض ان کو سمرقند بھی مان لیا جائے اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ ابو عصر کی وفات کے وقت ان کی عمر ستر کے قابل تھی تب بھی اس روایت کا انتظار اپنی جگہ پر باقی ہے کیونکہ وہ یہ نہیں کہتے کہ میں نے خود ابو عصر سے سنا۔ بلکہ قیل (کہا گیا) کہہ کر اس قصہ کو بیان کر رہے ہیں۔ جس سے خود اس کا ضعف ظاہر ہے۔ ابو عصر سے کہنے والا کون تھا؟ یہ خود اس وقت موجود تھے یا نہیں اس کا کچھ ذکر نہیں۔ یقیناً موجود تو نہیں تھے ورنہ کہتے قیل لابی عصمۃ وانا حاضر (ابو عصر سے کہا گیا اور میں موجود تھا) جب موجود نہ تھے تو پھر بیان کرنے والے کا نام کیوں نہیں بتاتے۔ غرض اس قصہ کا تمام تر دائرہ مدار ایک مجہول شخص کے بیان پر ہے اور جرح کے بارے میں کسی مجہول شخص کا بیان قابل تسلیم

^{۲۶۸}۔ شذرات الذہب ج: ۲ ص: ۱۰۵ طبع مصر ۱۳۵۰ھ۔

^{۲۶۹}۔ دہل الاسلام للذہبی ج: ۱ ص: ۸۸ طبع دار الفکر ۱۳۴۷ھ۔

^{۲۷۰}۔ لسان المیزان ج: ۲ ص: ۷۳ طبع دار الفکر ۱۳۴۱ھ۔

ہیں۔ غائب اس روایت کی عدم صحت ہی کی وجہ سے حافظ ذہبی جیسے سخت گیر شخص۔
 بھی جو ان کے اختلاف کے متعلق جرح و تلاش کر کے نقل کرنے کے عادی ہیں۔ اس اثر
 ہمدانی ذمہ داری خود حاکم پر ڈال دی ہے۔
 علیہ میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں۔

قال الحاکم وضع أبو عصمة حديث فضائل القرآن الطويل. (۲۷۷)
 "حاکم کا بیان ہے کہ ابو عصمہ نے فضائل القرآن کی طویل حدیث بتائی۔"
 یہ صاف طور سے کہتے کہ روایت صحیح ابو عصمہ کا اقرار وضع حدیث ثابت ہے۔
 ذرا اس روایت کی عقلی حیثیت پر بھی نظر ڈال لیجئے۔ امام ابو عصمہ نے فقہ کی تعلیم
 امام ابو حنیفہؒ سے حاصل کی تھی اور مغازی کی ابن اسحاق سے۔ حافظ سمعانی نے کتاب
 جناب میں جامع کے لفظ کے تحت تصریح کی ہے کہ ان کی مجالس علم دور رس چار ختم
 تھیں ایک مجلس حدیث شریف کے لئے مخصوص تھی، ایک میں امام ابو حنیفہؒ کے
 مسائل بیان ہوتے تھے۔ ایک نحو کے لئے خاص تھی، اور ایک اشعار کے لئے۔ صدر
 محمد موفقی بن احمد مکی کا بیان ہے کہ مجلس حدیث میں مغازی کا بھی بیان ہوتا تھا۔ اب
 یہ کرمیائے جو شخص خود فقہ ابی حنیفہ اور مغازی ابن اسحاق کے درس میں مشغول ہوو،
 دوسروں کے اس مشغل پر کیسے نفرت کا اظہار کر سکتا ہے۔
 ابھی خیال رہے کہ ابو عصمہ کی جلالت علمی کا موافق و مخالف سب ہی کو اعتراف ہے۔
 حاکم کے الفاظ ہیں:

عصمة مقدم في علومه. (۲۷۷)

عصمہ اپنے علوم میں مقدم ہیں۔

اسی نے میزان الاعتدال میں ان کا تذکرہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے:

۲۷۷ میزان الاعتدال، ج: ۳، ص: ۲۳۵، طبع مصر، ۱۳۲۵ھ۔

۲۷۸ جناب سمعانی، ص: ۱۱۹۔

نوح بن ابی مریم یزید بن عبد اللہ ابو عصمة المروزی عالم مروی^(۴۴)

بڑے بڑے ائمہ نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ حافظ ابن حجر تہذیب النہال میں لکھتے ہیں۔

قال العباس بن مصعب وروی عنه شعبة وابن المبارك^(۴۵)
 "عباس بن مصعب کا بیان ہے کہ ان سے شعبہ اور ابن مبارک نے حدیثیں روایت کی ہیں۔"

اور حافظ عبدالقادر قرطبی الجواهر المضية میں رقمطراز ہیں۔
 وروی عنه نعیم بن حماد شیخ البخاری فی آخرین قال الإمام أحمد حبل كان شديداً على الجهمية^(۴۶)

"ان سے بخاری کے استاد نعیم بن حماد اور دیگر اشخاص نے روایتیں کی امام احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ یہ جہمیہ کے سخت مخالف تھے۔"

علوم کی ہر گیری کا یہ عالم تھا کہ اپنی وسعت علمی کی بنا پر امت میں جامع کے لقب یاد کئے گئے۔ حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں تصریح کی ہے۔
 ويعرف بالجامع لجمعه العلوم^(۴۷)

"یہ جامع کے لقب سے مشہور ہیں کیونکہ انہوں نے علوم کو جمع کیا تھا۔"
 غور فرمائیے ان کی جامعیت علوم کا سب کو اعتراف ہے امام احمد بن حنبل ان کے
 کی محنت پر شاہد ہیں۔ شعبہ، ابن مبارک، ابن جریج جیسے ائمہ اور امام بخاری و مسلم

^{۴۴}۔ تہذیب التہذیب، ج: ۱، ص: ۳۸۸۔

^{۴۵}۔ میزان الاعتدال، ج: ۳، ص: ۲۳۵۔

^{۴۶}۔ میزان الاعتدال، ج: ۳، ص: ۲۳۵۔

^{۴۷}۔ تہذیب التہذیب، ج: ۱۰، ص: ۳۸۶۔

فیوض حدیث ان سے حدیثیں بیان کر رہے ہیں۔ مسند امام احمد بن حنبل، جامع ترمذی، (۲۷۷) تفسیر ابن ماجہ میں امام موصوف سے حدیثیں منقول ہیں۔ کیا تھوڑی دیر کے لئے بھی ایسے شخص کے متعلق وضع حدیث کا خیال کیا جاسکتا ہے۔

اجی بحث عقلی و نقلی پہلو سے ہمارے دعوے کی اثبات کے لئے کافی ہے۔ درحقیقت یہ واقعہ مشہور وضع حدیث میسرہ بن عبد ربہ کا ہے جو غلطی سے امام ابو عصمر کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ چنانچہ امام ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں۔

قال محمد بن عيسى بن الطباع قلت لميسرة بن عبد ربہ من أين جئت بهذه الأحاديث من قرأ كذا كان له كذا قال وضعته أرغب الناس قال ابن حبان كان ممن يروى الموضوعات عن الإثبات ويضع الحديث وهو صاحب حديث فضائل القرآن الطويل. (۲۷۸)

”محمد بن عیسیٰ بن طباع کا بیان ہے کہ میں نے میسرہ بن عبد ربہ سے کہا تو یہ حدیثیں کہاں سے لایا کہ جس نے یہ پڑھا اس کے لئے یہ ہے۔ کہنے لگا میں نے یہ لوگوں کو ترغیب دینے کے لئے مسموم ہیں ابن حبان کہتے ہیں یہ ثقات سے موضوعات بیان کرتا اور حدیثیں بتاتا ہے۔ فضائل قرآن کی طویل حدیث اسی کی بنائی ہوئی ہے۔“

فضائل قرآن کی طویل حدیث ایک ہی ہے اس کے دو وضع کیے ہو سکتے ہیں۔ تعجب ہے کہ میسرہ کے متعلق اس تصریح کے ہوتے ہوئے بھی حاکم اس کے وضع کرنے کا الزام امام ابو عصمر پر عائد کر رہے ہیں۔

بلاشبہ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اور حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں بعض محدثین سے ان کے حق میں جر میں نقل کی ہیں مگر وہ باوجود بہم اور غیر

”۔ جامع ترمذی کتاب المغفل، ص: ۲۵۲۔

”۔ میزان الاعتدال، ج: ۶، ص: ۲۲۲۔

مفسر ہونے کے قاضی اور سخت نہیں ہیں۔ ان سب جرحوں کے پڑنے سے زیادہ زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ان کا فن حدیث نہیں تھا اس لئے ان سے روایت غلطیاں ہوئیں۔ بدیں زوج یہ اس درجہ تو قوی نہیں کہ ان کی روایت احتجاج کے طور پر پیش کی جاسکے ہاں اعتبار و استشاد میں کام لیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن عدی تصریح فرماتے ہیں۔

وہو مع ضعفہ یکتب حدیثہ (۲۷۹)

”باوجود ان کے ضعیف ہونے کے ان کی روایت لکھی جائے گی۔“

امام ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں حافظ طبریؒ کے ترجمہ میں نہایت ہی عالی سند ان کی یہ حدیث روایت کی ہے۔

أنا نوح بن أبی مریم عن یزید الرقاشی عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لصاحب القرآن دمہ مستجابہ عند ختمہ۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

نوح الجامع مع جلالہ فی العلم ترک حدیثہ وكذلك شیخہ مع عبادہ من إمام فی فن مفسر عن غیرہ کسیویہ مثلاً إمام فی النحو ولا بدری ما الحدیث و وکیع إمام فی الحدیث ولا یعرف العربیہ وکأبی نواس رأس فی الشعر عمری من غیرہ و عبدالرحمن بن مہدی إمام فی الحدیث لا یدری ما الطب قط وکحمد بن الحسن رأس فی الفقہ ولا یدری

۲۷۹۔ میزان الاعتدال، ج: ۳، ص: ۲۴۵۔ تہذیب التہذیب، ج: ۱، ص: ۴۸۸، یکتب حدیثہ، ج: ۱، ص: ۱۰۰۔ یہی کی تصریح کے مطابق ضعف مطلق کی نفی کرتا ہے۔ مقدمہ میزان۔

قرائات وکتفن: إمام في القراءة تألف في الحديث، ولطروب رجال
مولون بها وفي الجملة ما أوتوا من العلم الا قليلا. (۲۸۰)

”نوح جامع کی حدیثیں ان کی جلات علمی کے باوجود ترک کردی گئیں اور اسی
طرح ان کے شیخ زید رقاشی کی باوجود ان کے عابد ہونے کے کیونکہ بہت سے
فلاء ایک فن کے امام ہیں دوسرے فن میں قاصر ہیں۔ جیسے سیبویہ، دکنج
امام ہیں حدیث نہیں جانتے، دکنج حدیث میں امام ہیں علوم عربیت سے
باواقف، ابو نواس شعر کا استاذ ہے دوسرے فنون سے بے بہرہ عبدالرحمن بن
سہدی حدیث کے امام ہیں طب کا پتہ نہیں کہ کیا ہے۔ محمد بن حسن فقہ میں
مردار ہیں قراءت سے نا آشنا۔ حفص قراءت میں امام ہیں حدیث میں بے
چہانت۔“

بدرض:

”یع: ہر کسے را بہر کارے ساختند ہر کارے دہر مردے
و محل علم سب کو تھوڑا دیا گیا ہے۔“

”قرماینے اعتبار کے اس زور پر جو حافظ ذہبی نے نوح جامع کی روایت کے ترک
نے پر صرف کیا ہے۔ کیا حافظ ذہبی جیسا حفص کسی کذاب اور وضاع کے لئے ایک
کے واسطے بھی اس قسم کا اعتبار کر سکتا ہے کذاب اور وضاع ہونا تو درکنہ اگر اس
کا ذور اساتذہ بھی موجود ہو تو حافظ ذہبی کی سیاسی کایت نقطہ اور قلم کی معمولی سی
فن بھی اس کے اعتبار کے لئے عمل میں نہیں آسکتے۔ حافظ ذہبی کے نزدیک نوح
جامع کی اہمیت اور جلات علمی کی وہی شان ہے جو سیبویہ، دکنج، ابو نواس، عبدالرحمن
سہدی محمد بن حسن اور حفص کی اپنے اپنے فن میں۔ ان کے خیال میں چونکہ
ہٹ ان کا فن نہیں اس لئے ان کی روایت حدیث میں ترک کی گئی۔“

ہم نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح امام نوح کا مفصل تذکرہ ہم کو مل جائے۔ حافظ ذہبی کی میزان الاعتدال اور حافظ ابن حجر کی تہذیب التہذیب کے علاوہ انہیں مفصل تذکرہ نہیں مل سکا اور یہ دونوں بزرگ وہ ہیں جن کی سخت گیری علم و ادب کے خلاف نہایت ہی مشہور و معروف ہے۔

جس کا ان کے چہیتے اور مایہ ناز شاگردوں بکت کو اعتراف ہے، چنانچہ علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں اپنے شیخ ذہبی کے متعلق اور علامہ سہادی نے مبیغۃ دور کامنہ میں اپنے استاد ابن حجر کے بارے میں اس کی صراحت کی ہے۔^(۲۸۸) اسی بنا پر قاضی القضاۃ ابوالفضل محب الدین محمد بن الشیخ اپنی شرح ہدایہ کے مقدمہ میں حافظ ابن حجر کے متعلق رقمطراز ہیں۔

وكان كثير التبكي في تاريخه على مشايخه وأحبابه وأصحابه لاسيما الحنفية فإنه يظهر من زلاتهم ونقائصهم التي لا يعرى عنها غالب الناس ما يقدر عليه ويغفل ذكر محاسنهم وفضائلهم إلا ما ألجأه الضرورة إلى فهو سالك في حقهم ما سلكه الذهبي في حقهم وحق الشافعية حتى قال السبكي انه لا ينبغي أن يؤخذ من كلامه ترجمة شافعي ولا حنفي وكذا لا ينبغي أن يؤخذ من كلام ابن حجر ترجمة حنفي متقدم ولا متأخر.^(۲۸۹)

ابن حجر اپنی تاریخ میں اپنے مشائخ، احباب و اصحاب پر بہت سخت گیر ہیں خصوصاً حنفیہ کے متعلق تو ان کا یہ طرز عمل ہے کہ جہاں بکت ہو سکتا ہے ان کی

^{۲۸۸}۔ دیکھو طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ج: ۱، ص: ۱۹۱۔ و دور کامنہ، ج: ۲، ص: ۲۸۸۔

^{۲۸۹}۔ دیکھو طبقات ابن سعد، ج: ۷، ص: ۱۰۳۔ طبع لیڈن اور کتاب علامہ داکنی، ج: ۲، ص: ۳۱۔ و انظر المعارف۔

ان لغزشوں اور کمزوریوں کو جن سے عام طور پر انسان نہیں بچ سکتا ظاہر کر کے ہے جس میں اور جب تک کسی ضرورت سے مجبور نہ ہوں ان کے محاسن اور فضائل کے ذکر سے غفلت برتتے ہیں۔ حقیقۃً کے بارے میں ان کا حال وہی ہے جو حقیقۃً اور شافیہ کے بارے میں ذہبی کا ہے۔ یہاں تک کہ سبکی نے تصریح کی ہے کہ یہی شافی اور خلی کا تذکرہ ذہبی کے کلام سے نہیں لینا چاہئے۔ پس اسی طرح ان جمر کے کلام سے بھی کسی خلی کا تذکرہ نہیں لینا چاہئے خواہ وہ حقدین میں سے ہو یا سخرین میں سے۔

ابن اعر جرح و تعدیل میں سے دو حانظوں کی کتابیں ہمارے سامنے ہیں ایک ابن سعد دوسری کتاب الأسماء والکنی معتمد حانظ ابو بشر دلابی ان دونوں میں فروع بن ابی مریم کا تذکرہ موجود ہے لیکن جرح کا ایک حرف منقول ہے۔ (۲۸۳) حالانکہ ابن سعد کی طبیعت میں اہل عراق سے جو انحراف ہے وہ خود ابن جبر کو بھی حلیم ہے۔ (۲۸۴) اور بلاشبہ انہوں نے طبقات میں اعر جرح کے بارے میں جو کلام کیا ہے اس سے اس دعویٰ کی پوری تائید ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ابن میں حانظ عبدالقادر قرشی نے الجواهر المضية میں اور علامہ محمود بن سلیمان نے کتاب أعلام الأخیار میں ذہبی اور ابن جبر کے بعد مفصل تذکرہ کیا ہے۔ (۲۸۵) لیکن جرح بالکل نقل نہیں کی ہے۔

عبدالاکر سوافی بن احمد کی مناقب ابی حنیفہ میں رقمطراز ہیں۔

ابن ابی ہادی، ج: ۲، ص: ۱۶۳۔

تعلیقات ذیل تذکرہ حانظ، الاستاذ ذہبی، ص: ۳۲۸، طبع مصر

الجواهر المضية، ج: ۱، ص: ۳۶۵، ۳۶۶۔ کنوی کی کتاب کا قلمی نسخہ لکھنؤ کے کتب خانہ میں

لاکھنؤ سے گزرا ہے۔

وأبو عصمة نوح بن أبي مریم إمام أهل مرو ولقب بالجامع لأنه كان أربعة مجالس مجلس المناظرة ومجلس الدرس الفقه ومجلس الحديث ومعرفة معانيه والمناظرة ومجلس لمعان القرآن والادب والحدیث وقيل كان ذلك يوم الجمعة وقال أبو سهل خاقان النما سمي نوح الجامع لأنه كان له أربعة مجالس مجلس الأثر ومجلس الأقاويل أبي حنيفة ومجلس للنحو ومجلس للأشعار وكان من الأئمة الكبار والجلالة قد روي عنه شعبه وابن جريج وهما هما ومع هذه الجلالة لزم أبا حنيفة وروى عنه الكثير ولما مات قعد ابن المبارك على بابہ ثلاثة أيام من التضرع رحمه الله. (۲۸۶)

۱۰ اور ابو عصمہ نوح بن ابی مریم اہل مرو کے امام ہیں یہ جامع کے لقب سے ملقب ہوئے کیونکہ ان کی چار مجلسیں تھیں ایک مناظرہ کی ایک درس فقہ کی ایک حدیث اس کے معانی اور مناظری کے مذاکرہ کی ایک معانی قرآن ادب اور نحو کی اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ جمعہ کے دن ہوتی تھی ابو سهل خاقان کا بیان ہے کہ نوح کو جامع اس لئے کہا گیا کہ ان کی چار مجالس تھیں ایک حدیث کی دوسری امام صاحب کے اقوال کی تیسری نحو کی چوتھی اشعار کی، یہ ائمہ بہادر ہیں۔ اور ان کی جلالت قدر ہی کی بنا پر ان سے شعبہ اور ابن جریج جیسے ائمہ نے حدیثیں روایت کی ہیں اور شعبہ آخر شعبہ اور ابن جریج آخر ابن جریج ہی ہیں نوح نے با ایں ہمہ جلالت قدر ابام ابو حنیفہ کی خدمت میں حاضری کا التزام کیا اور ان سے کثیر روایتیں کیں جب نوح کی وفات ہوئی ہے تو اہل مہارک تین دن تک ان کے دروازہ پر تعزیت کے لئے بیٹھے رہے، رحمہ اللہ۔ (۲۸۷)

۲۸۶۔ مناقب سلفی، ج: دوم، ص: ۱۱۱۔

۲۸۷۔ مناقب سلفی، ج: دوم، ص: ۱۱۱۔

انتصار کا لحاظ رکھنے کے باوجود مقالہ دراز ہو گیا اور بہت سے مباحث قصداً ترک کرنے پڑے تاہم اس کی برابر کوشش کی ہے کہ حدیث کا علمی ذوق رکھنے والوں کے لئے اس میں کچھ نہ کچھ دلچسپی کا سامان موجود ہے کہ :

خطا لا رخاں ہذا قلم ذائر ولم یخلصنا من اعدائنا ابداً

استدراک

المدخل پر تبصرہ تمام ہوا اور محدث حاکم نے حدیث کی جو دس قسمیں کی تھیں ان پر طویل بحث گزر چکی، اب محدث ابن صلاح نے جو اصح احادیث کی سات قسمیں قرار دی تھیں ان پر ایک نظر ڈال لیجئے، علامہ ابن صلاح نے حدیث صحیح کی تعریف کرنے کے بعد سات فائدوں پر بحث کرتے ہوئے ساتویں اور آخری فائدہ میں فرماتے ہیں۔

ما تواتر فائدہ

السابعة: وإذا اتبى الأمر في معرفة الصحيح إلى ما أخرجه الأئمة في تصنيفهم الكفالة بيان ذلك كما سبق ذكره، فالحاجة ماسة إلى التنبه على أقسامه باعتبار ذلك. فأولها: صحيح أخرجه البخاري ومسلم جميعاً، الثاني: صحيح انفرد به البخاري أي عن مسلم، الثالث: صحيح انفرد به مسلم أي عن البخاري، الرابع: صحيح على شرطه عالم يخرجه، الخامس: صحيح على شرط البخاري لم يخرجه، السادس: صحيح على شرط مسلم لم يخرجه، السابع: صحيح عند ظهورهم وليس على شرط واحد من هاتين، لها أقسامه وأعلامها الأول: (م)

”جب مقلد صحیح حدیث کی معرفت میں ان روایات پر متنبی ہوا جس کو آخر حدیث نے ان تصانیف میں بیان کیا ہے کہ جو احادیث صحیحہ کے بیان پر مشتمل

ہیں، جیسا کہ سابق میں گزر چکا ہے تو اس بات کی ضرورت پڑی کہ صحیح حدیث کی اقسام پر اسی اعتبار سے حنفیہ کر دی جائے۔ تو اول: وہ صحیح حدیث ہے جس کی بخاری اور مسلم دونوں تخریج کریں، دوسری: وہ صحیح حدیث جس کی روایت میں بخاری مفرد ہوں اور مسلم نے نقل نہ کیا ہو، تیسری: وہ حدیث صحیح ہے جس کی صرف مسلم نے روایت کی ہو بخاری نے نہیں، چوتھی: وہ حدیث صحیح ہے جو ان دونوں کی شرط پر صحیح ہو لیکن دونوں نے اس کی روایت نہ کی ہو، پانچویں: وہ حدیث صحیح ہے جو بخاری کی شرط پر ہو لیکن انہوں نے اس کو روایت نہ کیا ہو، چھٹی: وہ جو مسلم کی شرط پر صحیح ہو لیکن مسلم نے اس کو روایت نہ کیا ہو، ساتویں: وہ جو دوسرے محدثین کے نزدیک صحیح ہو لیکن ان دونوں میں سے کسی کی شرط پر نہ ہو یہ حدیث صحیح کی بنیادی قسمیں ہیں اور پہلی سب سے اعلیٰ ہے۔

پھر اسی اعتبار سے درجہ بدرجہ بقیہ اقسام بھی صحت کی حامل ہوں گی۔

حافظ ابو بکر حازمی الترمذی ۵۸۳ھ کے زمانہ تک حدیث کی ترجیح کی وجہ کسی کتاب میں ہونا ہم کو معلوم نہیں، کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب (الاعتبار فی التامع والمنسوخ من الآثار) میں احادیث میں باہم تضاد کے وقت پچاس وجوہ ترجیح ذکر کئے ہیں اور ان سب کا تعلق اوصاف ترجیح پر ہے کسی کتاب میں کسی حدیث کی روایت کرنے کی وجہ ترجیح نہیں بتایا، ابن صلاح نے عجا ابو حفص میانجی کے رسالہ (ما لا یبطل الحدیث جہلہ) سے یہ بات لی ہے مگر ابو حفص میانجی فن حدیث میں کسی اعتراض کے مالک نہیں تھے۔ پھر ابن صلاح سے یہ بات نقل در نقل اصول حدیث کی کتابوں میں ہوتی چلی آئی، لیکن یہ تقسیم نہایت نامناسب ہے۔

خود ابن صلاح نے حدیث صحیح کی تعریف کرتے ہوئے آٹھ اہم علمی فائدے دیے ہیں جو یہاں لکھے ہیں ان میں دوسرے فائدے کے ذیل میں اپنے دور میں حدیث کی صحیح کو سمجھنا قرار دیا ہے چنانچہ تصریح فرماتے ہیں۔

الثانية: إذا وجدنا فيما يروى من أجزاء الحديث وغيرها حديثاً صحيح الأسناد ولم نجده في أحد الصحيحين ولا منصوصاً على صحته في شيء من مصنفات أئمة الحديث المعتمدة المشهورة فإننا لا نقهر على جزم الحكم بصحته، فقد تكرر في هذه الأعصار الاستقلال بإدراك الصحيح بمجرد إخبار الأسانيد. (۲۸۹)

• دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ جب ہم اجزاء حدیث وغیرہ میں کوئی حدیث صحیح الاسناد پائیں اور صحیحین میں سے کسی ایک میں نہ پائیں اور اس کی صحت کی تصریح ائمہ حدیث کی معتد اور مشہور کتابوں میں نہ پائیں، تو ہم جزم و یقین کے ساتھ اس کی صحت کی جرات نہیں کریں گے، کیونکہ اس عہد میں صرف اسانید کے اعتبار سے صحیح کا ادراک دشوار ہے۔

لیکن آپ نے دیکھا کہ خود انہوں نے حدیث اصح کی سات قسمیں کی ہیں اور اسی ترتیب سے حدیث کی اصحیت کا حکم لگایا ہے۔ اسی طرح اصح الاسانید کے سلسلہ میں ائمہ اہل کی کوئی بات ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں، چنانچہ اصح الاسانید کے بارے میں امام اہل بن راہویہ، امام احمد بن حنبل، حافظ عمر بن علی القلاص، امام نجی بن عیینہ بلکہ خود امام بخاری صاحب الصحیح کی بات بھی اس مسئلہ میں ان کو تسلیم نہیں (۲۹۰) جس سے خود ان کے مذکورہ قاعدے کا باطل ہونا ثابت ہو گیا جو کہتے ہیں خود اس پر عمل نہیں کرتے۔

حالانکہ اصح الکتاب کے بارے میں اپنی رائے کو چینی سمجھتے ہیں۔

ہمارے خیال میں جس امام نے کسی کتاب کے متعلق یہ ظاہر کیا کہ فلاں کتاب اصح ہے ان سب کو صحیح قرار دینا چاہئے۔ جیسے اصح الاسانید کے بارے میں ان کی یہ رائے

۲۸۹۔ میں: ۱۲، طبع طب، ۱۳۵۰ھ۔

۲۹۰۔ دیکھئے مقدمہ ابن صلاح، میں: ۱۰، ۱۱۔

ہے وہی أصح الکتاب کے بارے میں ہوتی چاہئے۔ کہ جیسے أصح الاسانید کا حال۔ کہ وہ سب اسنادیں صحت کے بہترین معیار ہیں ایسے ہی جس کتاب کو أصح الکتاب کہا جا رہا ہے وہ بھی صحت کے اعتبار سے اعلیٰ درجے کی صحیح قرار دی چاہئے۔ لیکن علامہ ابن صلاح جو کسی أصح الاسانید کو علی الاطلاق اصح کہنے کیلئے تیار نہیں ہیں ہزاروں حدیثوں کے مجموعہ کی کسی کتاب کو اصح کہنے پر معزز ہیں۔ تو یہ عجیب بات ہے کہ ایک اشارہ صحیح کو أصح الاسانید کہنے سے تو روکا جائے اور ہزاروں حدیثوں کے کسی مجموعہ کو اصح الکتاب قرار دیا جائے۔

اب ہم ابن صلاح کی اس تقسیم ہشکانہ پر بحث کرتے ہیں، خود ابن صلاح نے حدیث صحیح کی تعریف کی ہے جو درج ذیل ہے۔

أما الحديث الصحيح فهو الحديث المستند الذي يصل إسناده بغير
العدل الضابط عن العدل الضابط إلى متناه ولا يكون شاذاً ولا
مقطوعاً^(۸۳)

اس تعریف کو لکھنے کے بعد فرماتے ہیں۔

فهذا هو الحديث الذي يحكم له بالصحة بلا خلاف بين أهل الحديث^(۸۴)

اب جہاں ان کو یہ تسلیم ہے کہ ایسی حدیث صحیح تسلیم کرنے میں محدثین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، تو مظلوم ہوا کہ امام بخاری اور امام مسلم کے نزدیک ان اوصاف صحیح کے بعد مزید کوئی شرط نہیں ہے۔ اور ان دونوں حضرات کے نزدیک بھی ایسی حدیث صحیح قرار دی جائے گی۔ اب اگر بخاری و مسلم کے ہاں کوئی شرط ملحوظ ہوتی تو اس صلاح کو اس جگہ ان کی شرطوں کو بیان کرنا چاہئے تھا لیکن ابن صلاح نے یہاں تو

^(۸۳) - ص: ۸۰۔

^(۸۴) - ص: ۹۰۔

ن کوئی مزید شرط ذکر نہیں کی۔ حالانکہ یہی اس کے بیان کا موقع تھا بلکہ ان کی کتاب مقدمہ ابن صلاح کو اول سے آخر تک مطالعہ کیا جائے تو شیخین کے نزدیک صحت حدیث کیلئے مزید کسی شرط کا نہیں ذکر نہیں ملا، اب جو ابن صلاح نے اس تقسیم بخکانہ میں بخاری و مسلم کی شرط کا ذکر کیا ہے، تو وہ سرے سے موجود ہی نہیں اس لئے چوتھی، پنجویں اور چھٹی قسمیں جو ذکر کی ہیں وہ سرے سے کوئی وجود ہی نہیں رکھتیں۔

ابن صلاح نے جو پہلی تین قسموں کا ذکر کیا ہے ان کے بارے میں ان کی تصریحات بخلاف ہوں۔ فرماتے ہیں:

هذا القسم جميعه مقطوعة بصحته والعلم اليقيني النظري واقع به. (۲۳)
اور پہلی قسم (جس کو بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا ہو) اس کی صحت قطعی ہے اور علم یقینی اور نظری اس سے حاصل ہوتا ہے۔
دوسری تیسری قسم کے بارے میں ارشاد ہے۔

قول بأن ما انفرد به البخاری أو مسلم متدرج في قبيل ما يقطع بصحة.

یہ قول کہ بخاری یا مسلم جس کی روایت میں تھا وہ بھی اس سلسلہ میں داخل ہیں کہ اس کی صحت قطعی ہے۔

جس سے یہ معلوم ہوا کہ جس طرح وہ روایت قطعی ہے

کہ جس کو روایت کرنے میں بخاری و مسلم متفق ہیں، اگر صرف بخاری اس کی روایت کریں یا صرف مسلم روایت کریں تو وہ بھی ابن صلاح کے نزدیک قطعی الثبوت ہیں اور بحمد اللہ البالغہ، کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب بھی اس قطعی کے حاصل ہیں۔

اب جب بخاری و مسلم دونوں کی ہر روایت قطعی الثبوت ہے تو پھر تین قسموں کے علیحدہ علیحدہ بیان کرنے کے کیا معنی کیونکہ جب دونوں کتابوں کی ہر روایت قطعی الثبوت شہری تو پھر صحیحین کی ہر روایت قطعی اور یقینی ہوئی جو قطعی الثبوت اور یقینی ہوں ان میں اصحیت کے اعتبار سے کوئی تفاوت نہیں ہوتا، جیسے سورۃ اللہب کو سورۃ الاخلاص پر ثبوت کے اعتبار سے کوئی فضیلت نہیں ہے جس طرح سورۃ الاخلاص کلام اللہ ہے اسی طرح سورۃ اللہب بھی جو معنی اور مضمون کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں سورۃ الاخلاص میں اللہ کی توحید کا بیان ہے اور سورۃ اللہب میں ابولہب کا ذکر ہے، مگر ثبوت کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں، تو تقسیم بھی ختم ہوئی اور بے کار فہمیری یہاں تینوں قسموں کے بجائے ایک ہی قسم رہ گئی۔ پھر غور کر لیجئے کہ بخاری و مسلم کی ہر ایک روایت ابن ملاح کے نزدیک قطعی اور یقینی ہے، تو پھر ایک روایت کو دوسرے کی روایت سے اصح کہنا لغو ہوا، اب سات قسموں کو دو ہی قسم رہ گئیں، ایک وہ کہ جس کی روایت میں بخاری و مسلم دونوں متفق ہوں، ان دونوں میں کوئی ایک روایت کرے، اور دوسری وہ جس کو امام بخاری اور مسلم علاوہ کوئی دوسرا امام روایت کرے، اور پھر یہ دعویٰ بھی محل نظر ہے کہ بخاری و مسلم کی کسی روایت کے مقابلہ میں تمام ائمہ اسلام میں کسی امام کی روایت ان دونوں کی روایت سے صحیح تر نہیں ہو سکتی۔

مزید تفصیل کے لئے غور فرمائیے:

حضرت ابو ہریرہؓ کا جو صحیفہ ہمام بن منبہؓ تابعی نے ان سے روایت کیا ہے وہ ایک مسند یا ایس ۱۳۲ حدیثوں پر مشتمل ہے، یہ صحیفہ صرف ایک طریق سے مروی ہے جس کا سلسلہ سند حسب ذیل ہے عبدالرزاق عن معمر عن ہمام بن منبہ عن ابی ہریرہ، حافظ یوسف مزی نے اپنی مشہور کتاب تحفۃ الاشراف میں (ج: ۱ ص: ۳۹۷ تا ۴۱۰) ذکر کیا ہے، اب اس صحیفہ کی تیس ۲۳ حدیثوں کو تو بخاری و مسلم دونوں نے صحیحین میں ذکر کیا ہے، اور اس صحیفہ کی سولہ ۱۶ روایتیں صرف

بخاری میں مذکور ہیں، اور ائمہ اربعہ ۵۸ روایتیں صرف صحیح مسلم میں اور اس سند کو کسی امام نے اصح الاسانید میں شمار نہیں کیا، پھر شیخین کی متفق علیہ روایت کو کس طرح اصح کہا جاسکتا ہے، اور اسی طرح اسی صحیفہ کی جس روایت کو صرف بخاری نے یا صرف مسلم نے روایت کیا ہے، اس کو کس طرح اصح کہا جاسکتا ہے، اور اسی صحیفہ کی جس روایت کو دونوں نے ترک کر دیا ہے تو ان متروکہ روایت پر بخاری یا مسلم کی روایت کو کس وجہ سے واضح سمجھا جاسکتا ہے، بہر حال ابن صلاح نے جو تقسیم کی ہے وہ کسی طور پر صحیح نہیں سمجھی جاسکتی، بلکہ حافظ ابن حجر نے شرح لخبۃ میں تصریح کی ہے۔

یعرض للفقہ ما یصلہ فائداً. (۲۳)

”کہ بعض وقت مرجوح روایت میں کچھ ایسے امور پیدا ہو جاتے ہیں کہ وہ اس کو اپنے سے فائق پر رائج کر دیتے ہیں۔“

پھر علامہ محقق ابن ہمام اپنی کتاب فتح القدر میں مغرب سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنے کی بحث میں فرماتے ہیں۔

وقول من قال أصح الأحادیث ما فی الصحیحین ثم ما انفرد به البخاری ثم ما انفرد به مسلم ثم ما اشغل علی شرطهما من غیرهما، ثم ما اشغل علی شرط أحدهما، تحکم لا یجوز التعلیل فیہ إذا الأصلیہ لیس إلا لاشتغال رواتهما علی الشروط التي إعتبراها، فإذا فرض وجود تلك الشروط فی رواة حدیث غیر التکابین فلا یکون الحكم، بأصلیہ ما فی التکابین عین التحکم ثم حکما أو أحدهما بأن الراوی المعتبر مجتمع تلك الشروط لیس عما یقطع فیہ بمطابقة الواقع، فیحوز کون الواقع خلافه، وقد أخرج مسلم عن کثیر فی کتابه عن من لم یسلم من غوائل الجرح، وكذا

فی البخاری جماعۃ تکلم فیہم، فدار الأمر فی الرواۃ علی اجتہاد العلما
فیہ، وکذا فی الشروط حتی أن من اعتبر شرطاً وألغاه آخر یكون
رواہ الآخر مما لیس فیہ ذلک الشرط عنده مکافئاً لمعارضۃ المشتل علی
ذلک الشرط، وکذا فی من ضعف راویاً ووثقه الآخر، نعم تسکن علی
الجتہد ومن لم یخبر أمر الراوی بنفسه إلی ما اجتمع علیہ الأكثر، أو
الجتہد فی اعتبار الشرط وعلیہ والذی خبر الراوی فلا یدرج إلا إلی
رأی نفسه. (۱۹۵)

اور جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ اصح حدیث وہ ہے جس کو حضرات شیخین
نے صحیحین (بخاری و مسلم) میں نقل کیا ہو پھر وہ حدیث جس کو صرف امام
بخاری نے نقل کیا ہو پھر وہ حدیث جس کو صرف امام مسلم نے نقل کیا ہو پھر
وہ حدیث جو شیخین کے شرط ہے ہو اور کسی دوسرے امام نے نقل کیا ہو۔ پھر وہ
حدیث جو شیخین میں سے کسی ایک کی شرط ہے مشتعل ہو، تو یہ دعویٰ بغیر دلیل
ہے جس میں کسی کی تقلید جائز نہیں ہے۔

کیونکہ حدیث کی اصحیت صرف ان کے روایات کا شیخین کے معتمد شرطوں پر
مشتعل ہونا ہے جب فرض کیا جائے ان ہی شرطوں کا پایا جانا صحیحین کی حدیث
کے علاوہ دوسری حدیث کے راویوں میں ہو تو کیا پھر صرف صحیحین کی روایتوں
پر اصحیت کا فیصلہ کرنا دعویٰ بلا دلیل نہیں ہے؟ پھر شیخین کا یا دونوں میں
سے کسی ایک کا متعین راوی کے بارے میں معتمد شرطوں کے حاصل ہونے کا
فیصلہ کرنا ان امور میں سے نہیں ہے جن کے بارے میں یقین ہو جاتا ہے۔
حقیقت حال کے مطابق ہونے کی وجہ سے، پس ممکن ہے کہ حقیقت حال اس
کے خلاف ہو جبکہ امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں بہت سے ایسے

راویوں سے روایت نقل کی ہے جو جرح کے فرائض سے محفوظ نہیں ہیں اور اسی طرح صحیح بخاری میں متکلم فیہ ردۃ کی ایک جماعت موجود ہے، پس راویوں کے معاملہ کا دار و مدار احمد حدیث کے اجتہاد ہے اور اسی طرح ان کی شرطوں کے بارے میں یہاں تک اگر کسی امام نے کوئی شرط معتبر قرار دی ہے اور دوسرے امام نے اسی شرط کو غیر معتبر قرار دیا ہے تو دوسرا امام جب ایسی روایت نقل کرے گا جس میں وہ شرط نہیں پائی جاتی (جو پہلے امام نے لگائی تھی) تو یہ روایت ان کے نزدیک ایسی روایت کے معارض ہو سکتی ہے جو اس شرط پر مشتمل ہے اور یہی بات کسی راوی کی تضعیف اور توثیق کے بارے میں ہے، ہاں وہ حضرات جو مجتہدین نہیں ہیں اور راویوں کے احوال جاننے والوں کے علاوہ ہیں ان کا دل ایسی روایت پر مطمئن ہوگا جس پر اکثر متفق ہوں البتہ مجتہد کسی شرط کے ماننے یا نہ ماننے میں اور وہ شخص جو راوی کے احوال سے واقف ہو اپنی رائے پر عمل کرنے کا پابند ہوگا۔

ابو مجتہدین متوہم امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ نے جو صحیحین کی روایت کردہ روایات پر دوسری حدیثوں کو ترجیح دی ہے وہ اسی بنا پر ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تصریح کی ہے کہ بعض وقت امام بخاری و مسلم کی روایت کردہ روایت کے مقابل دوسری روایتوں میں ایسی وجوہ ترجیحات پیدا ہو جاتی ہیں، کہ وہ روایتیں شیخین کی روایت کردہ روایتوں سے قائل ہوتی ہیں۔

مقدمہ: عجائزہ نافعہ ہندوستان میں علم حدیث

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلوة والسلام على رسوله محمد
والله وصحبه أجمعين أما بعد:

اللہ کی شان یا تو ایک وہ زمانہ تھا کہ ہندو سندھ میں استاد و روایت کا چرچا نہ تھا چنانچہ حافظ
خس الدین محمد بن احمد ذہبی الأمصار ذوات الآفار^(۱) میں لکھتے ہیں:

”فالأقاليم التي لا حديث بها يدوي ولا عرفت بذلك الصين اقلق
الباب والهند والسند“۔

”اور وہ ممالک کہ جہاں حدیث کی روایت نہیں کی جاتی اور نہ اس علم میں ان کی
شہرت ہے جتنی ہے کہ جس نے دروازہ ہی ہند کر رکھا ہے، اور ہند اور سندھ
ہیں۔“

”۔ یہ حافظ ذہبی کا ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں انہوں نے ان شہروں کا حوالہ لکھا ہے جہاں
زمانہ میں حدیث و روایت کا سر کر رہے تھے۔ یہ رسالہ اب نہیں ملتا محدث سنی کے
الاعلان بالتاريخ لمن ذم التاريخ من: ۱۳۶ لغایت ۱۳۳ طبع دمشق ۱۳۳۹ھ میں اس
کو بہ تمام و کمال نقل کر دیا ہے اور جہاں ان شہروں کے متعلق اپنی معلومات کا بھی اضافہ کیا ہے
ذہبی کی مہارت کے بعد قلت کمر شروع ہوتا ہے۔ اب یہ رسالہ قاسم علی سیدی کی تحقیقات کے
ساتھ دار البشائر الاسلامیہ، بیروت سے ۱۴۰۶ھ میں باجمہ و مستطبی شکل میں طبع
ہو گیا ہے۔“

حافظ ذہبی نے ۷۴۸ھ میں وفات پائی ہے اس بنا پر یوں سمجھنا چاہیے کہ آٹھویں صدی کے وسط تک علم حدیث کے سلسلہ میں ہندوستان کی کچھ شہرت نہ تھی۔ باقی یہ ایک الگ بات ہے کہ اس دور میں بھی ایک آدھ محدث اس برصغیر ہندوپاک کے طویل و عریض علاقہ میں کہیں نہ کہیں موجود ہو۔ چنانچہ امام حسن بن محمد مغالی لاہوری التوتی ۶۵۰ھ اور شیخ الاسلام علامہ الدین مسعود بن شیبہ سندھی مصنف کتاب التعلیم و طبقات الحنفیہ تو اس پایہ کے محدث گزرے ہیں کہ ان کی تالیفات سے خود عربی دنیا نے فائدہ اٹھایا ہے۔ بلکہ حافظ عبد القادر قرشی التوتی ۷۷۵ھ نے الجواهر الملیٰ فی طبقات الحنفیہ میں امام مغالی کے تذکرہ میں جو یہ لکھا ہے کہ:

سمع بمكة وعدن والمند

انہوں نے مکہ معظمہ، عدن اور ہندوستان میں حدیث کی سماعت کی ہے

اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ خود ہندوستان میں بھی چھٹی ساتویں صدی میں درس حدیث کا سلسلہ موجود تھا تاہم چونکہ اس ملک میں علم حدیث کی عام اشاعت نہ تھی اس لئے حافظ ذہبی نے اس کا شمار ان ممالک میں نہیں کیا کہ جو حدیث و روایت کا مرکز سمجھے جاتے تھے۔ محدث سقادی نے الاعلان بالترویج میں حافظ ذہبی کے مذکورہ بالا بیان کو نقل کر کے اس پر کسی قسم کا اضافہ نہیں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانہ تک ہندوستان کی اس فن میں وہی حالت تھی جو ذہبی نے بیان کی ہے۔ سقادی کی وفات ۹۰۲ھ میں ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے ہم کو یوں سمجھنا چاہیے کہ نویں صدی کے اخیر تک یہاں علم حدیث کا رواج نہ تھا۔

یا پھر وہ زمانہ آیا کہ یہی الکیم ہندو سندھ علم حدیث کی ترویج و اشاعت میں تمام ممالک اسلامیہ پر گویا سبقت لے گئے۔ چنانچہ جانی ذہبی محدث ناقد علامہ محمد زاہد کوثری اپنے مقالات میں رقمطراز ہیں:

”وكان حظ إقليم الهند من هذا الميراث منذ منتصف القرن

العاشر هو النشاط في علوم الحديث فأقبل علماء الهند عليها إقبالا

کلیا بعد أن كانوا منصرفين إلى الققه المجرد والعلوم النظرية، واستعرضنا ما لطباء الهند من الهمة العظيمة في علوم الحديث من ذلك الحين مدة ركود سائر الأقاليم لوقع ذلك موقع الإعجاب الكلي والشكر العميق وكم لطباثهم من شروح بمنعة وتعليقات نافعة على الأصول الستة وغيرها وكم لهم من مؤلفات واسعة في أحاديث الأحكام، وكم لهم من آياد يضاء في نقد الرجال وعلى الحديث وشرح الآثار وتاليف مؤلفات في شتى الموضوعات والله سبحانه هو المسئول أن يديم نشاطهم في خدمة مذاهب أهل الحق ويوضحهم لأمثال أمثال ما وفقوا له إلى الآن وأن يبعث هذا النشاط في سائر الأقاليم من جديد. (۲۹۷)

اور اہم ہند کے حصہ میں اس میراث نبوی میں سے دوسری اہم کی وسط سے علوم حدیث کی سرگرمی آئی ہے۔ چنانچہ اس عہد سے ہندوستان کے علماء خالص فقہ اور علوم نظریہ میں مشغول رہنے کے بعد علوم حدیث پر بالکل متوجہ ہوئے۔ اور اگر ہم علوم حدیث کے متعلق علماء ہند کی اس عظیم توجہ کا اس وقت سے جائزہ لیں کہ جب سے تمام ممالک اسلامیہ میں اس علم کی ترقی کا سلسلہ رکت گیا تو یہ پوری پوری خمیں اور گہرے تفکر کا سبب بنے گا۔ چنانچہ اندازہ کیجیے کہ وہاں کے علماء نے صحاح ستہ وغیرہ کی کتنی مفید شرحیں اور کتنے مفید حواشی لکھے ہیں اور احادیث احکام پر ان کی کتنی وسیع تالیفات موجود ہیں اور تنقید رجال، علل حدیث اور شرح احادیث میں ان کے کس قدر شاندار کارنامے ہیں۔ نیز حدیث کے متعلق مختلف موضوعات پر انہوں نے کس قدر تالیفات چھوڑی ہیں۔ دعا ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ مذہب حق کی خدمت کے سلسلہ میں

۲۹۷۔ مقالات انکوٹری، ص: ۷۳، طبع کھڑ، ۷۲، ۷۳ء

ان کی سرگرمی کو مدام جاری رکھے۔ اور اب بحث جو کچھ ان کو کرنے کی توفیق ملی ہے اس سے کئی گنی کرنے کی مزید توفیق ارزانی فرمائے اور اس سرگرمی کو دوسرے ممالک میں بھی نئے سرے سے پیدا فرمادے۔“ (آمین)

پھر احادیث احکام کی مشہور ترین کتابوں کا ذکر کر کے فرماتے ہیں:

”ثم يأتي دور إخواننا الهند من أهل السنة فأثرهم في السنة في القرون الأخيرة فوق كل تقدير وشروحههم في الأصول السنة تزخر بالتوسع في أحاديث الأحكام.“ (۲۱۸)

پھر ہمارے اہل سنت ہندی بھائیوں کا دور آیا جنکے شاندار کارنامے کچھل صدیوں میں علم سنت کے متعلق ہر اندازہ سے بڑھ کر ہیں اور صحاح ستہ پر ان کی شرحیں احادیث احکام کی وسیع معلومات سے بھرپور ہیں۔“

مصر کے مشہور صحابی سید رشید رسانے تو یہاں بحث لکھ دیا کہ

”ولو لا عناية إخواننا علماء الهند بعلوم الحديث في هذا العصر لقصى عليها بالزوال من أقطار الشرق فقد ضعفت في مصر والشام والعراق والحجاز منذ القرن العاشر للهجرة حتى بلغت منتهى الضعف في أوائل هذا القرن الرابع عشر.“ (۲۱۹)

اور اگر ہمارے بھائی ہندوستانی علماء کی توجہ اس زمانے میں علوم حدیث کی طرف مبذول نہ ہوتی تو ان کے زوال کا بلاد مشرق میں فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ یہ کہ یہ علوم مصر، شام، عراق، اور حجاز میں دسویں صدی ہجری سے ضعیف ہو چکے ہیں حتیٰ کہ اس چودھویں صدی کے اوائل میں تو انتہائی ضعیف ہو چکے ہیں۔“

دسویں صدی کے ممتاز محدثین اور ان کی تصنیفات

ہندوستان میں علوم حدیث کی گرم بازاری جیسا کہ محدث کوثری نے تصریح کی ہے دسویں صدی ہجری سے شروع ہوتی ہے چنانچہ میر سید عبدالاول بن علاء خفی نے اسی مہد میں صحیح بخاری کی شرح لکھی جس کا نام فیض الباری ہے۔ صاحب کی وفات دہلی میں ۹۶۸ھ میں ہوئی ہے، اسی مہد میں شیخ علی بن حسام الدین متقی خفی نے اپنی مشہور کتاب کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال (۳۰۰) لکھی ہے جس کو علم حدیث کا دائرۃ المعارف سمجھا جاتا ہے اس کتاب میں شیخ موصوف نے امام سیوطی کی جامع صفیہ، زوائد جامع صفیہ اور جمع الجوامع کی تمام احادیث کو جو حروف یکب پر مرتب تھیں ابواب فقیر پر مرتب کر دیے۔ جمع الجوامع جس کے بارے میں امام سیوطی کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے اس کتاب میں تمام احادیث نبویہ کا احاطہ کر لیا ہے۔ (۳۰۱)

”یہ کتاب سب سے پہلے مطبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے بڑی تصحیح کی آٹھ ضخیم جلدوں میں بریکٹ ٹائپ پر طبع ہو کر اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچی۔“
 ”لیکن واضح رہے کہ امام سیوطی کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے بلکہ ان سے ایک تہائی کے قریب حدیثیں درج کتاب ہونے سے روکتی ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالرزاق متاوی الترمذی ۱۰۸۳ھ نے اس کتاب پر ایک نہایت طویل استدراک تین ضخیم جلدوں میں لکھا ہے جس کا نام ہے الجامع الاربع من حدیث النبی الذہب میری نظر سے اس کتاب کا قلمی نسخہ گزرا ہے۔ جس کے دیباچہ میں لکھا ہے۔“

ومن البواعث علی تألیف هذا الكتاب أن الحافظ الكبير الجلال السيوطي ادعى أن جمع في كتاب الجامع الكبير الأحاديث النبوية بأسرها مع أنه قد فاتته الثلث فأكثر وهذا فيما وصلت إليه أبدينا بمصر وما لم يصل إلينا منها أكثر وفي الأقطار الخارجة عنها من ذلك أكثر فاعتزب هذه الدعوى كتبت من الأكاره لخصار كل حديث يسأل عنه أو يريد الكشف عنه راجع الجامع الكبير فإن لم يجد فيه غلب ظنه أنه

کنز العمال کے متعلق شیخ ابوالحسن بکری کا مشہور مقولہ ہے کہ:

"للسیوطی منة علی العالمین وللنسی منة علیہ۔"

"سیوطی کا احسان تو سارے اہل عالم پر ہے اور نسی کا احسان خود سیوطی پر ہے۔"

کنز العمال کے علاوہ محدث متقی کی علم حدیث میں اور بھی متعدد تصانیف یادگار ہیں جن میں منتخب کنز العمال اور مختصر النہایۃ لابن الاثیر، خاص طور پر قابل ذکر ہیں، منتخب کنز العمال عرصہ ہوا کہ مصر میں مسند امام احمد کے حاشیہ پر طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ محدث متقی نے نوے سال کی عمر میں حرم محترم میں ۷۵ھ میں انتقال کیا ہے۔

لاوجود لہ فرما اُجاب بأنہ لا أصل لہ فنعظم بذلك الضرر ولرکون النفس الی الخفة وحمہ الاستعجاب وقرعہم أن ما زاد علی ذلك لا یوجد فی کتاب۔

یہ کتاب کی تالیف کے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حافظ جلال الدین سیوطی نے دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے جامع کبیر میں تمام احادیث نبویہ کو جمع کر دیا ہے حالانکہ ایک تہائی بلکہ اس سے بھی زیادہ حدیثیں ان سے درج کرنے سے روک گئی ہیں۔ اور یہ تو ان احادیث کی نسبت ہے کہ ان پر مصر میں اہل دسوس ہوئی ہے اور جن روایات تک اہل دسوس نہیں ہوئی وہ ان سے بھی زیادہ ہیں اور مصر کے علاوہ ہر دینی مالک میں تو اور بھی زیادہ ہیں۔ مگر سیوطی کے اس دعویٰ سے بہت سے آثار کو دھوکہ لگا اور ان سے جب کسی حدیث کے متعلق سوال ہوا یا خود انہوں نے اس کی تحقیق کرنی چاہی تو جامع کبیر کی طرف مراجعت کی اب اگر اس کتاب میں ان کو وہ روایت نہ ملی تو انہیں یہ غالب گمان ہو گیا کہ اس حدیث کا عرصے سے وجود ہی نہیں چنانچہ بسا اوقات انہوں نے اس حدیث کے متعلق جواب میں کہہ دیا کہ اس کی کوئی اصل نہیں جس سے سخت ضرر ہوا کیونکہ بزم خود ان کی طبیعت اس اعتبار پر مائل تھی کہ اس کتاب میں اعلیٰ کر لیا گیا ہے اور وہ اس دہم میں مبتلا تھے کہ حدیث اس کتاب سے ذلت ہے وہ کسی کتاب میں موجود نہیں۔

جامع التذکرہ کا لغوی نسخہ ہندوستان میں ریاست ٹونکن کے کتب خانہ میں تھا۔ اور اسی نسخہ کی ایک نقل یہاں پاکستان میں آکر پھر پھر کے کتب خانہ میں پائی ہے۔

بن ابراہیم صدیقی حنفی التوتنی ۱۰۰۸ھ کے نام پر حنفی مشہور ہے، مولانا احمد علی سہارنپوری کے حواشی صحیح بخاری میں اس شرح سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی

پھر جب ۱۰۰۰ھ میں شیخ الہدین عبدالحق بن سیف الدین حنفی دہلوی حجاز مقدس سے علم حدیث کی تکمیل کر کے مراجعت فرمائے وطن ہوئے تو ان کی ذات بابرکات سے علم حدیث کو بڑا فروغ حاصل ہوا اور علوم نبویہ کی دولت ہر خاص و عام کے لئے وقف عام ہو گئی شیخ مدوح کی وفات ۱۰۵۲ھ میں ہوئی ہے۔ یہ پورے باون برس کی طویل مدت شیخ نے علم حدیث کے احیاء و اشاعت ہی میں گزاری ہے۔ درس حدیث کا سلسلہ اخیر عمر تک جاری رہا۔ ہندوستان کے تمام نامور علمی خانوادوں کا سلسلہ تلمذ علم حدیث میں آپ تک پہنچتا ہے، چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا سلسلہ اسناد بواسطہ شیخ ابو طاهر کردی عن الشیخ عبد اللہ اللاہوری عن عبد اللہ اللیب عن ملا عبد الحکیم السیالکونی آپ پر مشتمل ہوتا ہے۔ علامہ سیالکونی اکو علم حدیث میں براہ راست شیخ سے تلمذ و اجازت حاصل ہے، اسی طرح ملا نظام الدین سہلوی جن کی طرف درس نظامیہ کا احتساب ہے اور جن سے علامہ فرنگی محل کا سلسلہ چلتا ہے حدیث میں شاہ محمد نیکنوی التوتنی ۱۰۸۰ھ کے شاگرد ہیں اور انہوں نے اس فن کی تعلیم شیخ نور الحق بن شیخ عبدالحق شارح بخاری سے حاصل کی ہے اور وہ اپنے والد بزرگوار کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔

شیخ فاضل العصر بعبارة "قلت لا اقول" غالباً تیسرا بین القوی والفقار اور بامسرت واللہ علی بعض حکم الشرع فیما یزالان مولودہ اہم وناور او مستجد اللہ قبل ہذا صرح و علم ان من کلام مکار و سیمت غایۃ التوضیح لمباح الصصح۔ الخ کتب خانہ کندیان میں اس کتاب کی صرف جلد اول ہے۔

حدیث کے درس و تدریس کے علاوہ شیخ محدث نے علم حدیث میں نہایت مہارت اور مفید تصانیف یادگار چھوڑیں۔ منجملہ ان کے لمعات التفتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح شیخ کی وہ بیش بہا تالیف ہے کہ جس سے بعد کے تمام شارحین حدیث نے استفادہ کیا ہے۔ اسی طرح المنہج القوم فی شرح الصراط المستقیم معروف بشرح سفر السعادت اپنے موضوع پر وہ بہترین کتاب ہے کہ جس کی نظم و سادگی و سادگی اسلامی لٹریچر میں بجز ابن قیم کی زاد المعاد کے نہیں ملتی، مدارج النبوة کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحب مجالہ نافذ میں لکھتے ہیں کہ:

"مدارج النبوة شیخ عبدالحق محدث دہلوی و سیوت شامیہ و مواہب لدنیہ بمسوط ترین میر تھامہ"

اور اشعة اللمعات شرح قاری مشکوٰۃ شیخ مدوح کی وہ مقبول عام تصنیف ہے کہ جس سے ایک عالم نے فائدہ اٹھایا ہے۔ نواب صدیق حسن خان انصاف البلاء المتضمن بإحیاء مآثر الفقہاء والمحدثین میں اس کتاب کا تعارف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ "در سموت تناول و شرح غریب و ضبط مشکل و ذکر مسائل فقہ حنفی ہے نظیر است و مزید شہرت و قبول دے مستغنی از بیان است"

شیخ محدث کا سب سے بڑا کارنامہ فقہ حنفی کی احادیث سے تطبیق ہے اور گو یہ مقصد مشکوٰۃ کی عربی اور قاری دونوں شرحوں میں شیخ کے بیش نظر ہے لیکن خاص طور پر فتح المنان فی تأیید مذهب النعمان^(۲۰۳) اور شرح سفر السعادت ہ دونوں کتابیں شیخ نے ہی غرض کے لئے لکھی ہیں۔ شیخ محدث کے بعد ان کے خاندان میں علم حدیث کی خدمت کا سلسلہ دو سو سال تک برابر جاری رہا۔

۲۰۳۔ اس کتاب کے قلمی نسخے کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن اور کتب خانہ دارالحدیث حیدرآباد دکن میں میری نظر سے گزرے ہیں۔

چنانچہ ان کے صاحبزادے شیخ نور الحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۷۳ھ نے صحیح بخاری کی ایک ضخیم شرح چھ جلدوں میں لکھی یہ شرح فارسی زبان میں ہے اور اس کا نام جیسر القاری بشرح صحیح البخاری ہے۔ شیخ نور الحق نے شامل ترمذی کی بھی شرح لکھی ہے۔ شہناش ترمذی کی ایک اور شرح ان کے پوتے شیخ سیف اللہ بن شیخ نور اللہ بن شیخ نور الحق نے بھی لکھی ہے جس کا نام اشرف الوسائل فی شرح الشہناش ہے یہ شرح بھی فارسی میں ہے۔ شیخ ممدوح کے دوسرے پوتے شیخ محبوب اللہ بن نور اللہ نے صحیح مسلم کی شرح منبع العلم کے نام سے لکھی اور شیخ محبوب اللہ کے فرزند اکبر حافظ محمد فخر الدین نے حصن حصین کی شرح فارسی میں لکھی جو مطبع نول مشور لکھنؤ میں طبع ہو چکی ہے اور حافظ فخر الدین کے فرزند ارجمند شیخ محمد المعروف بشیخ الاسلام نے صحیح بخاری کی ایک شرح فارسی میں لکھی ہے جو جیسر القاری کے حاشیہ پر مطبع علوی لکھنؤ میں طبع ہو گئی ہے۔ اور شیخ الاسلام کے صاحبزادہ شیخ سلام اللہ محدث رامپوری المتوفی ۱۲۲۹ھ یا ۱۲۳۳ھ نے مؤطا امام مالک کی ایک ضخیم شرح عربی زبان میں لکھی جس کا نام المہملی بجلی اسرار المؤطا ہے یہ شرح شادولی اللہ کی مسوی اور مصطفیٰ دونوں شرحوں سے زیادہ جامع ہے مولانا عبدالحق لکھنؤی فرنگی محلی خلی کی مشہور شرح التعلیق المجد علی الامام محمد کا سب سے بڑا مؤلف یہی المہملی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مؤطا کی ان تمام شروحوں میں جو متاخرین کے قلم سے نکل ہیں سوائے محدث عبدالباقی زر قانی کی شرح کے اور کوئی شرح جامعیت اور وسعت معلومات کے لحاظ سے محلی کا مقابلہ نہیں کر سکتی میرے پاس محلی کا قلمی نسخہ جو نہایت صاف اور خوش خط ہے بڑی قطع کی دو ضخیم جلدوں میں موجود ہے۔ اور اس کے اول میں شیخ سلام اللہ کے صاحبزادے شیخ نور الاسلام کا رسالہ اصول حدیث بھی ملتی ہے۔

شاہ ولی اللہ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے خاندان کے علاوہ دوسرا خاندان جس نے علم حدیث کی ترویج و اشاعت میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا وہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی التوتنی ۱۷۶۱ھ کا خاندان والا دودمان ہے۔ نواب صدیق حسن خان اتحاف النبلاء المتعین میں شاہ عبدالعزیز کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

”خاندان ایٹاں خاندان علوم حدیث و فقہ حنفی است خدمت این علم شریف چنانکہ ازین اہل بیت بوجود آمدہ درین کشور از خاندان دیگر معلوم و معبود نیست۔“

ان کا خاندان علوم حدیث و فقہ حنفی کا خاندان ہے اور اس علم شریف کی بحیثیت خدمت اس خاندان سے بن آئی ہے اس ملک میں کسی دوسرے خاندان سے معلوم و متعارف نہیں۔

یہ نواب صاحب کی رائے ہے لیکن ہمارے نزدیک صحیح سہ کے درجہ و تدریس اور حدیث کی عام اشاعت کے اعتبار سے شاہ ولی اللہ کا خاندان بڑھا ہوا ہے اور اس علم حدیث میں کثرت تصانیف کے لحاظ سے شیخ عبدالحق کے خاندان کو شاہ ولی اللہ کے خاندان پر فوقیت حاصل ہے۔

شاہ ولی اللہ مصباح و اسرار شریعت کے اسام ہیں اور ان کی کتبہ سنجیوں کے آگے فرمائی درازی کے کارنامے ماند ہیں احادیث کے معانی و توجیہات میں ان کا مقام نظامی بنوی اور نووی کے دوش بدوش ہے۔ حضرت میرزا مظہر جان جاناں فرماتے ہیں کہ: ”حضرت شاہ ولی اللہ محدث طریقت جدیدہ بیان مسودہ اند و در تحقیق اسرار معرفت و خواص علوم طرز خاص دارند بالاین ہمہ علوم و کلمات از علماء ربانی اند“

مسل ایٹان در محققان صوفیہ کہ جامع اندر علم ظاہر و باطن و علم نو بیان کردہ چند کس گزشتہ باشند۔ (۳۰۴)

• حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ نے نیا طریقہ بیان کیا ہے، وہ اسرار معرفت اور دکانی علوم کی تحقیق میں ایک خاص طرز رکھتے ہیں۔ اور باہین ہمہ علوم و کمالات، علماء ربانی میں سے ہیں محققین صوفیہ میں ان جیسے جو علم ظاہر و باطن میں جامع بھی ہوں اور انہوں نے نیا علم بھی بیان کیا ہو چند ہی اشخاص گزرے ہیں۔

شاہ ولی اللہ نے ۱۱۳۳ھ میں فریضہ حج کی اور انگی کے بعد کامل ایک سال تک حرمین شریفین میں علم حدیث کی تحصیل کی اور ۱۱۳۵ھ میں دہلی واپس ہوئے۔ یہاں آکر انہوں نے اور ان کے بعد ان کی اولاد نے برابر اس کی اشاعت کی۔ حق تعالیٰ نے ان کی مساعی جیلہ کو وہ قبولیت عطا کی کہ آج کلکتہ سے لے کر پشاور تک ہندو پاک کے جس مدرسہ میں بھی قال الرسول کی صدا بلند ہے اس کا سلسلہ اسناد بالعموم شاہ ولی اللہ پر ختمی ہوتا ہے۔

حدیث میں شاہ صاحب کی تصانیف میں سے مسویٰ اور مصغی، مؤطا کی دو شرحیں ہیں پہلی شرح جو مختصر ہے عربی میں ہے اور دوسری جو مبسوط ہے اور شاہ صاحب کی علمی تحقیقات پر مشتمل ہے فارسی میں ہے۔ ان کے علاوہ ان کی دیگر تصانیف میں سے حجة اللہ البالغہ میں جو اسرار شریعت کے بیان میں ایک بے نظیر کتاب ہے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داؤد اور جامع ترمذی کی بہت سی احادیث کی شرح آگئی ہے۔ اسی طرح ازالہ الخلفاء عن خلافة الخلفاء اور قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین میں بھی احادیث کا اچھا خاصہ ذخیرہ موجود ہے۔

شاہ عبدالعزیز

شاہ ولی اللہ کے بعد ان کے خلف اکبر، شاہ عبدالعزیز متوفی ۱۲۳۹ھ اپنے پدر بزرگوار کی سند درس پر محکم ہوئے انہوں نے اپنی تمام زندگی درس حدیث کے لئے وقف کر دی حق تعالیٰ نے ان کی عمر میں برکت دی اور عمر طویل عطا فرمائی ان کے عہد میں علم حدیث کو اس دیار میں وہ عروج نصیب ہوا کہ باید و شاید جس کثرت سے ائمہ علماء شاہ عبدالعزیز کے حلقہ درس سے نکلے ہندوستان میں اور کسی محدث کے حلقہ درس سے نہ نکلے۔ علم حدیث سے متعلق شاہ عبدالعزیز کی تصانیف میں ایک تو بستان المحدثین مشہور ہے اور دوسرا یہی عجالات نافعہ یہ دونوں کتابیں فارسی زبان میں ہیں بستان المحدثین میں بعض ان مشہور محدثین اور ان کی تصنیفات کا تذکرہ ہے کہ جن کے حوالے بکثرت کتابوں میں آتے ہیں۔ اور عجالات نافعہ میں فن حدیث کے متعلق عام معلومات کا بیان ہے۔ عجالات نافعہ اگرچہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے مگر اس فن کی نہایت ہی قیمتی اور اہم معلومات پر مشتمل ہے۔ خود شاہ عبدالعزیز نے اس رسالہ کے متعلق اپنی رائے کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے۔

”امید واری از حضرت باری تعالیٰ شانہ و عز رحانہ آنست کہ اگر مضامین این رسالہ را بخشی نصب العین خود سازد و در فنون حدیث خود نمایہ از غلط و خطا ماسون و از تصحیف و تحریف معصون باشد و در صحیح و تصحیف معیار سے درست داشته باشند۔“

”حق تعالیٰ شانہ و عز رحانہ کی بارگاہ سے امید ہے کہ اگر کوئی شخص اس رسالہ کے مضامین کو اپنا نصب العین بنائے اور فنون حدیث میں غور کرے تو غلطی اور خطا سے پاک اور تصحیف و تحریف سے محفوظ رہے نیز صحیح و تصحیف میں ایک صحیح معیار کا حاصل ہو۔“

یہ رسالہ دو فصل اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

فصل اول میں علم حدیث کے فوائد و غایات اور ان شرائط کا بیان ہے جو مطالعہ کون کے لئے درکار ہیں۔ یہی فصل اول در حقیقت اس رسالہ کی جان ہے اور اس میں ایسی کام کی باتیں درج ہیں کہ اصول حدیث کی بڑی بڑی کتابیں ان کے ذکر سے خالی ہیں۔

علم حدیث کی اہمیت:

یہ فصل میں شاہ صاحب نے سب سے پہلے علم حدیث کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حسب ذیل امور پر روشنی ڈالی ہے:

۱۔ اس علم کا فیصلہ تمام علوم دینیہ پر نافذ ہے کیونکہ قرآن کا علم ہو یا عقائد اسلام کا تربیت کے احکام ہوں یا طریقت کے اصول سب کا ثبوت آنحضرت ﷺ کے بیان پر موقوف ہے اور کشفیات ہوں یا عقلیات جب تک ان کو اس ترازو میں تول کر اور اس سولی پر رکھ کر نہ دیکھا جائے قابل اعتبار نہیں۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ کی اجل اسی علم سے وابستہ ہے۔

۳۔ اس علم میں اشہاک انسان میں صحابیت کی شان پیدا کرتا ہے یعنی جس طرح صحابہ آنحضرت ﷺ کے احوال کا ذاتی مشاہدہ کرتے تھے یہ شخص اپنے قصور و خیال میں ان کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے اس کے بعد امام باقر محمد بن علی بن حسین کا یہ مشہور مقولہ نقل کیا ہے کہ:

”من فقه الرجل بصیرتہ بالحدیث أو فطنته للحدیث“ (۲۰۵)

۴۔ امام باقر کے اس بیان کی روشنی میں اس واقعہ کو چننے سے جو حافظ ابن عبد البر نے اپنی مشہور کتاب الاستیعاب فی فضائل الصحابہ فائزہ الفقہاء (ص: ۱۲۳ طبع مصر ۱۳۵۰ھ) میں بسند متصل نقل کیا ہے کہ ایک بار امام ابو حنیفہ نے امام باقر کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ مسائل کے بارے میں سوالات کئے، امام باقر نے اس موقع پر امام ابو حنیفہ کے بارے میں فرمایا: ”ما أحسن حديثه وسمته وما أكثر فقهه“

”میں کا کردار و طرز و طریق کتنا عمدہ اور ان کی فصاحت کتنی زیادہ ہے۔“

”حدیث میں بصیرت انسان کی فقاہت کی دلیل ہے۔“

اس کے بعد فرماتے ہیں: مطالعہ حدیث کے لئے دو باتیں ضروری ہیں۔

”چونکہ حدیث ایک قسم کی خبر ہے اور خبر میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہے، لہذا اس علم کی تحصیل میں دو چیزیں ضروری ہیں، ایک راویوں کے حالات پر نظر رکھنا اور دوسرے حدیث کے معانی کو سمجھنے میں بڑی احتیاط کرنا۔ کیونکہ اگر پہلے امر میں تساہل ہوا تو جھوٹا سچ کے ساتھ دل سل جائے گا۔ اور اگر دوسرے امر میں احتیاط نہ کی تو مراد غیر مراد کے ساتھ مشتبہ ہو جائے گی۔ اور دونوں صورتوں میں اس علم سے جس فائدہ کی توقع ہے وہ حاصل نہیں ہوگا بلکہ اس کے خلاف نتیجہ برآمد ہو کر خود بھی گمراہ ہونے اور دوسروں کو گمراہ کرنے کا سبب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے میں رکھے۔ آمین

پھر ان دونوں امور پر تفصیل سے بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

”امراول یعنی خبر دینے والے راویوں کے حال پر نظر ڈالنا اس کا صدر اول میں (یعنی تابعین و تبع تابعین کے عہد سے لے کر بخاری و مسلم کے زمانہ تک) رنگت اور تھا کہ ہر شہر اور ہر عہد کے رجال کے متعلق ان کے حالات سے بحث و تحقیق کرتے تھے اور جس شخص میں ذرا بھی بے دیاقتی، دروغ پیلانی اور خرابی حافظہ کی بو سونگھتے اس کو قبول نہیں کرتے تھے چنانچہ اسی غرض سے انہوں نے رجال کے حالات میں لمبے چوڑے دفتر اور تفصیلی کتابیں لکھی ہیں اور اس زمانہ میں اس کارنگت اور ہے اب تو چاہیے کہ جو کتابیں صرف صحیح روایات کی حامل ہیں اور ان کے بعد وہ کتابیں کہ جو قابل اعتبار ہیں ان کو علیحدہ معلوم کر لیا جائے اور بعد ازاں جن کتابوں کا رد کرنا اور چھوڑنا ضروری ہے ان کو علیحدہ معلوم کر لیا جائے تاکہ یہ کتابیں غلط فہم نہ ہونے پائیں۔ اور متاخرین محدثین میں سے اکثر

اس سے اندازہ لگائیے کہ امام مروج کے نزدیک امام ابو حنیفہ کا کیا مقام ہے۔

لوگوں کے ہاتھ سے یہ تمیز ترتیب جاتی رہی۔ ناچار بعض مسائل میں جمہور سلف سے اختلاف کر گئے اور ان حدیثوں سے جو غیر معتبر کتابوں میں ان کو ملیں استدلال کرنے لگے۔

شاہ عبدالعزیز نے ان متاخرین محدثین کی نشاندہی نہیں کی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ وہ ان لوگ ہیں جنہیں محدث ہو کر اتنا بھی پتہ نہ چلا کہ حدیث کی معتبر اور غیر معتبر کتابیں کون سی ہیں اور پھر بائین کہ قلت بضاعت جمہور سلف کے خلاف بھی مسائل میں اپنی رائے الگ قائم کر لی۔

بارے خیال میں متاخرین میں جن لوگوں نے جمہور سلف سے کسی مسئلہ میں اختلاف کیا ہے اور غیر معتبر کتابوں کی حدیثوں کو استدلال میں پیش کیا ہے وہ یا تو علم حدیث سے بالکل بیگانہ تھے یا اگر متون پر ان کی نظر تھی تو سلی سلف تنقید رجال اور طرق کیسائی پر نہ تھی۔

آئی رہا تحقیق رجال کا مسئلہ تو اس بارے میں شاہ عبدالعزیز نے جو رائے ظاہر کی ہے وہی رائے ان کے والد ماجد شاہ دلی اللہ کی ہے چنانچہ انسان العین فی مشافخ الحرمین۔ (۳۰۶) میں فرماتے ہیں۔

یاد دانست کہ اشتغال محدث باحوال رجال سند بعد صحیح اسلام آ نہاد معرفت وثوق شان خصوصاً در صحیحین و مثل آن..... از اسعان و تحقیق است۔

یادنانا چاہیے کہ رجال سند کے اسلام کی صحیح اور ان کے وثوق کی معرفت کے بعد محدث کا رجال سند کے احوال معلوم کرنے میں مشغول ہونا خصوصاً صحیحین اور اسی طرح کی اور کتابوں کے رجال کے متعلق یہ خواہ نخواستہ کی گنج کرید ہے۔

اور اسی لئے شاہ عبدالعزیز نے اس فصل میں مؤطا اور صحیحین کے جن روایات کے ناموں میں اشتباہ ہو سکتا تھا ان کو ضبط کر دیا ہے۔ بہر حال اتنی بات ظاہر ہے کہ ان

دونوں بزرگوں کی رائے میں اس زمانہ میں احوال رجال سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں صرف اسناد کی تصحیح کافی ہے۔

لیکن اس اصول کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو اسماء الرجال کا عظیم الشان فن جو مسلمانوں کا سرمایہ نازش اور کارنامہ فخر خیال سمجھا جاتا ہے محض بیکار ہو کر رہ جائے گا۔ علاوہ ازیں جیسا کہ حافظ ابن حجر مستطانی نے تصریح کی ہے۔

الاكتفاء بالنظر في السند طريقة معروفة لكثير من المحدثين وعليها يعمل ما صدر عن كثير منهم من إيراد الأحاديث الساقطة معرضين عن بيان صريحا وقد وقع هذا بلخعة من كبار الأئمة، وكان ذكر الإسناد عندهم من جملة البيان.^(۳۰۶)

سند کے دیکھنے پر اکتفاء کرنا یہ بہت سے محدثین کا مشہور طریقہ ہے اور ان میں سے جو بہت سے حضرات سے ایسا ہوا ہے کہ وہ گری پڑی روایات کو لا کر صراحت کے ساتھ ان کا احوال بتانے پر توجہ نہیں دیتے وہ بھی اسی طریقہ پر معمول ہے۔ یہ طریقہ بہادر ائمہ کی ایک جماعت کا رہا ہے اور ان حضرات کے نزدیک اسناد حدیث کا ذکر کر دینا اس کا حال بیان کرنے ہی میں داخل ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ عہد خیر القرون میں جب کسی امام تابعی یا تابع تابعی کی زبان سے قال رسول اللہ ﷺ نکلتا تھا تو بالعموم اس کی صحت کا وہ خود ذمہ دار ہوتا تھا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں مرسل اور مسند دونوں روایتیں یکساں قابل اعتناء سمجھی جاتی تھیں لیکن ہجرت سے دو سو^(۳۰۸) برس گزر جانے کے بعد جب انکار مرسل کا

^{۳۰۶}۔ توضیح الافکار لعلیٰ تنقیح الافکار از محمد امیر یحییٰ، ج: ۲، ص: ۸۳، طبع مصر ۱۳۶۶ھ

^{۳۰۸}۔ امام ابن جریر طبری فرماتے ہیں: ان الذہبیین اجمعوا بانسہم علی قول المرسلین، لم یات منهم انکار، والامن احد من ائمتہ بعدہم علی راس المائتین۔ (شیخ طاعن فیہات من التریخ، در حافظ قاسم بن قطلوبغا، ص: ۲۷، طبع مصر ۱۳۶۹ھ)

فاحسانہ کھڑا ہوں اور بعض اسناد پر ستوں نے ان احمدی تابعین کی مراسلہ بحث کو رد کر دیا کہ جن پر اپنے عہد میں روایت و فتویٰ کا دار و مدار تھا۔ تو بہت سے محدثین نے یہی مطلب خیال کیا کہ روایت کی اسناد بیان کر کے اپنے آپ کو اس کی ذمہ داری سے سبکدوش کر لیا جائے تاکہ اسناد کا مطالبہ کرنے والے رجاں سند کو دیکھ کر خود اپنی ذمہ داری پر اس کی صحت و سقم کا فیصلہ کریں۔

چنانچہ حنفیہ ابن حجر مغلانی لکھتے ہیں:

أكثر المحدثين من سنة مابین إلى الآن إذا سألوا الحديث بإسناده
اعتقدوا أن هم يروؤا من عهده. (۳۰۹)

”اکثر محدثین ۳۰۰ھ سے لے کر اب تک یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جب انہوں نے کسی حدیث کو مع سند کے بیان کر دیا تو وہ اس کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے۔“

پھر اسی لئے اصول حدیث کی کتابوں میں حدیث کے طالب علم کو جو ہدایات دی گئی ہیں ان میں کتب رجاں اور تواریخ محدثین کے مطالعہ پر خصوصی توجہ دلائی گئی ہے۔

چنانچہ محدث خلیف بغدادی التتویٰ ۳۶۳ھ الجامع فی آداب الشیخ و السامع میں رقمطراز ہیں۔

ومن جملة ما یهتم به الطالب سماع تواریخ المحدثین و کلامهم فی أحوال
الرواة. (۳۱۰)

اور من جملہ ان امور کے جن کا طالب فن کو اہتمام کرنا چاہئے ایک یہ بھی ہے کہ وہ محدثین نے جو تاریخی نکلیں ہیں اور راویوں کے حالات پر جو انہوں نے کلام کیا ہے ان

تمام تابعین کا مرسل کے قبول کرنے پر اہتمام ہے، نہ ان سے مرسل کا انکار مروی ہے اور نہ ان کے بعد وہ سو برس تک کسی اور نام سے۔

۳۰۹۔ تذکرہ الموضوعات از شیخ محمد طاہر ثقفی، ص: ۷، طبع سنہ ۱۳۳۳ھ

۳۱۰۔ الاطلاق بالتاریخ، ص: ۱۱۸

کا سامع کرے۔ اور شیخ ابن صلاح التوفی ۶۳۳ھ اپنی مشہور کتاب مقدمہ علوم الحدیث میں معرفۃ آداب طالب الحدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

ومن كتب معرفة الرجال و تواریخ المحدثین ومن أفضلها تاریخ البخاری الكبير وكتاب الجرح والتعديل لابن أبي حاتم.

کتاب علم رجال اور تواریخ محدثین سے اعتناء کرنا چاہیے اور اس فن کی بہترین کتابوں میں بخاری کی تاریخ کبیر اور ابن ابی حاتم کی کتاب الجرح والتعديل ہیں۔

بلاشبہ امام بخاری، امام مسلم اور دیگر ارباب صحاح نے حتی الوسع یہ کوشش کی ہے کہ اپنی کتابوں میں وہی حدیثیں لائیں جو ان کے نزدیک صحیح ہوں لیکن اس کے یہ مستحکم نہیں کہ ان کتابوں کے رجال کے حالات کا تفصیلی جائزہ نہ لیا جائے بلکہ خود ان بزرگوں کی قدر و قیمت کا حقیقی اندازہ لگانے کے لئے ایسا کرنا ضروری ہے تاکہ معلوم ہو کہ ان کی روایت کردہ حدیثیں صحت کے کس معیار پر ہیں اور احتساب روات کے بارے میں ان حضرات کا کیا کارنامہ ہے اور انہوں نے اس سلسلہ میں کیا کیا کھنٹیں اور کیسی کیسی جانفشانیاں کی ہیں۔

خصوصاً حجاب ان کتابوں کی مرویات میں باہم تضاد من واقع ہو تو ایسی صورت میں ترجیح کے لئے رجال سند کے حالات کا تفصیلی علم اولین شرط ہے اسی لئے محدثین نے ان کی تمام کتابوں کے رجال کے حالات میں خاص طور پر مستقل تصانیف نہایت بسط و تفصیل کے ساتھ مدون کی ہیں تاکہ ان کے راویوں کی تنقید آسانی سے کر لی جائے۔

شاہ ولی اللہ کے گونا گون علوم میں ایک محدث کو جس چیز کی کمی نظر آتی ہے وہ یہی علم اسماء الرجال سے ان کی بے اعتنائی ہے اور سچ یہ ہے کہ اس نہایت ضروری فن سے عدم اعتناء کے باعث ان کے قلم سے جا بجا ایسی سخت فرد گذاشتیں ہو گئی ہیں کہ جنہیں دیکھ کر ذی حیرت ہوتی ہے۔

چنانچہ محبہ اللہ ابانہ، الانصاف فی سبب بیان الاختلاف، عقد البعید فی مسائل الاجتهاد والتقليد اور مصنفی شرح مؤطا کے مقدمے میں جو تاریخ فقہ و حدیث سے متعلق بعض

مجلس ہے اصل باتیں ان کے قلم سے نکل گئی ہیں اور مصطفیٰ وغیرہ میں جو انھوں نے
جہیز فقہاء کے خلاف بہت سے مرجوح مسائل کو ترجیح دی ہے وہ اسی کا نتیجہ ہے۔

چنانچہ محدث کوثری حسن التضاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی کے
خاتمہ میں شاہ ولی اللہ کی تحقیقات کے متعلق بعض اصولی خامیوں کی نشاندہی کرتے
ہوئے رقمطراز ہیں:

وكان الجد جيد الاهتمام بمتون أحاديث الأصول الستة. لكنه كان
يكفي بها من غير نظر في أسانيدھا والواقع أن الاكتفاء بمتونها يقصر
المسافة إلى حد الاقتصاد على مجلد واحد في الحديث، لكن أهل العلم
في حاجة ماسة إلى النظر في الأسانيد حتى في الصحيحين فضلا عن
السنن في باب الاحتجاج بها على القروع كما هو طريقة أهل العلم فكيف
يستباح ترك النظر في الأسانيد في باب الاعتقاد؟ واكتفأوه بمتون الستة
من غير نظر إلى الأسانيد جراً على التحكم في مذاهب الفقهاء ومسانيد
الأئمة بما هو خيال بحت يذوب أمام التاريخ وتحقيق أهل الشأن.

شاہ اسلمیل کے جد امجد (یعنی شاہ ولی اللہ) کو صحاح ستہ کی احادیث کے متون کے ساتھ
بڑا اہتمام تھا۔ لیکن وہ ان کی اسانید کو دیکھے بغیر ان کے متون پر اکتفا کرتے ہیں اور یہ
واقعہ ہے کہ ان چھ کتابوں کے متون پر اکتفا کر لینے سے تحقیق کی مسافت گھٹ کر اس
حد تک رہ جاتی ہے کہ علم حدیث میں بس ایک جلد پر قیامت کر لی جائے۔ لیکن علماء کو
ضرورت پڑتی ہے کہ فردی مسائل میں ان ہی حدیثوں سے استدلال کے سلسلہ میں نہ
صرف سنن بلکہ صحیحین تک کی اسانید پر نظر ڈالی جائے جیسا کہ اہل علم کا طریقہ ہے پھر
ایسی صورت میں بھلا عقائد کے باب میں ان کی اسانید سے صرف نظر کیوں کر وارد کیا
جاسکتا ہے۔ اور ان چھ کتابوں کے متون پر بلا ان کی اسانید پر نظر ڈالے اکتفا کر لینے ہی
سے شاہ صاحب کو یہ جرات ہوئی کہ انہوں نے مذاہب فقہاء اور مسانید ائمہ کے بارے

میں بلاوجہ ایسا فیصلہ صادر کر ڈالا کہ جو نرا خیال ہی خیال ہے اور تاریخ اور نقل و ثبات کے حقائق کے سامنے بے حقیقت بن کر رہ جاتا ہے۔

بہر حال احادیث کے استناد اور روایات کی ترجیح میں شاہ ولی اللہ کی تحقیقات علم اسما الرجال پر مبنی نہیں بلکہ کتابوں کی ترتیب پر ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی مشہور کتاب **عجالات** میں کتب حدیث کو چار طبقات میں تقسیم کر دیا ہے اور شاہ عبدالعزیز نے **عجالات** نافعہ میں اس تقسیم کو بعینہ قائم رکھا ہے البتہ اس بحث میں ان کے والد ماجد کے قلم سے جو بعض خلاف حقائق باتیں نکل گئی ہیں، **عجالات** نافعہ میں ان کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

طبقات کتب حدیث:

طبقات کتب حدیث کی بحث چونکہ نہایت اہم بحث ہے اس لئے ہم اس پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں۔

درین حال نقل عبارت حضرت والد ماجد قدس سرہ نامائیم تا مراتب کتب حدیث ترتیب واضح گردد۔

اس صورت میں حضرت والد ماجد قدس سرہ کی عبارت نقل کرتا ہوں تاکہ کتب حدیث کے درجات ترتیب وار واضح ہو جائیں۔

اس کے بعد شاہ عبدالعزیز نے **عجالات** میں باب طبقات کتب الحدیث کے تحت ان کے والد ماجد نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ اپنے لفظوں میں کر دیا ہے۔ چنانچہ نقل کرتے ہیں:

”ایشان کی فرمائید بایہ دانت کہ کتب احادیث باعتبار صحت و شہرت و قبول و راجح طبقہ می شوند، و مراد ما از صحت آنست کہ معنی التزام کنندہ بر احادیث صحیحہ یا حسنہ را، و غیر آن در آنجا وارد نکند مگر مقرون بہ بیان حال آن از ضعف و غرابت و علت و شد و ذر کہ مراد از ضعف و غریب و مطول با بیان

حال آن قدح نمی کند، و مراد ما از شهرت آنست که اہل حدیث طبقہ بعد طبقہ بآن کتاب مشغول شوند بہ طریق روایت و ضبط مشکل و تخریج احادیث آن تا پہنچ چیز از ان غیر همین نماند، و مراد ما از قول آنست کہ بخدا حدیث آن کتاب را اثبات کند و بر آن اعتراض نہ کنند و حکم صاحب کتاب را در بیان حال احادیث آن کتاب تصویب و تقریر نمایند و فقہاء بآن احادیث تمسک نمایند بے اختلاف و بے التکلف۔

وہ فرماتے ہیں جاننا چاہئے کہ صحت و شہرت اور قبولیت کے لحاظ سے حدیث کی کتابیں چند طبقوں میں آتی ہیں اور صحت سے ہماری مراد یہ ہے کہ مصنف صحیح اور حسن احادیث کے لانے کا التزام کرے اور ان کے علاوہ دوسری روایات کو وہاں نہ لائے الا یہ کہ ضعف و غرابت اور شذوذ میں اس روایت کا جو حال ہے اسے بیان کرتا جائے کیونکہ ضعیف اور غریب اور معلول روایت کے درج کرنے میں جبکہ اس کا حال بیان کر دیا جائے عیب نہیں ہے۔ اور شہرت سے ہماری مراد یہ ہے کہ محدثین طبقہ بہ طبقہ اس کی روایت کو جاری رکھیں اس کے مشکل الفاظ کو ضبط کرتے جائیں اور اس کی احادیث کی تخریج میں مشغول رہیں تاکہ اس کتاب کی کوئی چیز بغیر بیان کئے ہوئے نہ رہ جائے۔ اور قبول سے ہماری مراد یہ ہے کہ ناقدان حدیث اس کتاب کو برقرار رکھیں اور اس پر اعتراض نہ کریں اور صاحب کتاب نے اس کتاب کی احادیث کے متعلق جو حکم لگایا ہے اسے صحیح و برقرار رکھیں اور فقہاء بغیر کسی اختلاف و التکلف کے ان حدیثوں سے استدلال کریں۔

اس کے بعد شاہ صاحب منہج میں فرماتے ہیں کہ:

پس صحیح ایمن حبان مثلاً التزام صحت دارد لیکن شہرت ندارد و مستدرک حاکم مثلاً التزام صحت بزم خود دارد و شہرت ہم دارد لکن قبول نہ دارد کہ ذہبی و دیگر بخدا حکم اور ابصحت مسلم نداشته اند۔

بہیں صحیح ابن حبان مثلاً صحت کا التزام تو رکھتی ہے لیکن شہرت نہیں رکھتی اور مستدرك حاکم مثلاً بزرگم خود صحت کا التزام بھی رکھتی ہے اور شہرت بھی رکھتی ہے لیکن قبولیت نہیں رکھتی کیونکہ ذہبی اور دیگر ناقدین نے صحت کے بارے میں اس کے فیصلے کو مسلم نہیں رکھا ہے۔

واضح رہے کہ صحت کے بارے میں ثناء صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے۔ وہ مصنف ابواب کے پیش نظر ہے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی، تصحیل المنفعة بزوائد رجال الأئمة الأربعة میں لکھتے ہیں کہ:

أصل وضع التصنيف على الأبواب أن يقتصر فيه على ما يصلح للاحتجاج أو الاستشهاد بخلاف من وثق على المسانيد فإن أصل وضعه مطلق الجمع.^{۲۱۱}

ابواب پر حدیث کی تصنیف کا اصول یہ ہے کہ اس کو صرف ان روایات تک محدود رکھا جائے کہ جن میں استدلال یا استشاد کی صلاحیت ہو برخلاف ان لوگوں کے کہ جنہوں نے مسانید پر ترتیب کی ہے۔ کیونکہ مسند کی تدوین کا اصول محض جمع روایات ہے۔ اور علامہ محمد امیر یمنی، توضیح المفہم میں رقمطراز ہیں۔

إن من شأن المسند أن يذكر فيه ما ورد عن ذلك والصحابي به فيجمع الضعيف وغيره، بخلاف المرتب على الأبواب فإن مؤلفه لا يورد لإثبات دعواه في الترجمة إلا الحديث المقبول.^(۲۱۲)

مسند کا طریقہ یہ ہے کہ اس صحابی سے جتنی روایتیں آئی ہیں سب اس میں ذکر کر دیں جائیں لہذا وہ ضعیف اور غیر ضعیف دونوں کی جامع ہوتی ہے برخلاف المرتب

۲۱۱۔ م: ۳، طبع دائرة المعارف، ۱۳۴۳ھ

۲۱۲۔ توضیح المفہم شرح تنقیح المفہم، ج: ۱، م: ۲۲۶، طبع مصر ۱۳۶۶ھ

کتاب کے کہ جو ابواب پر مرتب ہو کیونکہ اس کا سوکف اپنے دعوے کی ثبوت میں باب کے تحت صرف وہی حدیث لانا ہے جو مقبول ہو۔

اس اعتبار سے حدیث کی جو کتابیں مضامین یعنی ابواب پر مرتب ہوئی ہیں ان سب میں صحت کا التزام رکھا گیا ہے لیکن یہ بات کہ معنف کو اس مقصد میں کہاں تک کامیابی ہوئی ہے اور اس نے اپنی کتاب میں صحت کا کہاں تک اہتمام رکھا ہے اس کا فیصلہ رجال سند کے حالات کا تفصیلی علم حاصل کئے بغیر ممکن نہیں۔

دہی شہرت سوا اس بارے میں کتابوں کی شہرت کے بجائے خود حدیثوں کی شہرت پیش نظر رہنی چاہئے۔ یعنی حدیثیں ایسی ہوں کہ جن پر ائمہ اسلام نے اپنے مسائل کی بناء رکھی ہو اور اصول و فروع میں ان کو احتجاج یا استنباد کے طور پر پیش کیا ہو کیونکہ ایسی حدیثوں کے تمام معانی و مطالب ضبط الفاظ کیساتھ ساتھ خود بخود کھر کر سامنے آجاتے ہیں اور فقہاء و محدثین پر دور ہمیں ان روایات سے بحث کرتے چلے آتے ہیں۔ چنانچہ امام غزالی نے شرح معانی الآثار میں اور امام ابو داؤد سجستانی نے کتاب السنن میں اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں احادیث کی ترتیب و تدوین کے سلسلہ میں اسی شہرت کو پیش نظر رکھا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ کتابوں کی شہرت ہر طبقہ میں یکساں قائم نہیں رہتی بلکہ اس میں مختلف اسباب کی بناء پر مختلف ادوار اور مختلف مقامات کے لحاظ سے کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اسی لئے آپ کو تاریخ و طبقات کی کتابوں میں متعدد ائمہ حدیث کے متعلق یہ تصریح ملے گی کہ صحاح ستہ کی بعض مشہور ترین کتابیں ان کی نظر سے نہیں گزری تھیں۔

چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں امام مسلم بن الحجاج کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ:

لعل أبا علي ما وصل إليه صحيح البخاري
فأجابوا علي نيشاپوري بكت صحيح بخاري نہیں پہنچ سکی تھی۔

حالانکہ ابو علی نیشاپوری وہ شخص ہیں کہ جن کے متعلق خود حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں تصریح کی ہے کہ:

سمع بخراسان والحجاز والشام والعراق ومصر والجزيرة والجلال.
انہوں نے خراسان، حجاز، شام، عراق، مصر، جزیرہ اور کوہستان میں حدیث کی سماعت کی تھی۔

ابو علی نیشاپوری کی وفات ۳۲۹ھ میں ہوئی ہے یہ اپنے عہد کے مشہور ائمہ حدیث میں سے تھے حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا مفصل تذکرہ لکھا ہے جو ان لفظوں میں شروع ہوتا ہے۔

أبو علي الحافظ الإمام محدث الإسلام الحسين بن علي بن يزيد بن داؤد النيسابوري أحد جهابذة الحديث.
اور امام خطابی اپنی مشہور کتاب معالم السنن شرح سنن ابی داؤد کے مقدمہ میں شہرت و قبولیت کے اعتبار سے صحیحین اور سنن ابی داؤد کا باہم موازنہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

واعلموا رحمكم الله أن كتاب السنن لأبي داؤد كتاب شريف لم يصنف في علم الدين كتاب مثله وقد رزق القبول من الناس كافة فصار حكا بين فرق العلماء وطبقات الفقهاء على اختلاف مذاهبهم فكل فيه ورد ومنه شرب وعليه معول أهل العراق ومصر وبلاد المغرب وكثير من مدن أقطار الأرض فأما أهل خراسان فقد أولع أكثرهم بكتاب محد بن إسماعيل ومسلم بن الحجاج ومن لمحا لمحوهما في جمع الصحيح على شرطهما في السبك والاستفاد.

اللہ آپ لوگوں پر رحم کرے آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ابو داؤد کی کتاب السنن وہ کتاب شریف ہے کہ علم دین میں کوئی کتاب اس کی مثل تصنیف نہیں ہوئی اور اسے تمام لوگوں میں قبول عام نصیب ہوا چنانچہ علماء کی جماعتوں اور فقہاء کے طبقوں میں باوجود اختلاف مذاہب کے یہ کتاب حکم بن مکنی ہے اور ہر ایک اس کے گھاٹ پر آتا اور اس سے پیتا ہے اور اسی پر اہل عراق اہل مصر اہل مغرب اور روئے زمین کے بہت سے اہل ممالک کا اعتماد ہے۔ البتہ اہل خراسان کی اکثریت محمد بن اسماعیل (بخاری) اور مسلم بن حجاج اور ان لوگوں کی کتاب کی گردیدہ ہے کہ جنہوں نے ان کے موافق جمع صحیح میں ان ہی دونوں کی روش اختیار کی ہے اور جانچ پڑتال میں انہی کی شرط کو ملحوظ رکھا ہے۔

اسام خطابی کی وفات ۳۸۸ھ میں ہوئی ہے اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ جو نسخہ مدی کے اخیر بکت صحیحین کو وہ قبول عام حاصل نہ تھا کہ جو سنن ابی داؤد کو تھا۔ اور محدث حاکم نیشاپوری صاحب المستدرک علی صحیحین الترمذی ۴۰۵ھ نے اپنی کتاب معرفة علوم الحديث میں سنن نسائی کے حقائق تصریح کی ہے کہ:

ولیس هذا الكتاب بمسروح عندنا۔

یہ کتاب ہمارے پاس سلف و روایت کے ساتھ نہیں ہے۔

اور حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں اسام بیہقی کے ترجمہ میں رقمطراز ہیں کہ:

لم یکن عندهم سنن النسائي ولا جامع الترمذي ولا سنن ابن ماجه۔

ان کے پاس نہ سنن نسائی تھی نہ جامع ترمذی اور نہ سنن ابن ماجہ۔

یہی حافظ ذہبی سیر أعلام النبلاء میں حافظ ابن حزم ظاہری کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ:

ما ذكر سنن ابن ماجه ولا جامع الترمذي فإنه ما رآها ولا دخلا الأندلس إلا بعد موته۔

ابن حزم نے نہ سنن ابن ماجہ کا ذکر کیا ہے اور نہ جامع ترمذی کا کیونکہ یہ دونوں کتابیں ان کی نظر سے نہیں گذری تھیں بلکہ یہ دونوں کتابیں اندلس میں بھی ان کے مرنے کے بعد ہی آئی ہیں۔

نہ صرف یہ کہ جامع ترمذی امام ابن حزم کی نظر سے نہیں گذری تھی بلکہ وہ امام ترمذی سے اس درجہ نااہل تھے کہ اپنی مشہور کتاب الإیصال میں ان کو مجہول تک لکھ گئے ہیں۔ امام بیہقی اور امام ابن حزم غامری دونوں کا سن ولادت ایک ہے یعنی ۳۸۳ھ اور وفات میں ایک سال یا دو سال کا فاصلہ ہے۔ امام بیہقی نے ۴۵۸ھ میں قضا کی ہے اور امام ابن حزم نے ان سے ایک سال یا دو سال بیشتر ۴۵۷ھ یا ۴۵۶ھ میں۔ ابن حزم نے تو بے شک اندلس سے باہر قدم نہیں نکالا لیکن امام بیہقی نے خراسان بغداد اور کوفہ کے مشہور شیوخ حدیث سے اس علم کی تحصیل کی تھی اور طلب حدیث میں حجاز عراق اور کوہستان کو پے پھر کیا تھا۔ حافظ ذہبی کے الفاظ ہیں:

ارتحل إلى العراق والجلال والحجاز.

اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ پانچویں صدی کے وسط تک ان تینوں کتابوں کی شہرت اتنی نہ تھی جتنی کہ زمانہ مابعد میں ہوئی۔ فرض اگر کتابوں کی شہرت پہ دار و مدار رکھا جائے گا تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ شہرت و تداول کے ساتھ ساتھ کتاب کا اعتبار و استناد کم و بیش ہوتا رہا ہے گا اور ایک دور میں جو کتاب کثرت تداول کے سبب طبقہ اولیٰ میں شمار ہوگی دوسرے دور میں یہی کتاب تداول نہ ہونے کے سبب دوسرے یا تیسرے طبقہ میں آجائے گی۔ جیسا کہ ابھی شاہ عبدالعزیز کی تصریح صحیح ابن حبان اور صحیح حاکم کے بارے میں آپ کی نظر سے گذری کہ یہ شہرت و قبول کی حامل نہیں اور اسی لئے شاہ صاحب نے عجالتہ نافضہ میں ان دونوں کتابوں کو تیسرے طبقہ میں رکھا ہے حالانکہ صحیح ابن حبان کے بارے میں خود ان کو اعتراف ہے کہ اس میں صحت کا التزام ہے لیکن اس اعتراف کے باوجود وہ اس کو طبقہ ثانیہ میں بھی رکھنے کے لئے تیار نہیں جبکہ مسند احمد کو باوجود اس تصریح کے کہ در مسند

احمد احادیث ضعیف بسیار اند۔ امام احمد کی سند میں ضعیف حدیثیں بہت ہیں۔ وہ طبقہ ثانیہ میں شمار کرتے ہیں۔

اور سنن ابن ماجہ کے متعلق یوں اظہار رائے فرماتے ہیں کہ :

”پچھنیں سنن ابن ماجہ را نیز درین طبقہ میتوان شمرد۔ اسی طرح سنن ابن ماجہ کو بھی اسی طبقہ میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

ہر چند بعض احادیث آن در غایت ضعف اند۔ اگرچہ اس کی بعض حدیثیں نہایت ضعیف ہیں۔

حالانکہ اصول حدیث کی تمام اہم کتابوں میں صحیح حدیثوں کو معلوم کرنے کے لئے صحیحین کے علاوہ جن کتابوں کی نشاندہی کی گئی ہے ان میں ان دونوں کتابوں کا نام خاص طور پر بمراحت موجود ہے۔“

اور ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ ماننے لیتے ہیں کہ صحیح ابن حبان شہرت کی حامل نہیں رہی لیکن سوال یہ ہے کہ جس دور میں یہ کتاب مشہور و متداول تھی اور حفاظ حدیث اپنی تصانیف میں اس کی حدیثیں نقل کر رہے تھے اس دور کی اگر کسی مشہور کتاب میں مثلاً حافظ جمال الدین زلیحی کی نصب الراية یا حافظ ابن حجر مسطانی کی فتح الباری میں اس کے حوالے سے کوئی حدیث مل جاتی ہے تو پھر آخر کون سی وجہ ہے کہ اس حدیث کو طبقہ اولے یا طبقہ ثانیہ کی روایات کے برابر قرار نہ دیا جائے۔ اسی طرح مستدرک حاکم کی شہرت جب ثناء صاحب کو حلیم ہے۔ تو پھر اس کتاب کی جن حدیثوں کو خود حافظ ذہبی نے صحیح حلیم کہا ہے آخر وہ صحت میں کیوں ان دونوں طبقوں کے برابر نہیں رہیں؟ اور جب آپ کی عقیدے سے قبولیت میں فرق آیا تو ان کی صحیح سے کیوں حسن قبول حاصل نہیں ہوا؟

”حافظ ابو حنظلہ، ابن مبارک، انصار علوم الحدیث و ابن کثیر، شرح صلیبہ و عراق، عریب البروی و سیوطی، فتح الباری و سیوطی، توضیح غایبہ و امیر ہاشمی و غیرہ۔

پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ جو کتاب مشہور ہو اس کی حدیثیں بھی مشہور ہی ہوں بلکہ بہت سی مشہور کتابوں میں بعض غیر متداول اور غیر مشہور روایتیں موجود ہیں اور بہت سی مشہور اور متداول حدیثیں درج نہیں چنانچہ خود صحیحین کے متعلق علامہ ابن الاثیر جزری نے جامع الأصول میں تصریح کی ہے کہ:

رب أحادیث مشہورة في أيدي الناس متداولة بين الأئمة لم يخرج منها في الصحيح شيء ورب أحادیث خرجت في الصحيح وهي غير مشہورة ولا متداولة بين الأئمة.^{۲۱۵}

بہت سی وہ حدیثیں کہ جو لوگوں میں مشہور اور ائمہ میں متداول رہی ہیں صحیحین میں ان میں سے کچھ بھی مروی نہیں اور بہت سی وہ حدیثیں کہ جو صحیحین میں مروی ہیں غیر مشہور ہیں اور ائمہ میں متداول نہیں رہی ہیں۔

ہاں یہ واضح رہے کہ محققین کے نزدیک شہرت و قبول کے بارے میں صحیح طریق عمل یہ ہے کہ ہر علمی سلف کو مدار علیہ ٹھہرایا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ قرون مشہود لھا بالظہور میں یعنی صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے دور میں اس کتاب کی روایت کردہ حدیثوں کی شہرت و قبولیت کا کیا حال تھا۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

بعض محققین ذکر کردہ اندک حکم بتواتر و شہرت و وحدت حدیث معتبر در صدر اول است، والا بسا احادیثی کہ در آن وقت از احاد پودہ و بعد از ان بوجود کثرت طرق بردار این علم و کثرت طالبان و جامعان کہ بعد از ان پیدا شدہ بر تہ شہرت رسیدہ باشد۔^{۲۱۶}

^{۲۱۵} ج: ۱، ص: ۵۳، شیخ طہ بن عبدالمطلب: ۱۸۰

^{۲۱۶} شرح طرق حدیث، ص: ۲۴، قول کثیر المصنف

بعض محققین نے بیان کیا ہے کہ حدیث کے متواتر، مشہور اور احاد ہونے کے بارے میں صدر اول کا فیصلہ معتبر ہے ورنہ بہت سی وہ حدیثیں کہ جو اس زمانہ میں احاد نہیں بعد کو ان کے بہت سے طریقوں کے وجود میں آ جانے کے باعث کہ جو زمانہ مابعد میں اس علم کے رواج پا جانے اور طالبین اور مؤلفین کی کثرت کی بدولت پیدا ہو گئے بہت کے مرتبہ پہ پہنچ جاتی ہیں۔

اس بناء پر اگر حدیثوں کی شہرت کے بجائے کتابوں کی شہرت کو مدار علیہ میرایا جائے گا تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ متداول کتابوں کی غیر مشہور اور ضعیف حدیثوں کو بر متداول کتابوں کی مشہور اور صحیح حدیثوں پر ترجیح دینی ہوگی۔ اور اس طرز عمل میں خرابی ہے ظاہر ہے۔

اسی طرح حدیثین کی قبولیت کے سلسلہ میں یہ تفصیل ضروری ہے کہ اگر کسی ایسی کتاب کی کچھ حدیثوں پر ناقدین فن کو کلام ہو کہ جس میں صحت کا التزام منف کے پیش نظر ہے تو اس کتاب کی صرف وہی حدیثیں حسن قبول سے مستثنیٰ سمجھی آئیں گی۔ جن کی بابت ائمہ فن نے کلام کیا ہے۔ یہ نہیں کہ ساری کتاب غیر مقبول وارد سے دی جائے جیسا کہ شاہ صاحب نے مستدرک حاکم کو قبولیت سے خارج دیا ہے۔ کیونکہ ایسی کوئی کتاب نہیں ہے کہ جس کی بعض روایات پر اہل فن نے کچھ کچھ کلام نہ کیا ہو۔ چنانچہ خود صحیحین کے بارے میں بھی حافظ ابن حجر عسقلانی نے رح غیبہ میں یہی لکھا ہے:

”أَنَّ هَذَا يَخْتَصُّ بِمَا لَمْ يَنْقُذَهُ أَحَدٌ مِنَ الْخُفَاطِ بِمَا فِي الْكُتُبِ۔“

یعنی باہقول صحیحین کی ان روایات کے ساتھ مختص ہے کہ جن پر حفاظ حدیث میں سے کسی نے کلام نہ کیا ہو۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے کتب حدیث کے طبقات کو اس طرح متعین کیا ہے کہ:

۱۔ طبقہ اولے از کتب حدیث سے کتاب اند، مؤطا، صحیح بخاری، صحیح مسلم، و نسبت درین سے کتاب آنت کہ مؤطا گویا اصل و ام صحیحین است و در کمال شہرت رسیدہ، ہزار

کس از علماء عصر امام مالک مؤطا را روایت کرده اند مثل شافعی، ولیم محمد یحیی بن یحیی مصمودی و یحیی بن یحیی حمی و یحیی بن کبیر و ابو مصعب و قعنبنی، و عدالت و ضبط رجال این کتاب مجمع علیہ دور مدینہ مکہ و عراق، شام و یمن و مصر و مغرب و مشرق مشہور شد و ہزار فقہاء اصحاب بر آنست و در زبان امام مالک و بعد از ایشان نیز علماء و تخریج بر مؤطا و ذکر متابعت و شواہد احادیث کن سنی شیخ نمودند کہ در شرح غریب و ضبط مشکل و بیان نقد سائر وجوہ بیان آنقدر اہتمام کردند کہ زیادہ بر آن تصور نیست، و تصحیح بخاری و مسیح مسلم بر چند ربط و کثرت احادیث دہ چند مؤطا باشند لیکن طریق روایت احادیث و تفسیر رجال و راہ اعتبار و استنباط از مؤطا آموختہ اند و معنی این ہر دو کتاب نیز مخدوم طوائف اہل انام و جمیع علماء اسلام اند فرقہ مستزجات بر ای انہا نوشتہ اند مثل اسماعیل و ابو حنیفہ و طائفہ متصدی شرح غریب و ضبط مشکل و بیان قصہ و احوال روایہ آنہا شدہ اند و در شہرت علمی باقبول ہر چہ علیار سیدہ اند صاحب جامع الاصول از فرہری نقل کردہ است کہ مسیح بخاری را مالہ بخاری بواسطہ نو ہزار کس سماع دارند، غلط کلام آنکہ احادیث این ست کتب اصح الاحادیث اند اگرچہ بعضی احادیث این ہر دو کتاب مسیح تر از بعضی باشند و اگر بہ نظر تنقص دیدہ شود احادیث مرفوعہ مؤطا عاجز اور مسیح بخاری موجود اند پس مسیح بخاری مشکل است بر مؤطا باعتبار احادیث مرفوعہ آری آثار صحابہ و تابعین در مؤطا زیادہ است پس این ہر دو کتاب را در طبقہ اولی باید داشت۔

پس کتب حدیث کے پہلے طبقہ میں تین کتابیں ہیں۔ مؤطا، صحیح بخاری، صحیح مسلم ... اور تین کتابوں کی باہمی نسبت یہ ہے کہ مؤطا گویا صحیحین کی اصل اور ام (ملاں) ہے اور کمال شہرت کو پہنچی ہوئی ہے۔ امام مالک کے زمانہ کے ایک ہزار علماء نے جیسے کہ شافعی، امام محمد، یحیی بن یحیی مصمودی، یحیی بن یحیی حمی، یحیی بن کبیر، ابو مصعب اور قعنبنی ہیں مؤطا کی روایت کی ہے۔ اور اس کتاب کے رجال کی عدالت اور ضبط و تحقیق علیہ ہے اور یہ کتاب مدینہ مکہ، عراق، شام، یمن، مصر اور مغرب و مشرق میں مشہور ہو چکی ہے۔ اور فقہاء اصحاب کا دار و مدار اس پر ہے۔ اور امام مالک کے

زمانے میں اور ان کے زمانہ کے بعد بھی علماء نے مؤطا کی روایات کی تخریج اور اس کی احادیث کے مستحبات و شواہد کے بیان کرنے میں نہایت کوشش کی ہے اور شرع غریب اور ضبط شکل اور بیان فقہ اور دیگر تمام قابل ذکر امور کے بیان کرنے میں اس اور جہ اہتمام کیا ہے کہ اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اور صحیح بخاری و صحیح مسلم اگرچہ کہ بسط و کثرت احادیث کے لحاظ سے مؤطا سے دس گنی ہیں لیکن روایت کا طریقہ رجال کی تمیز اور اعتبار و استنباط کا ذہنک انہوں نے مؤطا ہی سے سیکھا ہے تاہم یہ دونوں کتابیں بھی ہمارے علماء اسلام و طوائف انام کی محذوم ہیں۔ کچھ لوگوں نے جیسے اسماعیلی اور ابو عوانہ ہیں ان کے لئے مستخرجات لکھی ہیں اور کچھ لوگوں نے شرح غریب اور ضبط مشکل اور ان کے روایات کے حالات و واقعات کے بیان پر توجہ کی ہے۔ اور شہرت اور تلقی بالقبول میں یہ نہایت ہی بلند درجہ پر فائز ہیں۔ صاحب جامع الاصول نے فربری سے نقل کیا ہے کہ صحیح بخاری کو امام بخاری سے نوے ہزار آدمیوں نے بلا واسطہ سنا ہے، خلاصہ کلام یہ کہ ان تینوں کتابوں کی حدیثیں سب سے زیادہ صحیح ہیں گو ان تینوں کتابوں کی بعض حدیثیں، بھی بعض کی بہ نسبت زیادہ صحیح ہوں۔ اور اگر جستجو کر کے دیکھا جائے تو مؤطا کی مرفوع حدیثیں اکثر صحیح بخاری میں موجود ہیں پس صحیح بخاری مرفوع احادیث کے لحاظ سے مؤطا پر مشتمل ہے البتہ صحابہ و تابعین کے آثار مؤطا میں زیادہ ہیں، لہذا ان تینوں کتابوں کو پہلے طبقہ میں رکھنا چاہئے۔

یہاں چند امور پر تنبیہ کرنا ضروری ہے۔

- (۱) یہ ایک ہزار اشخاص مؤطا کے راوی نہیں بلکہ امام مالک سے ان کی حدیثوں کے راوی ہیں عام اس سے کہ وہ حدیثیں مؤطا میں مذکور ہوں یا نہ ہوں۔ چنانچہ محدث خلیف بغدادی اور قاضی عیاض نے روایات مالک کے نام سے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ دارقطنی، قاسم بن اصبح، ابن عساکر، ابن المقرئ اور دحلج سبزی جو

مشہور حفاظ حدیث میں سے ہیں غرائب ممالک کے عنوان سے جو تصانیف کہیں ہیں ان میں امام مالک کی دو روایتیں موجود ہیں جو مؤطا میں مذکور نہیں ہیں۔ (۳۷)

قاضی عیاض نے اپنی مشہور کتاب تریب المدارک و تخریب المسالك فی ذکر فقہاء مذہب مالک میں ایک مستقل باب ذکر رواۃ المؤطا کے عنوان سے منعقد کیا ہے۔ جس میں سانچہ سے کچھ اور اشخاص کا ذکر ہے۔

بعد کو حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی نے رواۃ مؤطا پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی جس کا نام إتحاف السالك برواۃ المؤطا عن الإمام مالک ہے لیکن حافظ موصوف کی انتہائی کوشش اور تلاش کے باوجود ان کی تعداد انا کی سے زیادہ نہ بڑھ سکی۔ حافظ سیوطی نے تزیین المعالک بمناقب الإمام مالک کی ایک مستقل فصل میں پہلے خطیب اور قاضی عیاض کے حوالہ سے ان ایک ہزار سے زائد راویوں کو نام نام بقید نسب شمار کرایا ہے کہ جنہوں نے امام مالک سے حدیثیں روایت کی ہیں اور بعد کو ایک دوسری فصل میں مدارک قاضی عیاض اور إتحاف السالك کے حوالہ سے ان لوگوں کے نام دیئے ہیں کہ جنہوں نے امام ممدوح سے مؤطا کی روایت کی ہے۔

(۴) اور یہ جو شاہ عبدالعزیز نے لکھا ہے کہ

”چاہ فقہاء اصحاب برآن است“

اس کی تفصیل شاہ ولی اللہ کی مصنفی شرح مؤطا میں اس طرح مذکور ہے کہ :

اہل مذہب مالک خود عمل ایساں بر آفت واصل مذہب شافعی و سنی اجماع اور مؤطا مالک است و بعض چاہا تعقب کردہ است و در ترجیح روایات اختلاف نمود و است و محمد را در بسوط و غیر آن سرمایہ فقہیت مؤطا است والا آثار یک از امام ابو حنیفہ روایت

۳۷۔ ملاحظہ ہو الممدوح المستغرق فی بیان مشہور کتب الہدایہ الشرفہ فی سید محمد نعمانی، ص ۸۴-۸۵، طبع بیروت، ۱۳۳۲ھ۔

گردہ است جمیع مسائل فقہ را کتایب نمی کند و در مؤطا بسیار جائی گوید وہ اقول وہ کان یقول ابو حنیفہ۔^{۳۱۸}

ہاں کی مذہب والوں کا عمل خود اسی کتاب پر ہے اور امام شافعی کے مذہب کی ناس ان کی اور سر مشق اجتہاد بھی مؤطا مالک ہے۔ بعض مقامات پر انہوں نے مؤطا پر اعتراض بھی کئے ہیں اور روایات کی ترجیح میں اختلاف کیا ہے اور امام محمد کا مبسوط اور دیگر تصانیف میں سرمایہ نقابت بھی مؤطا ہے ورنہ کتاب الآثار جس کی وہ امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں فقہ کے تمام مسائل کے لئے کافی نہیں چنانچہ مؤطا میں بہت جگہ لکھتے رہے ہیں کہ اسی حدیث سے میں سے کہتا ہوں اور اسی سے ابو حنیفہ کہتے تھے۔

امام ولی اللہ سے پہلے بھی بعض علماء جنہیں مالکی مذہب پر عبور نہ تھا اسی لفظ فہمی میں جھٹلاتے ہیں کہ مالک کا عمل درآمد مؤطا پر ہے، چنانچہ محدث حسینی نے بھی التذکرۃ الرجال العشرة^(۳۱۹) میں اسی ذیل کا اظہار کیا ہے لیکن یہ بالکل خلاف واقعہ ہے۔^(۳۲۰)

محافظ ابن حجر عسقلانی، تصحیل المنفعة بزوائد رجال الأئمة الأربعة میں ان کی اس نقل پر تنبیہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

ليس الأمر عند المالكية كما ذكر بل اعتمادهم في الأحكام والفتوى على ما رواه ابن القاسم عن مالك سواء وافق ما في المؤطا أم لا، وقد جمع بعض المغاربة كتاباً فيها خالف فيه المالكية نصوص المؤطا كالرفع عند الركوع والاعتدال. (ص ۳)

^{۳۱۸}۔ ص ۸، طبع دہلی، ۱۳۳۶ھ

^{۳۱۹}۔ اس کتاب میں مؤلف نے صحاح ستہ مؤطا امام مالک، مسند امام شافعی، مسند امام احمد اور مسند امام ابی حنیفہ (مرتبہ حافظ حسین بن محمد بن خسر) ان دس کتابوں میں جن لوگوں سے حدیثیں روایت کی گئی ہیں ان کے حالات لکھے ہیں۔

^{۳۲۰}۔ تاریخ بغداد و محدث خطیب بغدادی، ج ۲، ص ۱۷۶، طبع مصر۔

بکری کے یہاں عملدرآمد اس طرح نہیں جیسا کہ حنفی نے ذکر کیا ہے بلکہ ان کا اصرار یہی ہے کہ یہاں احکام کے بارے میں ان روایات پر ہے جن کو ابن القاسم نے امام مالک سے نقل کیا ہے خواہ وہ مؤطا کے موافق ہوں یا نہ ہوں اور بعض مغارب نے ایک مستقل کتاب ان مسائل کے بیان میں مدون کی ہے جن میں مالک کا عمل مؤطا کے تصور سے خلاف ہے جیسے کہ رکوع میں جاتے اور پھر سیدھا کھڑا ہوتے وقت رفع یدین کا مسئلہ ہے۔ (۲۴۱)

اس حدیث کو امام بیہقی نے اپنی مشہور کتاب خلائیات میں خود مالک کی سند سے نقل کیا ہے اور حافظ مظاہر نے شرح ابن ماجہ میں تصریح کی ہے کہ اس سند میں کوئی خرابی نہیں ہے شرح ابن ماجہ کا نقلی نسخہ ریاست ٹونکٹ (واقع راجھستان) کے کتب خانہ میں ہماری نظر سے گزرا ہے اور اس کی اصل عبارت درج ذیل ہے۔

واستدل لأبي حنيفة بحديث لا بأس بسننه ذكره البيهقي في الخلائيات من حديث محمد بن غالب ثنا أحمد بن محمد البراق ثنا عبد الله بن عون الطراز ثنا مالك عن الزهري عن سالم عن ابن عمر أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يرفع يديه إذا افتتح الصلاة ثم لا يعود۔ انتهى۔

اور امام ابن حزم غامری اپنی کتاب مراتب الدیانة میں لکھتے ہیں کہ:

فيه نيف وسبعون حديثا قد ترك مالك نفسه العمل بها وفيه أحاديث ضعيفة وهاها جمهور العلماء۔ (مقدمۃ تنوير الحوالک علی مؤطا مالک، السیوطی)

”موطا کی روایت میں ان دونوں موقعوں پر رفع یدین مذکور ہے لیکن امام مالک کا عمل ابن القاسم کی مشہور روایت کے مطابق اس مسئلہ میں حضرت محمد اللہ بن عمر کی اس روایت پر ہے کہ آنحضرت ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو رفع یدین کرتے تھے بعد میں نہیں کرتے تھے۔

موطا میں ستر سے اوپر حدیثیں ایسی ہیں کہ جن پر خود مالک نے نقل نہیں کیا ہے اور جس میں ضعیف حدیثیں بھی ہیں جن کی جمہور علماء نے ضعیف کی ہے۔

اور امام شافعی نے موطا سے جتنا استفادہ کیا ہے اس سے کہیں زیادہ انہوں نے امام محمد کی تصنیفات سے فائدہ اٹھایا ہے۔ چنانچہ خود ان کی تصریح ہے کہ:

من الناس علي في الفقه محمد بن الحسن.

سب لوگوں سے زیادہ احسان مجھ پر محمد بن حسن کا ہے۔

اور حافظ سہانی نے ان کے دوسرے مشہور شاگرد ربیع کی زبانی ان سے یہ نقل کیا ہے کہ

ليس لأحد علي منة في العلم وأسباب الدنيا ما لمحمد علي وكان يترحم عليه في عامة الأوقات.

تفصیل علم اور اسباب دنیا کے معاملہ میں کسی شخص کا مجھ پر اتنا احسان نہیں جتنا کہ محمد کا ہے (اور ربیع کہتے ہیں کہ عام طور پر ان کے لئے رحمت کے دعائیں کرتے رہتے تھے۔)

امام شافعی کا یہ اعتراف بلاوجہ نہ تھا انہوں نے امام مالک سے تفصیل علم کے بعد دس برس تک جیسا کہ حافظ ویلی نے ان سے نقل کیا ہے امام محمد کے آستانہ پر حاضری دی ہے اور ایک بار شتر کے برابر ان کی کتابوں کا سہا کیا ہے۔ (۳۳)

اور شاہ صاحب کا امام محمد کے متعلق یہ لکھنا کہ:

محمد راسرما یہ نقاہت در مبسوط وغیرہ آن موطا است۔

بالکل عجیب ہے کہ چونکہ حجة الله البالغة اور الإنصاف في بيان سبب الاختلاف میں خود شاہ ولی اللہ ہی نے یہ لکھا ہے کہ:

وكان أحسنهم تصنيفاً وألزمهم درساً محمد بن الحسن وكان من خبره انه
أضغقه على أبي حنيفة وأبي يوسف ثم خرج إلى المدينة فقرأ الموطأ على
مالك.

امام ابو حنیفہ کے اصحاب میں سب سے اچھے معترف اور سب سے زیادہ پابندی کے
ساتھ درس دینے والے محمد بن حسن تھے جن کا واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ
اور امام ابو یوسف سے فقہ کو حاصل کیا پھر مدینہ جا کر امام مالک سے موطا
پڑھیں۔ (۳۳۳)

۳۳۳۔ اس میں شک نہیں کہ امام مالک کے زمانہ درس کا عام طریقہ یہ تھا کہ شاگرد پڑھتے تھے اور وہ
سمتے تھے لیکن امام محمد نے امام مالک سے سوا پڑھیں نہ تھے کسی سنی تھی۔ اور یہ امام محمد کا وہ تشریح خاص
ہے کہ جو دوسرے روئے سوا میں شاید ہی کسی اور کو حاصل ہو چنانچہ حافظ ابن حجر مصنفی تہذیب
المسند میں لکھتے ہیں:

قال محمد بن عبد الله بن عبد الحكم سمعت الشافعي يقول: قال لي: محمد بن الحسن أفت عني
باب مالك ثلاث سنين وسمعت من لفظه سبعاً حديثاً انتهى وكان مالك لا يحدث من
لفظه إلا قليلاً فطولاً طول إقامة محمد عنده وثمكت منه ما حصل له عنه طناً وهو أحد رواة
الموطأ عنه وقد جمع حديثه عن مالك وأورد فيه ما يخالقه وهو الموطأ المسرع من طريقه۔
محمد بن عبد الله بن عبد الحكم کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کو یہ کہتے سنا کہ محمد سے امام محمد بن حسن
نے بیان کیا کہ میں تین سال تک امام مالک کے در و درت پر تنہم رہا اور خود میں کی زبانیں میں نے
سات سو حدیثیں سنی ہیں (حافظ ابن حجر کہتے ہیں) امام مالک خود اپنی زبان سے حدیثیں کم بیان کیا
کرتے تھے۔ اس لئے امام محمد کا اگر ان کے پاس لمبا قیام نہ ہو گا اور انہیں اس کا بخوبی موقع نہ ملتا ہے
بات ان کو حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ امام محمد بھی سوا کے راویوں سے ایک ہیں انہوں نے امام مالک
کی حدیثوں کو جمع کر کے جو ان کے مخالف راہبیں تھیں ان کو بھی ذکر کیا ہے اور یہی وہ سوا ہے
جس کا سامعین کے طریقہ سے ہے۔

تعمیل المنفعة میں سمعت من لفظه سبعاً حديثاً طبعی ہوا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر مصنفی کی
دوسری کتاب لسان المیران میں سمعت من لفظه أكثر من سبعاً حديثاً لکھی سات سو زیادہ

اور حافظ ابن حجر مقلانی، تصحیل المنفعة میں امام محمد کے الفاظ ہیں۔

ولازم أبا حنيفة وحمل عنه الفقه والحديث -

اور امام ابو حنیفہ کی خدمت میں حاضر ہے اور ان سے فقہ و حدیث کی تحصیل کی۔

اور حافظ ذہبی مناقب ابی حنیفہ و صاحبہ میں لکھتے ہیں۔

وكتب شيئا من العلم عن أبي حنيفة ثم لازم أبا يوسف من بعده حتى يرجع في الفقه. (۳۳۳)

معلوم کیجئے کہ جب امام محمد نے مدینہ جانے اور موٹا کے پڑھنے سے پیشتر امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف سے فقہ کی تحصیل کر لی تھی تو پھر ان کا سرمایہ فقاہت مبسوط اور دیگر تصانیف میں موٹا کو قرار دینا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے ہمیں شبہ ہے کہ فقہ میں امام محمد کی کوئی تصنیف شاہ صاحب کی نظر سے گزری بھی تھی یا نہیں، پھر جس بنیاد پر شاہ صاحب نے یہ دعویٰ کیا ہے وہ اور بھی عجیب ہے۔ یعنی:

وآثاره لا تلامس ابو حنيفة رواية كرواه است جميع مسائل فقہ الکفایت فی کفر -

انہوں نے امام ابو حنیفہ سے کچھ علم لکھا اور پھر امام ابو یوسف کی ملازمت اختیار کی تا کہ فقہ میں کامل حاصل ہو گیا۔

اور یہی اس بات کی دلیل ہے کہ شاہ صاحب کی نظر سے مبسوط نہیں گزری کیونکہ اس کتاب میں امام محمد نے بھی مسائل فقہ میں خود امام ابو حنیفہ کے اقوال نقل کئے ہیں۔ علاوہ انہیں امام محمد نے کتاب الآثار کی روایات کے علاوہ امام ابو حنیفہ سے اور بھی بہت سی حدیثیں سنی ہیں جو ان کی دوسری تصانیف میں موجود ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر مقلانی، تصحیل المنفعة کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:

حدیثیں میں نے خود ابن کی زبان سے سنی ہیں۔ اور یہی صحیح ہے کیونکہ خطیب کی تاریخ بغداد اور حافظ ابن عبد البر کی کتاب الآثار میں بھی اس روایت کے فقرہ یہی الفاظ مذکور ہیں۔

والموجود من حديث أبي حنيفة مفرداً إنما هو كتاب الآثار التي رواه محمد بن الحسن عنه ويوجد في تصانيف محمد بن الحسن وأبي يوسف قبله من حديث أبي حنيفة أشياء أخرى. (ص ۵)

امام ابو حنیفہ کی حدیث میں مستقل کتاب جو موجود ہے وہ کتاب الآثار ہے جس کا امام محمد نے ان سے روایت کی ہے نیز امام محمد بن حسن کی تصانیف میں اور ان سے بھی بہت سی حدیثیں امام ابو یوسف کی کتابوں میں امام ابو حنیفہ کی احادیث کے سلسلہ میں کچھ اور نیز یہ بھی پائی جاتی ہیں۔ نیز امام محمد کی معلومات علم حدیث میں صرف کتاب الآثار یا مؤطا تک محدود نہیں بلکہ انھوں نے اور بھی بہت سے شیوخ سے اس فن کی تحصیل کی ہے۔

اور یہ جو شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ:

”در مؤطا بسیار جای گوید: وہ اقوال، وہ کان بقول ابو حنیفہ۔“

سو اول تو یہ الفاظ مؤطا امام محمد میں بہت جگہ تو کیا بعض جگہ بھی ملنے مشکل ہر کیونکہ وہ ان الفاظ کی بجائے عام طور پر ”وہذا نأخذ“ و ”هو قول أبي حنيفة“ (یعنی اسی حدیث کو ہم لیتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے) کہتے ہیں۔ اور اس سے یہ منکر پتہ چلتا ہے کہ شاہ صاحب کو ائمہ حنفیہ کی حداول کتابوں سے بھی زیادہ اعتناء نہ تو کیونکہ یہ الفاظ امام محمد نے مؤطا میں ایک جگہ نہیں بیکروں جگہ لکھے ہیں۔ اور دوسرے یہ خود ہمارے مدعا کی دلیل ہے۔

کیونکہ بقول شاہ صاحب جب امام محمد یہ فرماتے ہیں کہ وہ کان بقول ابو حنیفہ (یعنی ابو حنیفہ بھی اسی حدیث سے کہتے تھے) تو پھر معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ کو اس حدیث کا کچلے سے علم تھا۔

اور ہم نے یہ مانا کہ کتاب الآثار کا وہ نسخہ جس کو امام محمد نے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے بقول شاہ صاحب: ”جميع مسائل فقد راكنايت في كند.“ (فقد کے جمع مسائل کو کافی نہیں۔)

لیکن کیا مؤطا کے متعلق شاہ صاحب کا یہ دعویٰ تسلیم کیا جاسکتا ہے جبکہ خود انہیں مؤطا کی اس تنویب جدید میں جو انہوں نے مسوی اور مصفی میں اختیار کی ہے باوجود سنی قسم کے بہت سے ابواب کے تحت کوئی روایت نہ مل سکی اور مجبوراً کسی آیت یا کسی مسئلہ کے ذکر پر قیامت کرنی پڑی ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ اگر شاہ صاحب کی نظر سے کتاب الآثار امام ابو حنیفہ کے دو نسخے گزرتے کہ جن کو امام اعظم سے امام محمد کے علاوہ ان کے دوسرے علماء تلامذہ، امام زہری، امام ابو یوسف، امام حسن بن زیاد وغیرہ نے روایت کیا ہے اور جو خلافت میں مؤطا سے کسی طرح کم نہیں ہیں تو شاہ صاحب پر گزایا نہ لگتے، پھر لطف یہ ہے کہ اس تمام بحث کے باوجود قرة العین میں شاہ ممدوح نے صاف لفظوں میں اعتراف کر لیا ہے کہ:

مسند ابی حنیفہ وآثار محمد بنہ نقد حنفیہ است (ص: ۱۷۱)

نقد حنفی کی بنیاد مسند امام ابی حنیفہ اور آثار امام محمد پر ہے۔

(۳) اور یہ جو شاہ عبدالعزیز نے لکھا ہے کہ:

”دور زمانہ امام مالک و بعد از زمان ایشان نیز علماء در تخریج بر مؤطا و ذکر مساجد و شواہد احادیث آن سعی بلیغ نمودند“

اس کی تفصیل شاہ ولی اللہ نے جہاد اللہ البالد میں اس طرح پر دم لرمائی ہے کہ:

وقد صنف في زمان مالك مؤطا آت كثرية في تخریج أحادیثه ووصل منقطع مثل كتاب ابن أبي ذئب وابن حنبل والثوري ومسلم وغيرهم بمن شارك مالكا في الشيوخ. (باب طبقات كتب الحديث)

امام مالک کے زمانے میں بہت سی مؤطائیں ان کے مؤطا کی احادیث کی تخریج اور اس کی منقطع روایات کے وصل میں تصنیف کی گئیں جیسے کہ ابن ابی ذئب، ابن مینہ، ثوری اور مسلم وغیرہ کی کتابیں ہیں کہ جو امام مالک کے ساتھ ان کے شیوخ سے روایت کرنے میں شریک ہیں۔

لیکن یاد رہے کہ ان اثر مذکورین میں سے کسی ایک کے متعلق بھی تاریخ سے یہ ثابت نہیں کہ اس نے کوئی کتاب مؤطا امام مالک کی احادیث کی تخریج اور اس کی منقطع روایات کے وصل کے لئے تصنیف کی ہے اور نہ ان میں سے کسی نے بجز ابن ابی ذئب کے اپنی کتاب کا نام مؤطا رکھا ہے؛ خدا جانے شاہ صاحب موصوف کو یہ غلط فہمی کس طرح پیدا ہو گئی۔ اسی طرح مسوی شرح مؤطا کے مقدمہ میں جو شاہ صاحب مدوح نے یہ فرمایا ہے کہ:

علماً مني بأن مستند الدارمي إنما صنف لإسناد أحاديث المؤطا. (۳۳۰)
میرے اس علم کی بنیاد پر کہ مستند داری احادیث مؤطا کی سند کو بیان کرنے کے لئے تصنیف کی گئی ہے۔

یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ مستند داری کا احادیث مؤطا کی اسناد سے ظاہر کوئی قطع معلوم نہیں ہوتا۔ ہم نے شاہ صاحب کے اس دعویٰ کی تصدیق کے لئے مؤطا کی بہت سی مرسل و منقطع حدیثوں کو داری کی کتاب میں تلاش کیا لیکن سوائے چالی کے کچھ حاصل نہ ہوئے۔ داری کی کتاب ہندو شام میں مکرر طبع ہو چکی ہے اہل علم ان دونوں کتابوں کو سامنے رکھ کر خود اس بیان کی حقیقت معلوم کر سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر مؤطا کی تین مرسل حدیثیں جو داری کی کتاب میں نہیں ہیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ مالک عن یحیی بن سعید أنه بلغه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ما على أحدكم لو اتخذ ثوبين بلعته سوى ثوبي هتة.

۳۳۰۔ یہ واضح رہے کہ ہندوستان کے مطلوبہ نسخہ میں اس عبارت پر نو کاٹھن ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عبارت مسوی کے ایک نسخہ میں تھی اور دوسرے میں نہ تھی۔ لیکن اس کتاب کا جو نسخہ مکرر میں مولانا عبید اللہ سندھی کے زیر اہتمام طبع ہوا ہے اس میں نو کاٹھن نہیں ہے۔

۲۔ مالک عن ابن شہاب عن ابن السباق أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال في جمعة من الجمع: يا معشر المسلمين إن هذا يوم جعله الله عيداً فاغتسلوا ومن كان عنده طيب فلا يضره أن يمس منه وعليكم بالسواك۔

۳۔ مالک عن جعفر بن محمد عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خطب خطبتين يوم الجمعة و جلس بينهما۔
(۳) اور یہ جو شاہ عبدالعزیز نے تحریر فرمایا ہے کہ:

”مخلص کلام آنکہ احادیث ابن ہر سر کتب اصح الاحادیث اند اگرچہ بعض احادیث ابن ہر سر کتاب صحیح تر بعض باشند۔“

اس سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب ابن صلاح کی اس تقسیم چٹکانہ سے متفق نہیں ہیں کہ سب سے صحیح تر وہ حدیث ہے جس کی روایت بخاری و مسلم دونوں متفق ہوں، پھر وہ جس کو صرف بخاری روایت کریں، پھر وہ جس کو صرف مسلم روایت کریں، پھر وہ جو ابن دونوں کی شرط پر صحیح ہوں، پھر وہ جو بخاری کی شرط پر صحیح ہو، پھر وہ جو مسلم کی شرط پر صحیح ہو، پھر وہ جو دوسرے اندر کی شرط پر صحیح ہو۔ بلکہ ان کے نزدیک مؤطا کی بعض روایات صحیحین کی بعض روایات سے بھی صحیح تر ہو سکتی ہیں۔

۵۔ طبقہ اولے کی کتابوں کے سلسلے میں شاہ عبدالعزیز نے تو حجامہ میں مؤطا اور صحیحین کی کتابیں کر کے صرف اس قدر لکھنے پر قناعت کی ہے کہ:

”ہیں ابن ہر سر کتاب رادر طبقہ اولے باید داشت۔“ یعنی ان تینوں کتابوں کو طبقہ اولیٰ میں رکھنا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ اس کو حلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ لیکن ان کے والد ماجد نے حبہ اللہ البالغہ میں اس سے آگے بڑھ کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ:

فَالطَّبَقَةُ الْأُولَىٰ مَنْحَصَرَةٌ بِالْإِسْتِخْرَاءِ فِي ثَلَاثَةِ كُتُبٍ، الْمُؤَطَّاءُ، وَصَحِيحُ الْبُخَارِيِّ، وَصَحِيحُ مُسْلِمٍ۔

طبقات اولیٰ استقراء کی بناء پر صرف تین کتابوں میں مختصر ہے۔ مؤطا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم۔
 لیکن ہمارے نزدیک یہ استقراء کامل نہیں، بلکہ امام ابو حنیفہ کی کتاب الآثار بھی اسی طبقہ میں داخل ہے، کیونکہ اس کو امام ابو حنیفہ کی نظر انتخاب نے چالیس ہزار احادیث کے مجموعہ سے جن کو فراہم کیا ہے۔

موازنہ بین الصحیحین

علامہ نووی شرح مسلم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

قد ائحق العلماء علی ان اصح الکتاب بعد القرآن العزیز الصحیحان البخاری ومسلم. وتلقتهما الأمة بالقبول وکتاب البخاری اصحهما صحیحاً وأکثرهما فوائد ومعارف ظاهرة وغامضة.

نووی کی اس عبارت میں تین دعویٰ ہیں۔

اول: یہ کہ علامہ اس امر پر متفق ہیں کہ قرآن عزیز کے بعد صحیحین اصح الکتاب ہیں۔

دوم: یہ کہ ان کتابوں پر است کی تلقی بالقبول ہے۔

تیسرا: یہ کہ بخاری کی کتاب مسلم سے اصح ہے۔

ان میں سے پہلے دو دعووں پر بحثیں بعد کو آئیں گی سردست تیسرا دعویٰ عمل بحث ہے۔ نووی نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں حسب ذیل دلائل پیش کئے ہیں۔

(۱) امام مسلم امام بخاری کے شاگرد تھے۔ ان سے علمی استفادہ کرتے تھے اور ان کی عقلیت شان کے معترف تھے۔

(۲) علامہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ امام بخاری جلال علمی اور معرفت فن میں مسلم سے بڑھے ہوئے ہیں۔

(۳) ابام زبائی نے فرمایا:

ما فی هذه الکتاب کلها أجود من کتاب البخاری۔

(۳) مسلم کا مذہب یہ ہے کہ اسناد معتمدین کا حکم اسناد موصول کا ہے بشرط یہ کہ راوی اور مردی عنہ دونوں معاصر ہوں اگرچہ کسی خارجی شہادت سے ان کا اجتماع معلوم نہ ہو تب بھی روایت متصل سمجھی جائے گی اور امام بخاری ایسی روایت کو جب تک کہ ان دونوں کے مابین خارجی شہادت سے اجتماع کا ثبوت نہیں ہوتا اتصال پر محمول نہیں کرتے۔

نوروی نے اپنی شرح میں ان ہی دلائل کو بیان کیا ہے۔

(۱) ہمارا معروضہ یہ ہے کہ امام مسلم کے تلمذ کا ثبوت پایہ تحقیق تک نہیں پہنچتا اور جو روایت اس باب میں بیان کی جاتی ہے کہ امام مسلم کی امام بخاری سے ایک مجلس میں ملاقات ہوئی اور امام مسلم نے اس مجلس میں حدیث کفارة مجلس کے بارے میں امام بخاری سے سوال کیا اور امام بخاری نے مسلم کے بہت اصرار کے بعد اپنی تحقیق سے مطلع فرمایا کہ یہ حدیث متفقاً ثابت نہیں اور اس پر امام مسلم نے بے ساختہ یہ فرمایا کہ:

دعنی أقبل رجلك يا أستاذ الأستاذة ويا سند السندين ويا طيب الحديث في علته۔

یہ روایت معرفۃ علوم الحدیث (حاکم نیشاپوری) میں مذکور ہے اور اس کا راوی ابو حامد اعش قضاہ، محدثین کے نزدیک مجروح ہے اور حافظ زین الدین عراقی نے نکت ابن صلاح اور شرح ألقیہ دونوں میں یہ تصریح کی ہے کہ اس روایت کے وضع کرنے میں یہ قسم ہے لہذا اس کا دعویٰ صحیح نہیں اور یہ وجہ بھی بیان کی ہے کہ یہ روایت متعدد طریقوں سے ثابت ہے اور بہت سے محدثین نے اس کی تصحیح بھی کی ہے لہذا یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے طرق پر بخاری اور مسلم دونوں کی نظر نہ ہو اور امام بخاری ایک صحیح حدیث کو مطول کہہ دیں لہذا اس استفادے اور تلمذ کی بناء اگر اس روایت پر ہے تو یہ دعویٰ بے برہان ہے اور اگر مسلم کی تصانیف میں کسی روایت کا وجود امام بخاری سے

پایا جاتا ہے اس کا ذکر کرتا چاہئے تاکہ دعویٰ پر برہان ہو حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں امام بخاری اور امام ذہلی کے باہمی مناقشہ کو ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ ان دونوں کے باہمی نزاع کی وجہ سے امام مسلم نے ان دونوں سے حدیث کی روایت ترک کر دی تھی۔ چنانچہ حافظ صاحب کے الفاظ ہیں:

قلت قد انصف مسلم فلم يحدث في كتابه عن هذا ولا عن هذا۔
اور حافظ اسماعیل نے المدخل فی أصول الحديث میں صحیح بخاری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

وقد لمحي نحوه في التصنيف جماعة وفيهم مسلم ابن الحجاج وكان يقار به في العصر فرام مرامة وكان يأخذ عنه او عن كعبه۔
حافظ اسماعیل کی اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس امر میں مشکوک ہیں کہ امام مسلم ان سے براہ راست استفادہ کرتے تھے یا ان کی کتابوں سے مطالعہ کرتے تھے اور جب تحقیق کے ساتھ کوئی بات ثابت نہ ہو مدعی ثابت نہیں ہو سکتا صحیح مسلم کی داخلی شہادت ان تینوں دعویٰ کے خلاف معلوم ہوتی ہے، انہوں نے حدیث معنعن کی بحث میں جس طرح امام بخاری پر تنقید کی ہے وہ کسی طرح ایک شامرد کے شایان شان نہیں ہو سکتی اور اس کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام بخاری کی عظمت و جلال شان کے بھی اس فن میں معترف نہیں۔

غور کیجئے ! بحث کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

وقد تكلم بعض متعلي الحديث من أهل عصرنا في تصحيح الأسانيد وتسقيمها لور ضربا عن حكاية وذكر فساد صفحا لكان رأيا متينا ومذهبا صحيحا الخ۔

پھر آگے چل کر امام بخاری کے قول پر جو تبصرہ کیا ہے وہ ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے:

وهذا قول ساقط محترع مستحدث لم يسبق قائله اليه ولا مساعد له من اهل العلم عليه فإن القول به بدعة باطلة۔
یہ وہ تصنیف ہے جس کے متعلق نووی کو اقرار ہے۔

وقد اطلب مسلم في الشناعة۔
مسلم نے ظن و تصنیف میں اکتاف کیا ہے لہذا دعویٰ تلمذ و استفادہ صحیح نہیں اور اس کی بناء پر ترجیح بھی صحیح نہیں۔

ایک قابل افسوس بات اس سلسلے میں یہ بھی ہے کہ بعض حضرات امام بخاری کی حمایت میں اس حدیث آگے بڑھ گئے کہ انہوں نے امام مسلم پر علمی خیانت اور سرقتِ بحث کا الزام لگایا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر مصلحانی نے مقدمہ فتح الباری میں جامع صحیح کے فضائل بیان کرتے ہوئے حافظ ابو احمد کبیر سے یہ نقل کیا۔

کہ اللہ محمد بن اسحاق پر رحم فرمائے انہوں نے یہ اصول جمع کئے اور ان کو لوگوں نے سامنے رکھا اور جس نے بھی ان کے بعد کام کیا ان ہی کی کتاب سے لیا جیسا کہ مسلم کہ انہوں نے بخاری کی اکثر کتاب کو اپنی کتاب میں چاہا پھینکا دیا اور اس طرح پوری ڈھٹائی (ضد) کو کام میں لائے کہ بخاری کا ایک جگہ بھی حوالہ بحث نہ دیا اور حافظ صاحب کو اس عہادت کے نقل کرنے پر بھی مبرا نہیں آیا بلکہ فرماتے ہیں۔

وقال ابو الحسن الدار قطنی الحافظ لو لا البخاری لما راح مسلم ولما جاء۔
وقال ايضا انما اخذ مسلم كتاب البخاری فعمل مستخرجاً وزاد فيه احادیث۔

ہم اس بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتے جن اہل علم نے صحیحین کا مطالعہ کیا ہے اور اس فن کا ذوق رکھتے ہیں وہ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس بارے میں ان کے نزدیک حاکم کبیر ابو احمد اور دارقطنی کی رائے کا کیا وزن ہے۔ ظاہر ہے کہ امام بخاری کو اس فن کی معلومات جن اساتذہ سے حاصل ہوئی تھیں وہی اساتذہ قریب قریب امام مسلم کے بھی تھے بلکہ اکثر شیوخ سے سہل حدیث میں دونوں حضرات شریک ہیں۔ حدیث و روایت کا جو مجموعہ امام بخاری کے پیش نظر تھا وہی کم و بیش امام مسلم کے بھی سامنے تھا۔ امام یحییٰ بن یحییٰ، امام احمد بن حنبل، علی بن مدینی وغیرہ محدثین کی تعنیفات جس قدر امام بخاری کی نظر سے گزری تھیں امام مسلم کی نظر سے بھی گزری تھیں اور جس طرح امام بخاری نے فن رجال پر کتابیں لکھیں اسی طرح امام مسلم نے بھی لکھیں پھر اگر یہ دونوں حضرات تنقید احادیث، اجتنب علل، صحت رواۃ اور خصوصیات فن میں شریک ہوں تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے۔ اس لئے جب تک خود امام مسلم سے اس امر کی شہادت فراہم نہ ہو کہ انہوں نے اپنی تمام علمی کاوشوں میں امام بخاری کے مسامی کو پیش نظر رکھا ہے محض اپنے گمان سے ایک بات کہہ دینا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

۱۲ علامہ نووی کی دوسری دلیل یہ تھی کہ امام بخاری جلالت علمی اور معرفت فن میں امام مسلم سے بڑھے ہوئے ہیں اور اس بات پر علماء کا اتفاق ہے۔

سو یہاں بھی دعویٰ اتفاق میں نظر ہے علامہ نووی نے دارقطنی اور ابو احمد حاکم کبیر وغیرہ کی رائے پر نظر کر کے اتفاق کا دعویٰ کر دیا ہے ورنہ وہ خود قدامہ محدثین سے اس کے خلاف ناقل ہیں۔ چنانچہ امام مسلم کے تذکرہ میں فرماتے ہیں۔

قال الحاكم ابو عبد الله حدثنا ابو الفضل محمد بن ابراهيم قال سمعت احمد بن سلة يقول رأيت ابا زرعة وابا حاتم يقدمان مسلم بن الحجاج في معرفة الصحيح على مشايخ عصرهما وفي رواية في معرفة الحديث۔
یہ دونوں بزرگ ایسے ہیں کہ جن کے بارے میں بلا خوف و تردید کہا جاسکتا ہے کہ:

مدنی لاکھ پہ ہماری ہے گواہی تیری

لذا ان کے مقابلے میں دارقطنی ومن تبعہ کی کوئی قیمت نہیں یہ دونوں اپنے فن میں بخاری و مسلم کے ہم پایہ سمجھے جاتے ہیں اور انہیں کے معاصر ہیں نیز دارقطنی اور حاکم کے معاصرین میں سے حافظ عمر ابو العباس ابن عقده بھی ہیں ان سے ایک بار ابو عمرو بن حمدان نے سوال کیا تھا۔

ایہما أحفظ؟ البخاری أو مسلم؟۔

انہوں نے فرمایا: محمد عالم و مسلم عالم اور ابو عمرو بن حمدان کہتے ہیں کہ میں نے بار بار ان سے یہی سوال کیا تو مجھے لگے:

يقع ل محمد الغلط في أهل الشام وذلك لأنه أخذ كتبهم ونظر فيها وربما ذكر الرجل بكتبه ويذكر في موضع آخر يظنهما اثنين وأما مسلم فقلما يوجد له غلط في العلل لأنه كتب المسانيد ولم يكتب المقاطيع والمراسيل۔ (تذكرة الحفاظ)

اور ایک بات یہ بھی ہے کہ امام بخاری کے اوہام تاریخی اور فن رجال میں ان کی غلطیاں مشتمل کتابیں نکلیں گئی ہیں۔ مسلم کی غلطیاں کسی محدث نے قلم نہیں اٹھایا، چنانچہ ابن ابی حاتم نے جو کتاب اس سلسلہ میں لکھی ہے اس کا نام کتاب خطأ البخاری ہے یہ کتاب حیدرآباد دکن سے حال ہی میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

۳ امام نووی نے اس سلسلہ میں جو تیسری دلیل پیش کی ہے وہ امام نسائی کا یہ قول ہے۔

ما فی هذه الکتاب کلها أجود من کتاب البخاری۔
لیکن یاد رہے کہ امام نسائی نے أجود کا لفظ استعمال کیا ہے اصح کا نہیں اور مدعا اصحت صحیح بخاری کا ثبوت ہے نہ اجودیت کا۔ ہمارے خیال میں یہ صحیح بخاری کی جامعیت اور ان کی دقیقہ سنجیوں (بادیک بنی) کی تعریف ہے اور سنن نسائی کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب کی تجویب و تراجم میں امام بخاری کی ہر روئی کی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ امام نسائی امام بخاری کے طرز تصنیف پر شاخو ا ہیں تاہم حافظ ابن حجر مصلحانی کو اصرار ہے کہ: والنسائی لا یعنی بالجودة إلا جودة الأسانید۔

بے شبہ جودت سے جودت اسانید اور جودت مضامین دونوں مراد لئے جاسکتے ہیں۔ اس لئے آپ کو اختیار ہے کہ آپ ہماری رائے سے اتفاق کریں یا حافظ صاحب کی بات مان لیں۔ مگر اتنا خیال رہے کہ امام نسائی نے صحیح بخاری کے روح میں سے ایک جماعت کو کتاب الضعفاء والمتروکین میں داخل کیا ہے۔

اور حدیث ابن عمر: کیف بک اذا حمرت بین قوم یجنون رزق مستهم، الحدیث۔

جو حماد ابن شاکر کے نسخے میں ہے اس کو موضوع بھی کہا ہے۔ بہر حال حافظ صاحب کی تاویل مان لی جائے اور جودة سے جودة اسانید مراد لی جائے۔ تب بھی اس میں حافظ صاحب کی وہ ساری تقریر جاری ہوگی جو انہوں نے شرح الخبہ میں ابو علی نیشاپوری کے قول میں لکھی ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح حافظ صاحب کے نزدیک ابو علی نیشاپوری کی تصریح مفید مدعی نہیں اسی طرح امام نسائی کی تصریح بھی مرتجمین صحیح بخاری کے لئے مفید مدعی نہیں اور امام نسائی کی یہ تصریح باوجود محتمل ہونے کے ابو علی نیشاپوری کے اس قول کے معارض ہے کہ:

ما تحت أديم السماء أصح من كتاب مسلم۔
اور ایسی صاف تصریح جیسی حافظ ابو علی نیشاپوری سے منقول ہے۔ قدماء حفاظ
ومحدثین میں جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے اور کسی سے مروی نہیں۔ اس
لئے جب ان دونوں راویوں میں تعارض ہے تو ہمیں قدماء حفاظ کے فیصلے کے، متاخرین
کے قول پر فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔

خاص طور پر جبکہ مضاربہ کی بڑی جماعت جن میں امام قرطبی پیش پیش ہیں صحیح مسلم کی
ترجیح کے قائل ہیں۔

(۴) چوتھی دلیل علامہ نووی کی یہ تھی کہ بخاری کی احادیث معنعن مسلم کی
معنعن سے اصح ہیں کیونکہ مسلم نے معاصرین کے معنعن کو سہلے پر محمول کرتے ہیں
خواہ ان کی ملاقات خارج سے ثابت نہ ہوئی ہو اور امام بخاری کے نزدیک جب تک
خارجی طور پر یہ معلوم نہ ہو کہ ان دونوں کے درمیان ملاقات ہوئی ہے خواہ وہ ایک لحظہ
ہی کے لئے ہو۔ یعنی امام بخاری کے نزدیک راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات کا
ہونا ضروری ہے۔ جب تک راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات نہ ہو خواہ ان کا
زمانہ ایک ہی ہو روایت متصل نہیں سمجھی جائے گی اور امکان لقاء اتصال روایت کے
لئے کافی نہ ہوگا۔ لیکن یہ وجہ بھی خودیوں صحیح نہیں کہ خود نووی کا یہ فیصلہ ہے۔

وان كان لا يحكم على مسلم بعمله في صحيحه بهذا المذهب لكونه يجمع
طرقا كثيرة يتخذ معها وجود هذا الحكم الذي جوزه.

لذا جب مسلم نے حسب اقرار نووی اپنی صحیح میں اس مذہب پر عمل ہی نہیں کیا بلکہ وہ
اسے طریقے بیان کر جاتے ہیں کہ اس کے بعد ان کی روایت کردہ حدیث پر یہ حکم ہی
کا تا مشکل ہے کہ اس میں انقطاع کا احتمال باقی ہو تو پھر مسلم کی معنعن روایات بخاری
کی معنعن روایات سے صحت سے کس طرح کم ہو گئیں۔

اور بالقروض والتخدير اگر یہ دعویٰ ترجیح حلیم بھی ہو تو اس کا تعلق کل کتاب سے
کیوں کر ہو سکتا ہے صرف اتنی بات بن سکتی ہے کہ بخاری کی حدیث معنعن مسلم کی

حدیث معترضہ سے اصح ہیں اور یہ مناسب نہیں کہ مقام دعویٰ میں جزء بول کر کل مراد لیا جائے۔

قرن انصاف یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ علی الاطلاق مجموعہ بخاری کی اصحیت کا دعویٰ مجموعہ صحیح مسلم پر درست نہیں۔ بلکہ صورتحال یہ ہے کہ احادیث صحیحین کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی وہ احادیث جن کی روایت میں امام مسلم اور امام بخاری دونوں متفق ہیں۔ دوسرے وہ احادیث جن کی روایت میں امام بخاری متفرد ہیں۔ تیسری وہ احادیث جن کی روایت میں امام مسلم متفرد ہیں یہ ختیج ضروری ہے گو معاصرین نے اصول حدیث کی کتابوں میں اس ختیج کو نظر انداز کر دیا ہے۔

اب پہلی قسم کی احادیث جن پر صحیحین کا بڑا حصہ مشتمل ہے ان میں اصحیت ما رواہ البخاری کا دعویٰ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ جب کہ وہ حدیثیں بعینہ صحیح مسلم میں بھی موجود ہیں۔ کیونکہ جو شرط بھی ان روایات میں فرض کی جائے وہ دونوں کی روایتوں میں موجود ہے۔ سوائے اس امر کے کہ ایک کی حدیث اس ورق میں دوسرے کی حدیث دوسرے ورق میں۔ لہذا دونوں کتابوں کا بیشتر حصہ ایسی حدیثوں پر مشتمل ہوگا کہ جن میں کسی کے لئے بھی اصحیت کا دعویٰ صحیح نہیں اب بحث صرف ان احادیث میں ہو سکتی ہے کہ جو افراد بخاری یا افراد مسلم ہیں اور یوں کہا جاسکتا ہے کہ ما انفرد بہ البخاری، ما انفرد بہ المسلم سے اصح ہے نہ کہ کل بخاری کل مسلم سے اور اس دعویٰ کو اس طرح متعبد کرنا چاہئے کہ بخاری کی وہ حدیثیں جو متکلم فیہ رواۃ سے نہ ہوں اور جن پر ارباب نقد نے کلام نہ کیا ہو وہ افراد مسلم سے اصح ہیں تو یہ ترجیح اقل قلیل کی ہوگی نہ اکثر کی، اور دعویٰ کل کی ارجحیت کا ہے اور اس میں دوسری صورت بھی نکل سکتی ہے کہ بعض افراد مسلم بعض

اگر بخاری سے اصح ہوں۔ لہذا ترجیح محدودے چند احادیث سے زیادہ میں ثابت کرنا ضرورے فن درست نہیں معلوم ہوتا۔

یہاں ایک چیز اور بھی پیش نظر رہے کہ ایک طرف ابن صلاح اور اس کے مابعد کے مستفین شوافع، حدیث صحیح کی سات قسمیں قرار دیتے ہیں اور ان سب میں اعلیٰ اور اصح ما ائحق علیہ البخاری و مسلم کو مانتے ہیں اور دوسری طرف یہی لوگ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ علی الاطلاق صحیح بخاری کو قرار دیتے ہیں۔

اور اس اسمیت سے اگر استثناء کرتے ہیں تو بخاری کی تعلیقات و تراجم کا کرتے ہیں۔ جس کا غلط یہ ہے کہ بخاری کی ہر روایت اصح ہے۔ پھر ان دونوں قولوں میں تضاد ہو جاتا ہے یہاں بھی یوں ہی کہنا چاہئے تھا کہ بعد تحقیق علیہ روایات کے صحیح بخاری اصح ہے۔ نیز ابن صلاح اور ان کے مابعد کی ایک بڑی جماعت اس پر مصر ہے کہ بخاری و مسلم کی جتنی مرفوع حدیثیں ہیں ان کی صحت قطعی ہے اور ان سے علم نظری حاصل ہوتا ہے۔

بس فرق حدیث متواتر اور حدیث مجہمین میں صرف اتنا ہے کہ حدیث متواتر سے علم بدیہی حاصل ہوتا ہے اور مارواہ الشیخان سے علم نظری ورنہ قطعی الثبوت ہونے میں دونوں برابر کے شریک ہیں۔ جب ان حضرات کے نزدیک دونوں کتابوں کی روایات قطعی الصحت ہیں تو پھر ایک کتاب کی اسمیت کے کیا معنی ہیں۔ لہذا یہ سات اقسام جو حدیث صحیح کی کی گئی ہیں کہ اصح الاحادیث ما ائحق علیہ الشیخان، ثم انفراد بہ البخاری، ثم انفراد بہ المسلم یہ تین قسمیں ایک بن جائیں گی باعتبار صحت کے۔

اسی طرح ابن صلاح وغیرہ نے مجہمین کی احادیث سے تلقی امت کا دعویٰ بھی کیا ہے اور اس غلطی کے بیان کرنے میں بھی ما بین الصحیحین کوئی فرق نہیں بتایا یعنی کسی جگہ یہ تصریح نہیں کی کہ صحیح بخاری کی روایات ہر امت کی

تحتی نسبت صحیح مسلم کی روایات کے زیادہ ہے لہذا جب دونوں کتابوں پر تعلق علی السواء پائی گئی تو تحتی کی حیثیت سے بھی دونوں کتابوں کی روایتیں صحت میں مساوی ہو جاتی ہیں۔ گو ہم کو ابن صلاح کے ان دونوں دعووں کے تسلیم کرنے میں یعنی احادیث صحیحین کے بارے میں صحت قطعیہ اور تحتی امت دونوں کو تسلیم کرنے میں کلام ہے اور تحقیقین کے نزدیک دونوں باتیں ثابت نہیں تاہم مساوات کا دعویٰ ابن صلاح کے اصول پر صحیح ہو جاتا ہے۔

مسلم کی بخاری پر ترجیح کے سلسلے میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ حضرت امام بخاری روایت بالمعنی کے جواز کے قائل تھے اور وہ حدیث کی تفتیح کو بھی جائز سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مختلف مقامات پر ایک حدیث کا ایک قطعہ ایک جگہ نقل کیا اور دوسرے جگہ دوسری جگہ اور پھر وہ اس پر حبیہ بھی نہیں فرماتے کہ یہ غلطی حدیث کا کٹوا ہے۔ بخلاف امام مسلم کے کہ وہ روایت باللفظ کرتے ہیں اور احادیث کی تفتیح نہیں کرتے۔ اور ظاہر ہے کہ اصحیت کے اعتبار سے روایت باللفظ کو روایت بالمعنی پر ترجیح ہے اور اسی طرح مکمل متن کا بیان کرنا بھی تفتیح سے بہتر ہے۔

دوسرا سبب ترجیح مسلم کا یہ ہے کہ امام بخاری کو کسی ایک جگہ اطمینان سے بیٹھ کر تصنیف کرنے کا موقع نہ مل سکا بلکہ صحیح بخاری کی تالیف اکثر اوقات دوران سفر میں جاری رہی اور بسا اوقات ایسا ہوا کہ آپ نے ایک حدیث بصرہ میں سنی اور خراسان میں جا کر اس کی کتابت کی چنانچہ خود امام بخاری سے مروی ہے۔

رب حدیث سمعتہ بالشام فکتبته بالعراق رب حدیث سمعتہ بالبصرة وکتبته بالخراسان۔

اس بناء پر بسا اوقات امام بخاری اپنے حافظہ سے حدیث کو نقل کرتے ہیں اور اس کے الفاظ بیحد نہیں لاتے بلکہ ان میں تصرف کر کے روایت بالمعنی فرماتے ہیں۔ بخلاف امام مسلم کے کہ وہ اس کتاب کی تصنیف کے وقت اپنے وطن میں

مقیم تھے اصل ماخذ اور کتابیں ان کے سامنے تھیں۔ کتاب کی تعریف اپنے
اساتذہ کی زندگی ہی میں جاری کی تھی۔ لہذا بقول حافظ ابن حجر مستطانی:

وكان يحرز في الألفاظ ويخرى في السياق.

ان کا روایت کردہ متن چھٹا ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ حفاظ مغرب جب احادیث کو
نقل کرتے ہیں تو مسلم کے سیاق کو مقدم رکھتے ہیں۔ چنانچہ حافظ عبدالحق اندلسی نے
جمع بین الصحیحین میں یہی کیا ہے اور امام ابن حزم کا بھی اپنی کتابوں میں اکثر یہی
دستور ہے۔ بہر حال مسئلہ خلافی اور معرکہ الآثار ہے۔

حافظ مسلم ابن قاسم اندلسی نے اپنی تاریخ میں صحیح مسلم کے لئے لکھا ہے۔
لم يضع احد في الاسلام مثله۔

اور محدث قاضی عیاض نے اپنی کتاب الاملاخ فی آداب السماع میں ابو مردان
طہیسی سے نقل کیا ہے کہ میرے بعض شیوخ صحیح مسلم کو صحیح بخاری، فضیلت
دیتے تھے اور شیخ ابو عمر نجیبی نے اپنی فہرست میں امام ابن حزم عابدی کے متعلق بھی
لکھا ہے کہ وہ مسلم کی کتاب کو بخاری کی کتاب پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ اس عبارت
مذکورہ کا اگر حوالہ مقصود ہو تو (مقدمہ فتح الباری فصل ثانی ملاحظہ ہو) حافظ ابن حجر
مستطانی نے اپنی تصانیف مقدمہ فتح الباری، شرح لخبہ اور نکات ابن
صلاح میں ترجیح صحیح بخاری کو بہت زور و شور سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جس
میں بعض دلائل اس سے زیادہ ہیں جو نووی نے بیان کئے ہیں۔ ہم نے ان میں سے
بعض دلائل کا جواب ان کتابوں کے حواشی میں دیا ہے۔

دراسات الیہ فی الأسوة الحسنة بالحبیب.

ذب ذبابات الدراسات عن المذاهب الأربعة المتناسبات

اگر علامہ ابن حجر مستطانی کے دلائل کا جواب دیکھا ہو تو مذکورہ کتب دیکھیں بعض چیزوں
کا جواب ان میں دیا گیا ہے۔

AF-1511

مطبوعات الحرمہ اکیڈمی کراچی پاکستان

- (۱) قرآن مجید، عام فہم ترجمہ اور مختصر تفسیر، علامہ محمد امجد علی دہلوی، جامعہ اسلامیہ کراچی، کراچی، ۶۰۰۔
- (۲) لؤل مبین شرح حصین حصین، علامہ محمد امجد علی دہلوی، جامعہ اسلامیہ کراچی، کراچی، ۳۰۰۔
- (۳) بہار طہارہ ترجمہ حکوم شاہنشاہی، علامہ محمد امجد علی دہلوی، جامعہ اسلامیہ کراچی، کراچی، ۱۵۰۔
- (۴) کلامی اسلام، بے نظیر کام حکوم، برائے سید محمد امجد علی دہلوی، جامعہ اسلامیہ کراچی، کراچی، ۱۵۰۔
- (۵) اسلامی نئی کار، منتخب احادیث شاہنشاہی، علامہ محمد امجد علی دہلوی، جامعہ اسلامیہ کراچی، کراچی، ۳۰۰۔
- (۶) الزامین نئی کار، ترجمہ شرح کتاب الکی، تالیف علامہ محمد امجد علی دہلوی، جامعہ اسلامیہ کراچی، کراچی، ۱۵۰۔
- (۷) فقہی و فقہاء، ترجمہ اور تفسیر، علامہ محمد امجد علی دہلوی، جامعہ اسلامیہ کراچی، کراچی، ۱۵۰۔
- (۸) کبریٰ کیل و تہار، علامہ محمد امجد علی دہلوی، جامعہ اسلامیہ کراچی، کراچی، ۵۰۔
- (۹) کتب و کتب، (ترجمہ و شرح) جمع الفوائد، علامہ محمد امجد علی دہلوی، جامعہ اسلامیہ کراچی، کراچی، ۱۵۰۔
- (۱۰) کتب و کتب، (ترجمہ و شرح) جمع الفوائد، علامہ محمد امجد علی دہلوی، جامعہ اسلامیہ کراچی، کراچی، ۱۵۰۔
- (۱۱) کتب و کتب، (ترجمہ و شرح) جمع الفوائد، علامہ محمد امجد علی دہلوی، جامعہ اسلامیہ کراچی، کراچی، ۱۵۰۔
- (۱۲) کتب و کتب، (ترجمہ و شرح) جمع الفوائد، علامہ محمد امجد علی دہلوی، جامعہ اسلامیہ کراچی، کراچی، ۱۵۰۔

(۱۲) تاریخ قدوسی حدیث مطبوعہ ۱۳۵۷ھ مہر ماہ شوالیٰ خود رسوۃ ص ۲۵۷ ج ۱ صفحہ ۲۰۰.....

(۱۳) تاریخ قدوسی حدیث مطبوعہ ۱۳۵۷ھ مہر ماہ شوالیٰ خود رسوۃ ص ۲۵۷ ج ۱ صفحہ ۸۰.....

(۱۴) اقتضای اللہ حدیث مطبوعہ ۱۳۵۷ھ مہر ماہ شوالیٰ خود رسوۃ ص ۲۵۷ ج ۱ صفحہ ۶۰.....

(۱۵) لا اذ العاصی فی سلوک طویل البطن، تالیف حضرت شیخ مہدیان محدث دارالافتاء شام

دارالافتاء کی فارسی زبان میں نہایت اہم و نامور تصنیف ہے جس میں موصوف نے شیخ علی نقی کرمانی اور اپنے

مدرسہ شیخ مہدیان علی کرمانی کے حالات و تعلیمات کو تحصیل سے بیان کیا ہے

ترجمہ حواشی خود رسوۃ ص ۲۵۷ مہر ماہ شوالیٰ خود رسوۃ ص ۲۵۷ ج ۱ صفحہ ۲۰۰.....

(۱۶) امام ابو حنیفہؒ کا بیعت نامہ کتاب سے ان کی روایت از مہر ماہ شوالیٰ خود رسوۃ ص ۲۵۷ ج ۱ صفحہ ۶۰.....

(۱۷) امام ابو حنیفہؒ اور مسخرین، مطبوعہ علی پور دہلی حسن شاہ جہان آباد..... ۵۰.....

(۱۸) امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ، تالیف خود رسوۃ ص ۲۵۷ مہر ماہ شوالیٰ خود رسوۃ

ص ۲۵۷ ج ۱ صفحہ ۸۰.....

(۱۹) الفکر الیم فی ایمان آباء النبی الکریم ﷺ، تصنیف مطبوعہ شامی اور مکتبہ

ترجمہ خود رسوۃ ص ۲۵۷ مہر ماہ شوالیٰ خود رسوۃ ص ۲۵۷ ج ۱ صفحہ ۶۰.....

(۲۰) لا تعارف فی بیان سبب الا اختلاف، تصنیف مولانا محمد علی صاحب دہلی صاحب خانہ دارالافتاء..... ۶۰.....

(۲۱) التبیان شرح نحو میر از رسوۃ دارالافتاء سن ۱۲۵۰..... ۵۰.....

(۲۲) التبیان شرح مرقاۃ فی شاد الصوف، از رسوۃ دارالافتاء سن ۱۲۵۰..... ۴۰.....

(۲۳) التبیان شرح مرقاۃ فی شاد الصوف، از رسوۃ دارالافتاء سن ۱۲۵۰..... ۴۰.....

(۲۴) التبیان شرح مرقاۃ فی شاد الصوف، از رسوۃ دارالافتاء سن ۱۲۵۰..... ۴۰.....

(۲۵) التبیان شرح مرقاۃ فی شاد الصوف، از رسوۃ دارالافتاء سن ۱۲۵۰..... ۴۰.....

(۲۶) التبیان شرح مرقاۃ فی شاد الصوف، از رسوۃ دارالافتاء سن ۱۲۵۰..... ۴۰.....

(۲۷) التبیان شرح مرقاۃ فی شاد الصوف، از رسوۃ دارالافتاء سن ۱۲۵۰..... ۴۰.....

(۳۸) کیمبر البلاغہ فی اسعاد القلوب و الادب هو الامام لاری فان احمد سائکا نوی۔ ۶۰۔

(۳۹) کیمبر النجوم بدو ترجمہ: کیمی سیدنا محمدی۔ ۶۰۔

(۴۰) کیمبر وسعد لاریات، سند سعد لاریات تاریخ الفرائد: کیمی سیدنا محمدی۔ ۶۰۔

(۴۱) کیمبر جلاء البصر شرح شرح منزهة النظر فی توضیح لعبة الشکر مطبوعہ لاری۔

شارح الاحترام: علامہ محمد صالح بن محمدی۔ ۶۰۔

(۴۲) کیمبر السائل ترجمہ: علامہ سائل بن محمدی۔

بظہر لاری و لحنہ: علامہ سیدنا محمدی۔ ۶۰۔

(۴۳) کیمبر الفرائد: لاری بن محمدی بن محمدی۔ ۶۰۔

(۴۴) کیمبر التیغ: علامہ سیدنا محمدی بن محمدی بن محمدی۔ ۶۰۔

(۴۵) کیمبر الکلام فی فائده حلف الامام، کیمی سیدنا محمدی بن محمدی۔

ترجمہ: علامہ سیدنا محمدی بن محمدی بن محمدی۔ ۶۰۔

(۴۶) کیمبر الزین عن مسئلة رفع الیمن: کیمی سیدنا محمدی بن محمدی۔

ترجمہ: علامہ سیدنا محمدی بن محمدی بن محمدی۔ ۶۰۔

(۴۷) کیمبر انبیاء و اعلام: علامہ سیدنا محمدی بن محمدی بن محمدی۔ ۶۰۔

(۴۸) کیمبر الیمن: کیمی سیدنا محمدی بن محمدی بن محمدی۔ ۶۰۔

(۴۹) کیمبر کیمبر: کیمی سیدنا محمدی بن محمدی بن محمدی۔ ۶۰۔

(۵۰) کیمبر کیمبر: کیمی سیدنا محمدی بن محمدی بن محمدی۔ ۶۰۔

(۵۱) کیمبر کیمبر: کیمی سیدنا محمدی بن محمدی بن محمدی۔ ۶۰۔

(۵۲) کیمبر کیمبر: کیمی سیدنا محمدی بن محمدی بن محمدی۔ ۶۰۔

(۵۳) کیمبر کیمبر: کیمی سیدنا محمدی بن محمدی بن محمدی۔ ۶۰۔

(۵۴) کیمبر کیمبر: کیمی سیدنا محمدی بن محمدی بن محمدی۔ ۶۰۔



- (۳۵) حیات شاه محمد صالحی محدث دہلوی مدد سرور پنجاب و گجراتی ۶۰۔
- (۳۶) حیات سرور ہمدانی مدد سرور افغانی ۷۰۔
- (۳۷) تذکرہ اکبر شہنشاہ شریف سرور پنجاب و گجراتی ۷۰۔
- (۳۸) تذکرہ اکبر شہنشاہ شریف سرور پنجاب و گجراتی ۷۰۔
- (۳۹) تذکرہ اکبر شہنشاہ شریف سرور پنجاب و گجراتی ۷۰۔
- (۴۰) سید احمد شہرستانی اور تصانیف اور ابن کاشانی ملک مدد سرور و اکبر و سرور پنجاب ۵۰۔
- (۴۱) اسامیہ برہنہ علی آقا خانوں اور شیخوں کا اختلاف تاریخ کی روشنی میں مدد سرور و سرور پنجاب ۷۰۔
- (۴۲) الخضر و شریف، رجب پادشہ، فرید خان علی شاہ مدد سرور و سرور پنجاب ۵۰۔
- (۴۳) البرہنہ اور برہنہ علی مدد سرور و سرور پنجاب ۷۰۔
- (۴۴) تفسیر قصص القرآن مدد سرور و سرور پنجاب ۷۰۔
- (۴۵) جہل حدیث و لی اللہی مدد سرور و سرور پنجاب ۷۰۔
- (۴۶) بہار غلامی مدد سرور و سرور پنجاب ۷۰۔
- (۴۷) تفسیر سرور پنجاب ۷۰۔
- (۴۸) معارف سرور پنجاب ۷۰۔
- (۴۹) تکمیل الايمان (فارسی) تفسیر شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۷۰۔
- (۵۰) معارف سرور پنجاب ۷۰۔
- (۵۱) سرور پنجاب ۷۰۔
- (۵۲) سرور پنجاب ۷۰۔
- (۵۳) سرور پنجاب ۷۰۔
- (۵۴) سرور پنجاب ۷۰۔
- (۵۵) سرور پنجاب ۷۰۔
- (۵۶) سرور پنجاب ۷۰۔
- (۵۷) سرور پنجاب ۷۰۔
- (۵۸) سرور پنجاب ۷۰۔
- (۵۹) سرور پنجاب ۷۰۔
- (۶۰) سرور پنجاب ۷۰۔

تفہیم، حصہ ۶۱، سلام امام خزانہ

یہ عجیب و غریب درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی..... ۱۰۰

(۶۲) دنیا کا سارا بڑا آخرت کا دایہ، تفہیم، حصہ ۶۱، مسکن کی زندگی..... ۵۰

(۶۳) احباب اللہ، تفہیم، امام خزانہ

اعمالی و ادبی و اخلاقی درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی..... مذہبی

(۶۴) کمالی و الصوف، درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی..... ۱۵

(۶۵) کمالی سلام کے خلاف مزاح، طبیعت و مسکن کی زندگی، خائن و لاکھ و لاکھ اور لاکھ

درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی، کمالی و الصوف، درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی..... ۱۵۰

(۶۶) کمالی و الصوف، درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی، کمالی و الصوف، درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی..... ۱۵۰

الحروف و اسرار، کمالی و الصوف، درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی، کمالی و الصوف، درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی..... ۱۵۰

(۶۷) کمالی و الصوف، درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی، کمالی و الصوف، درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی..... ۱۵۰

(۶۸) کمالی و الصوف، درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی، کمالی و الصوف، درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی..... ۱۵۰

انکشاف و اسرار، کمالی و الصوف، درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی، کمالی و الصوف، درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی..... ۱۵۰

(۶۹) کمالی و الصوف، درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی، کمالی و الصوف، درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی..... ۱۵۰

درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی، کمالی و الصوف، درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی..... ۱۵۰

(۷۰) کمالی و الصوف، درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی، کمالی و الصوف، درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی..... ۱۵۰

تفہیم و اسرار، کمالی و الصوف، درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی، کمالی و الصوف، درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی..... ۱۵۰

(۷۱) کمالی و الصوف، درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی، کمالی و الصوف، درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی..... ۱۵۰

(۷۲) کمالی و الصوف، درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی، کمالی و الصوف، درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی..... ۱۵۰

(۷۳) کمالی و الصوف، درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی، کمالی و الصوف، درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی..... ۱۵۰

تفہیم و اسرار، کمالی و الصوف، درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی، کمالی و الصوف، درجہ تہذیب و تمدن اور مسکن کی زندگی..... ۱۵۰

اور اس کے لیے

نہیں کہہ سکتے ہیں کہ
ہم نے اس کے لیے کیا کیا ہے

—

نہیں کہہ سکتے ہیں

ہم نے اس کے لیے کیا کیا ہے

نہیں کہہ سکتے ہیں کہ
ہم نے اس کے لیے کیا کیا ہے

الصَّلَاتُ وَالْبُشْرَى فِي الصَّلَاةِ عَلَى خَيْرِ النَّبِيِّينَ

الانصاف والبر

الزيتون



الإمام شيخ الإسلام محمد بن عبد الوهاب رحمه الله تعالى

45311

4/2/2013

Wang

www

Abstract

1000

100-3161

مَنْ الْبَا

مَكْرُومُ الْخَمْرِ وَالْمَرْءِ

1998, 1999, 2000, 2001, 2002, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010, 2011, 2012, 2013, 2014, 2015, 2016, 2017, 2018, 2019, 2020, 2021, 2022, 2023, 2024, 2025, 2026, 2027, 2028, 2029, 2030, 2031, 2032, 2033, 2034, 2035, 2036, 2037, 2038, 2039, 2040, 2041, 2042, 2043, 2044, 2045, 2046, 2047, 2048, 2049, 2050, 2051, 2052, 2053, 2054, 2055, 2056, 2057, 2058, 2059, 2060, 2061, 2062, 2063, 2064, 2065, 2066, 2067, 2068, 2069, 2070, 2071, 2072, 2073, 2074, 2075, 2076, 2077, 2078, 2079, 2080, 2081, 2082, 2083, 2084, 2085, 2086, 2087, 2088, 2089, 2090, 2091, 2092, 2093, 2094, 2095, 2096, 2097, 2098, 2099, 2100, 2101, 2102, 2103, 2104, 2105, 2106, 2107, 2108, 2109, 2110, 2111, 2112, 2113, 2114, 2115, 2116, 2117, 2118, 2119, 2120, 2121, 2122, 2123, 2124, 2125, 2126, 2127, 2128, 2129, 2130, 2131, 2132, 2133, 2134, 2135, 2136, 2137, 2138, 2139, 2140, 2141, 2142, 2143, 2144, 2145, 2146, 2147, 2148, 2149, 2150, 2151, 2152, 2153, 2154, 2155, 2156, 2157, 2158, 2159, 2160, 2161, 2162, 2163, 2164, 2165, 2166, 2167, 2168, 2169, 2170, 2171, 2172, 2173, 2174, 2175, 2176, 2177, 2178, 2179, 2180, 2181, 2182, 2183, 2184, 2185, 2186, 2187, 2188, 2189, 2190, 2191, 2192, 2193, 2194, 2195, 2196, 2197, 2198, 2199, 2200, 2201, 2202, 2203, 2204, 2205, 2206, 2207, 2208, 2209, 2210, 2211, 2212, 2213, 2214, 2215, 2216, 2217, 2218, 2219, 2220, 2221, 2222, 2223, 2224, 2225, 2226, 2227, 2228, 2229, 2230, 2231, 2232, 2233, 2234, 2235, 2236, 2237, 2238, 2239, 2240, 2241, 2242, 2243, 2244, 2245, 2246, 2247, 2248, 2249, 2250, 2251, 2252, 2253, 2254, 2255, 2256, 2257, 2258, 2259, 2260, 2261, 2262, 2263, 2264, 2265, 2266, 2267, 2268, 2269, 2270, 2271, 2272, 2273, 2274, 2275, 2276, 2277, 2278, 2279, 2280, 2281, 2282, 2283, 2284, 2285, 2286, 2287, 2288, 2289, 2290, 2291, 2292, 2293, 2294, 2295, 2296, 2297, 2298, 2299, 2300, 2301, 2302, 2303, 2304, 2305, 2306, 2307, 2308, 2309, 2310, 2311, 2312, 2313, 2314, 2315, 2316, 2317, 2318, 2319, 2320, 2321, 2322, 2323, 2324, 2325, 2326, 2327, 2328, 2329, 2330, 2331, 2332, 2333, 2334, 2335, 2336, 2337, 2338, 2339, 2340, 2341, 2342, 2343, 2344, 2345, 2346, 2347, 2348, 2349, 2350, 2351, 2352, 2353, 2354, 2355, 2356, 2357, 2358, 2359, 2360, 2361, 2362, 2363, 2364, 2365, 2366, 2367, 2368, 2369, 2370, 2371, 2372, 2373, 2374, 2375, 2376, 2377, 2378, 2379, 2380, 2381, 2382, 2383, 2384, 2385, 2386, 2387, 2388, 2389, 2390, 2391, 2392, 2393, 2394, 2395, 2396, 2397, 2398, 2399, 2400, 2401, 2402, 2403, 2404, 2405, 2406, 2407, 2408, 2409, 2410, 2411, 2412, 2413, 2414, 2415, 2416, 2417, 2418, 2419, 2420, 2421, 2422, 2423, 2424, 2425, 2426, 2427, 2428, 2429, 2430, 2431, 2432, 2433, 2434, 2435, 2436, 2437, 2438, 2439, 2440, 2441, 2442, 2443, 2444, 2445, 2446, 2447, 2448, 2449, 2450, 2451, 2452, 2453, 2454, 2455, 2456, 2457, 2458, 2459, 2460, 2461, 2462, 2463, 2464, 2465, 2466, 2467, 2468, 2469, 2470, 2471, 2472, 2473, 2474, 2475, 2476, 2477, 2478, 2479, 2480, 2481, 2482, 2483, 2484, 2485, 2486, 2487, 2488, 2489, 2490, 2491, 2492, 2493, 2494, 2495, 2496, 2497, 2498, 2499, 2500, 2501, 2502, 2503, 2504, 2505, 2506, 2507, 2508, 2509, 2510, 2511, 2512, 2513, 2514, 2515, 2516, 2517, 2518, 2519, 2520, 2521, 2522, 2523, 2524, 2525, 2526, 2527, 2528, 2529, 2530, 2531, 2532, 2533, 2534, 2535, 2536, 2537, 2538, 2539, 2540, 2541, 2542, 2543, 2544, 2545, 2546, 2547, 2548, 2549, 2550, 2551, 2552, 2553, 2554, 2555, 2556, 2557, 2558, 2559, 2560, 2561, 2562, 2563, 2564, 2565, 2566, 2567, 2568, 2569, 2570, 2571, 2572, 2573, 2574, 2575, 2576, 2577, 2578, 2579, 2580, 2581, 2582, 2583, 2584, 2585, 2586, 2587, 2588, 2589, 2590, 2591, 2592, 2593, 2594, 2595, 2596, 2597, 2598, 2599, 2600, 2601, 2602, 2603, 2604, 2605, 2606, 2607, 2608, 2609, 2610, 2611, 2612, 2613, 2614, 2615, 2616, 2617, 2618, 2619, 2620, 2621, 2622, 2623, 2624, 2625, 2626, 2627, 2628, 2629, 2630, 2631, 2632, 2633, 2634, 2635, 2636, 2637, 2638, 2639, 2640, 2641, 2642, 2643, 2644, 2645, 2646, 2647, 2648, 2649, 2650, 2651, 2652, 2653, 2654, 2655, 2656, 2657, 2658, 2659, 2660, 2661, 2662, 2663, 2664, 2665, 2666, 2667, 2668, 2669, 2670, 2671, 2672, 2673, 2674, 2675, 2676, 2677, 2678, 2679, 26

الحمد لله الذي جعل القرآن من الآيات
معه من القرآن الكريم

التجارة

الذرائع

مِنْ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَلِيمِ

المجلس الأعلى للدراسات والبحوث

علاء الدين محمد بن عبد الله بن محمد بن عبد الله بن عبد الله

الذكور: الطول من الكتف إلى طرف الذيل، ١٠٥ سم.

[illegible]

1. *Phragmites australis*
 2. *Scirpus americanus*
 3. *Spartina patens*
 4. *Distichlis spicata*
 5. *Eleocharis acicularis*
 6. *Eleocharis obtusa*
 7. *Eleocharis tenuis*
 8. *Eleocharis palustris*
 9. *Eleocharis acicularis*
 10. *Eleocharis obtusa*
 11. *Eleocharis tenuis*
 12. *Eleocharis palustris*
 13. *Eleocharis acicularis*
 14. *Eleocharis obtusa*
 15. *Eleocharis tenuis*
 16. *Eleocharis palustris*
 17. *Eleocharis acicularis*
 18. *Eleocharis obtusa*
 19. *Eleocharis tenuis*
 20. *Eleocharis palustris*
 21. *Eleocharis acicularis*
 22. *Eleocharis obtusa*
 23. *Eleocharis tenuis*
 24. *Eleocharis palustris*
 25. *Eleocharis acicularis*
 26. *Eleocharis obtusa*
 27. *Eleocharis tenuis*
 28. *Eleocharis palustris*
 29. *Eleocharis acicularis*
 30. *Eleocharis obtusa*
 31. *Eleocharis tenuis*
 32. *Eleocharis palustris*
 33. *Eleocharis acicularis*
 34. *Eleocharis obtusa*
 35. *Eleocharis tenuis*
 36. *Eleocharis palustris*
 37. *Eleocharis acicularis*
 38. *Eleocharis obtusa*
 39. *Eleocharis tenuis*
 40. *Eleocharis palustris*
 41. *Eleocharis acicularis*
 42. *Eleocharis obtusa*
 43. *Eleocharis tenuis*
 44. *Eleocharis palustris*
 45. *Eleocharis acicularis*
 46. *Eleocharis obtusa*
 47. *Eleocharis tenuis*
 48. *Eleocharis palustris*
 49. *Eleocharis acicularis*
 50. *Eleocharis obtusa*
 51. *Eleocharis tenuis*
 52. *Eleocharis palustris*
 53. *Eleocharis acicularis*
 54. *Eleocharis obtusa*
 55. *Eleocharis tenuis*
 56. *Eleocharis palustris*
 57. *Eleocharis acicularis*
 58. *Eleocharis obtusa*
 59. *Eleocharis tenuis*
 60. *Eleocharis palustris*
 61. *Eleocharis acicularis*
 62. *Eleocharis obtusa*
 63. *Eleocharis tenuis*
 64. *Eleocharis palustris*
 65. *Eleocharis acicularis*
 66. *Eleocharis obtusa*
 67. *Eleocharis tenuis*
 68. *Eleocharis palustris*
 69. *Eleocharis acicularis*
 70. *Eleocharis obtusa*
 71. *Eleocharis tenuis*
 72. *Eleocharis palustris*
 73. *Eleocharis acicularis*
 74. *Eleocharis obtusa*
 75. *Eleocharis tenuis*
 76. *Eleocharis palustris*
 77. *Eleocharis acicularis*
 78. *Eleocharis obtusa*
 79. *Eleocharis tenuis*
 80. *Eleocharis palustris*
 81. *Eleocharis acicularis*
 82. *Eleocharis obtusa*
 83. *Eleocharis tenuis*
 84. *Eleocharis palustris*
 85. *Eleocharis acicularis*
 86. *Eleocharis obtusa*
 87. *Eleocharis tenuis*
 88. *Eleocharis palustris*
 89. *Eleocharis acicularis*
 90. *Eleocharis obtusa*
 91. *Eleocharis tenuis*
 92. *Eleocharis palustris*
 93. *Eleocharis acicularis*
 94. *Eleocharis obtusa*
 95. *Eleocharis tenuis*
 96. *Eleocharis palustris*
 97. *Eleocharis acicularis*
 98. *Eleocharis obtusa*
 99. *Eleocharis tenuis*
 100. *Eleocharis palustris*

